بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

دعوۃ الامیر

از تصنیف لطیف

سیدنا حضرت امیر المومنین میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

دوسری بار

بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان

نے شائع کیا

دسمبر ۱۹۳۵ء

تعداد طبع ۱۵۰۰



حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

١١٣٠

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

رف عبداللہ الضعیف میرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح و امام جماعتِ احمدیہ

بعد فِ اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان بہادر بادشاہ افغانستان و ممالک محروسہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

یمن! یہ چند اوراق جو جناب کی خدمت میں جناب کے علو مرتبت کے خیال سے
م کی نیت سے طبع کرا کر ارسال ہیں میں امید کرتا ہوں کہ جناب باوجود عدیم الفرصتی کے
ء کی تکلیف گوارا فرمائیں گے اور مجھے ممنون احسان بنائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے
خروی حاصل فرمائیں گے ؛

ذ ب کے لکھنے کی دو غرضیں ہیں (۱) یہ کہ آپ تک میں اس آواز کو پہنچا دوں
ہ اللہ ... کی طرف سے دنیا کو مرکز محمدیت پر جمع کرنے کے لئے بلند ہوئی ہے اور (۲) یہ کہ
جنا ... یہ سایہ جماعت احمدیہ کے کچھ افراد رہتے ہیں۔ انکے عقاید اور حالات سے جناب کو
مطلع کروں۔ تاکہ اگر ان کے متعلق کوئی امر جناب کی خدمت میں پیش ہو۔ تو جناب اپنے ذاتی
علم سے اس میں فیصلہ کرنے کے قابل ہوں ؛

جنابمن! پیشتر اسکے کہ میں کوئی اور بات کہوں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ

کسی نئے مذہب کی پابند نہیں ہے۔ بلکہ اسلام اس کا مذہب ہے۔ اور اس سے ایک قدم اِدھر اُدھر ہونا وہ حرام اور موجب شقاوت خیال کرتی ہے۔ اس کا نیا نام اسکے نئے مذہب پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کی صرف یہ غرض ہے کہ یہ جماعت ان دوسرے لوگوں سے جو اسی کی طرح اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ ممتاز حیثیت میں دنیا کے سامنے پیش ہو سکے۔ اسلام ایک پیارا نام ہے۔ جو خود اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ کو بخشا ہے۔ اور اس نام کو اُس نے ایسی عظمت دی ہے کہ اس کے متعلق وہ پہلے انبیاء کے ذریعہ سے پیشگوئیاں کرتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ھو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی ھٰذا یعنی اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی اور اس کتاب مجید میں بھی۔ چنانچہ جب ہم پہلی کتب کو دیکھتے ہیں۔ تو یسعیاہ میں یہ پیشگوئی اب تک درج پاتے ہیں کہ "تو ایک نئے نام سے کہلائے گا جسے خداوند کا مُنہ خود رکھ دے گا" (یسعیاہ باب ٦٢ آیت ٢)

پس اس نام سے زیادہ مقدس نام اور کونسا ہو سکتا ہے۔ جسے خود خدا نے اپنے بندوں کے لئے چنا۔ اور جسے اسقدر بزرگی دی کہ پہلے نبیوں کی زبان سے اسکے لئے پیشگوئیاں کرائیں۔ اور کون ہے جو اس مقدس نام کو چھوڑنا پسند کر سکتا ہے؟ ہم اس نام کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ اور اس مذہب کو اپنی حقیقی حیات کا موجب۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں مختلف لوگوں نے اپنے اپنے خیال کیطرف رجوع کر کے اپنے مختلف نام رکھ لئے ہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان سے اپنے آپ کو ممتاز کرنے کے لئے کوئی نام اختیار کیا جاتا۔ اور بہترین نام اس زمانہ کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے احمدی ہی تھا۔ کیونکہ یہ زمانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کی اشاعت کا زمانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی اشاعت کا زمانہ ہے پس آپ کی صفت احمدیت کے ظہور کے وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نام سے بہتر کوئی امتیازی نام اس وقت نہیں ہو سکتا تھا ❖

غرض ہم لوگ سچے دل سے مسلمان ہیں۔ اور ہر ایک ایسی بات جس کا ماننا ایک سچے مسلمان کے لئے ضروری ہے مانتے ہیں۔ اور ہر وہ بات جس کا رد کرنا ایک سچے مسلمان کے لئے ضروری ہے اُسے رد کرتے ہیں۔ اور وہ شخص جو باوجود تمام صداقتوں کی تصدیق کرنے کے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو ماننے کے ہم پر کفر کا الزام لگاتا ہے۔ اور کسی نئے مذہب کا ماننے والا قرار دیتا ہے۔ وہ

سورۃ الحج ع ١٠

ہم پر ظلم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور میں جوابدہ ہے۔ انسان اپنے مُنہ کی بات پر پکڑا جاتا ہے نہ کہ اپنے دل کے خیال پر۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کسی کے دل میں کیا ہے؟ جو شخص کسی دوسرے پر الزام لگاتا ہے کہ جو کچھ یہ مُنہ سے کہتا ہے۔ وہ اس کے دل میں نہیں ہے۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ دلوں کا حال جاننے والا صرف اللہ ہے۔ اِسکے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی کے دل میں کیا ہے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عارف اور کون ہوگا۔ آپ اپنی نسبت فرماتے ہیں۔ انکم تختصمون الیّ وانّما انا بشر ولعلّ بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فان قضیت لاحدٍ منکم من حق اخیہ فانّما اقطع لہ قطعۃ من النار فلا یاخذ منہ شیئاً۔ یعنی تم میں سے بعض لوگ میرے پاس جھگڑا لاتے ہیں۔ اور میں بھی آدمی ہوں ممکن ہے کہ کوئی آدمی تم میں سے دوسرے کی نسبت عمدہ طور پر جھگڑنے والا ہو۔ پس اگر میں تم میں سے کسی کو اس کے بھائی کا حق دلا دوں۔ تو میں اُسے ایک آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں اُسے چاہیئے کہ اُسے نہ لے ❖

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ اسامہ بن زید کو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج کا افسر بنا کر بھیجا۔ ایک شخص کفار میں سے انکو ملا جس پر انہوں نے حملہ کیا۔ جب وہ اسکو قتل کرنے لگے۔ تو اس نے کلمہ شہادت پڑھ دیا۔ مگر باوجود اسکے انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ جب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ انھوں نے کیوں ایسا کیا ہے اسپر اسامہ نے کہا کہ یا رسُول اللہ وہ ڈر سے اسلام ظاہر کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ الا شققت عن قلبہ۔ تو نے اس کا دل پھاڑ کر کیوں نہ دیکھا یعنی تجھے کیا معلوم تھا کہ اُس نے اظہار اسلام ڈر سے کیا تھا یا سچے دل سے۔ کیونکہ دل کا حال انسان سے پوشیدہ ہوتا ہے ❖

غرض فتویٰ مُنہ کی بات پر لگایا جاتا ہے نہ کہ دل کے خیالات پر۔ کیونکہ دل کے خیالات سے صرف اللہ تعالیٰ آگاہ ہوتا ہے۔ اور جو بندہ کسی کے دل کے خیالات پر فتویٰ لگاتا ہے وہ جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور قابل مواخذہ ❖

پس ہم لوگ یعنی جماعت احمدیہ کے افراد جبکہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو کسی کا حق نہیں کہ وہ یہ فتویٰ ہم پر لگاوے کہ ان کا اسلام صرف دکھاوے کا ہے۔ ورنہ یہ دل سے اسلام کے منکر ہیں

یا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے۔ اور کوئی نیا کلمہ پڑھتے ہیں یا نیا قبلہ انھوں نے بنا رکھا ہے اگر ہماری نسبت اس قسم کی باتیں کہنی جائز ہیں تو ہم پر اس قسم کے الزامات لگانے والوں کی نسبت ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر اپنے گھروں میں جا کر یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اسلام کو نعوذ باللہ گالیاں دیتے ہیں۔ مگر ہم لوگ کسی کی مخالفت کی وجہ سے حق کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کسی پر فتویٰ اس بنا پر نہیں لگاتے کہ یہ ظاہر کچھ اور کرتا ہے۔ اور اسکے دل میں کچھ اور ہے۔ بلکہ ہم شریعت کے حکم کے ماتحت اسی بات پر بحث کرتے ہیں۔ جسے انسان آپ ظاہر کرتا ہے +

اس کے بعد میں جناب کے سامنے اپنی جماعت کے عقاید پیش کرتا ہوں۔ تاکہ جناب غور فرما سکیں کہ ان عقاید میں کونسی بات خلاف اسلام ہے :۔

۱۔ ہم لوگ یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ موجود ہے۔ اور اسکی ہستی پر ایمان لانا سب سے بڑی صداقت کا اقرار کرنا ہے۔ نہ کہ وہم وگمان کی اتباع +

۲۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اس کے سوا باقی سب کچھ مخلوق ہے۔ اور ہر آن اسکی امداد اور سہارے کی محتاج ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی نہ باپ نہ ماں نہ بیوی نہ بھائی۔ وہ اپنی توحید اور تفرید میں اکیلا ہے +

۳۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اور تمام عیوب سے منزہ ہے اور تمام خوبیوں کی جامع ہے۔ کوئی عیب نہیں جو اس میں پایا جاتا ہو۔ اور کوئی خوبی نہیں جو اس میں پائی نہ جاتی ہو اسکی قدرت لا انتہا ہے اس کا علم غیر محدود اس نے ہر ایک شئے کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو اسکا احاطہ کر سکے۔ وہ اول ہے وہ آخر ہے وہ ظاہر ہے وہ باطن ہے وہ خالق ہے جمیع کائنات کا۔ اور مالک ہے کل مخلوقات کا۔ اس کا تصرف نہ کبھی پہلے باطل ہوا۔ نہ اب باطل ہے نہ آیندہ باطل ہوگا۔ وہ زندہ ہے۔ اُسپر کبھی موت نہیں۔ وہ قائم ہے اسپر کبھی زوال نہیں اسکے تمام کام ارادہ سے ہوتے ہیں نہ کہ اضطراری طور پر۔ اب بھی وہ اسی طرح دُنیا پر حکومت کر رہا ہے جس طرح کہ وہ پہلے کرتا تھا۔ اس کی صفات کسی وقت بھی معطل نہیں ہوتیں وہ ہر وقت اپنی قدرت نمائی کر رہا ہے +

۴۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں۔ اور یفعلون ما یؤمرون (النحل ع ۶)

کے مصداق ہیں۔ اسکی حکمت کاملہ نے انہیں مختلف قسم کے کاموں کے لئے پیدا کیا ہے وہ واقع میں موجود ہیں۔ ان کا ذکر استعارۃً نہیں ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کہ انسان یا دیگر مخلوقات۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے ان کا محتاج نہیں۔ وہ اگر چاہتا۔ تو بغیر اس مخلوق کے پیدا کرنے کے اپنی مرضی کو ظاہر کرتا۔ مگر اسکی حکمت کاملہ نے اس مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ اور وہ پیدا ہو گئی جس طرح سورج کی روشنی کے ذریعہ سے انسانی آنکھوں کو منوّر کرنے اور روٹی سے اس کا پیٹ بھرنے سے۔ اللہ تعالےٰ سورج اور روٹی کا محتاج نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح ملائکہ کے ذریعہ سے اپنے بعض ارادوں کے اظہار سے وہ ملائکہ کا محتاج نہیں ہو جاتا +

۵۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ خدا اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ اور اپنی مرضی ان پر ظاہر کرتا ہے یہ کلام خاص الفاظ میں نازل ہوتا ہے۔ اور اسکے نزول میں بندہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا نہ اس کا مطلب بندہ کا سوچا ہوا ہوتا ہے نہ اسکے الفاظ بندہ کے تجویز کئے ہوئے ہوتے ہیں معنی بھی اللہ تعالیٰ کیطرف سے آتے ہیں اور الفاظ بھی اسی کی طرف سے۔ وہی کلام انسان کی حقیقی غذا ہے۔ اور اسی سے انسان زندہ رہتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے اُسے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ وہ کلام اپنی قوت اور شوکت میں بےمثل ہوتا ہے اور اسکی مثال کوئی بندہ نہیں لاسکتا۔ وہ علوم کے بیشمار خزانے اپنے ساتھ لاتا ہے اور ایک کان کی طرح ہوتا ہے جسے جس قدر کھودو۔ اسی قدر اس میں سے قیمتی جواہر نکلتے چلے آتے ہیں۔ بلکہ کانوں سے بھی بڑھکر کیونکہ انکے خزینے ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کلام کے معارف ختم نہیں ہوتے یہ کلام ایک سمندر کیطرح ہوتا ہے جسکی سطح پر عنبر تیرتا پھرتا ہے اور جسکی تہ پر موتی بچھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو اسکے ظاہر پر نظر کرتا ہے۔ اسکی خوشبو کی مہک سے اپنے دماغ کو معطر پاتا ہے اور جو اسکے اندر غوطہ لگاتا ہے دولت علم و عرفان سے مالا مال ہو جاتا ہے یہ کلام کئی قسم کا ہوتا ہے کبھی احکام و شرائع پر مشتمل ہوتا ہے۔ کبھی مواعظ و نصائح پر کبھی اس کے ذریعہ سے علم غیب کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور کبھی علم روحانی کے دفینے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ کبھی اسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اپنی خوشنودی

کا اظہار کرتا ہے۔ اور کبھی اپنی ناپسندیدگی کا علم دیتا ہے کبھی پیار اور محبت کی باتوں سے اس کے دل کو خوش کرتا ہے کبھی زجر و توبیخ سے اُسے اسکے فرض کیطرف متوجہ کرتا ہے کبھی اخلاق فاضلہ کے باریک راز کھولتا ہے کبھی مخفی بدیوں کا علم دیتا ہے۔ غرض ہم ایمان رکھتے ہیں کہ خدا اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ اور وہ کلام مختلف حالات اور مختلف انسانوں کے مطابق مختلف مدارج کا ہوتا ہے۔ اور مختلف صورتوں میں نازل ہوتا ہے۔ اور تمام کلاموں سے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے کئے ہیں۔ قرآن کریم اعلیٰ اور افضل اور اکمل ہے۔ اور اس میں جو شریعت نازل ہوئی ہے اور جو ہدایت دی گئی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ کوئی آیندہ کلام اسے منسوخ نہیں کرے گا +

۶۔ اسی طرح ہم یقین رکھتے ہیں کہ جب کبھی بھی دُنیا تاریکی سے بھر جاتی رہی ہے۔ اور لوگ فسق و فجور میں مُبتلا ہو جاتے رہے ہیں۔ اور بلا آسمانی مدد کے شیطان کے پنجہ سے رہائی پانا ان کے لئے مشکل ہو جاتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شفقت کامل اور رحم بے انتہا کے ماتحت اپنے نیک اور پاک اور مخلص بندوں میں سے بعض کو منتخب کرکے دنیا کی رہنمائی کے لئے بھیجتا رہا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔ وان من امة اِلّا خلا فیھا نذیر یعنی کوئی قوم نہیں ہے جس میں ہماری طرف سے نبی نہ آچکا ہو۔ اور یہ بندے اپنے پاکیزہ عمل اور بے عیب رویہ سے لوگوں کے لئے خضر راہ بنتے رہے ہیں۔ اور انکے ذریعہ سے وہ اپنی مرضی سے دُنیا کو آگاہ کرتا رہا ہے۔ جن لوگوں نے ان سے مُنہ موڑا۔ وہ ہلاکت کو سونپے گئے۔ اور جنہوں نے ان سے پیار کیا۔ خدا کے پیارے ہو گئے۔ اور برکتوں کے دروازے انکے لئے کھولے گئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر نازل ہوئیں۔ اور اپنے سے بعد میں آنیوالوں کے لئے وہ سردار مقرر کئے گئے اور دونوں جہانوں کی بہتری انکے لئے مقدر کی گئی +

اور ہم یہ بھی یقین کرتے ہیں کہ یہ خدا کے فرستادے جو دنیا کو بدی کی ظلمت سے نکالکر نیکی کی روشنی کیطرف لاتے رہے ہیں مختلف مدارج اور مختلف مقامات پر فائز تھے۔ اور ان سب کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے سید ولد آدم قرار دیا اور کافۃ للناس مبعوث فرمایا۔ اور جن پر اس نے تمام علوم کاملہ ظاہر کئے۔ اور جنکی اس نے اس رعب

شوکت سے مدد کی۔ کہ بڑے بڑے جابر بادشاہ انکے نام کو سُنکر تھرا اُٹھتے تھے۔ اور جن کے لئے اس نے تمام زمین کو مسجد بنا دیا۔ حتیٰ کہ چپہ چپہ زمین پر انکی اُمت نے خدائے وحدہٗ لاشریک کے لئے سجدہ کیا۔ اور زمین عدل و انصاف سے بھر گئی۔ بعد اسکے کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر پہلے انبیاء بھی اس نبی کامل کے وقت میں ہوتے تو انہیں اسکی اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ (آل عمران ع ۹) اور جیسا کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا ہے کہ لوکان موسیٰ وعیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتباعی۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ تھا +

۷۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سُنتا ہے۔ اور ان کی مشکلات کو ٹالتا ہے۔ وہ ایک زندہ خدا ہے جسکی زندگی کو انسان ہر زمانہ میں اور ہر وقت محسوس کرتا ہے۔ اسکی مثال اس سیڑھی کی نہیں۔ جسے کنواں بنانے والا بناتا ہے۔ اور جب وہ مکمل ہو جاتا ہے تو اُسے توڑ ڈالتا ہے کہ اب وہ کسی مصرف کی نہیں رہی۔ بلکہ کام میں حارج ہو گئی۔ بلکہ اسکی مثال اُس نور کی ہے کہ جس کے بغیر سب کچھ اندھیرا ہے۔ اور اس رُوح کی ہے جس کے بغیر چاروں طرف موت ہی موت ہے۔ اسکے وجود کو بندوں سے جدا کردو۔ تو وہ ایک جسم بیجان رہ جاتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ اس نے کبھی دُنیا کو پیدا کیا۔ اور اب خاموش ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ بلکہ وہ ہر وقت اپنے بندوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور انکے عجز و انکسار پر توجہ کرتا ہے۔ اور اگر وہ اُسے بھول جائیں۔ تو وہ خود اپنا وجود انہیں یاد دلاتا ہے۔ اور اپنے خاص پیغام رسانوں کے ذریعہ انکو بتاتا ہے۔ کہ انی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوالی ولیؤمنوابی لعلھم یرشدون۔ میں قریب ہوں۔ ہر ایک پکارنے والے کی آواز کو جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ سُنتا ہوں پس چاہیئے کہ وہ میری باتوں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں +

۸۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص الخاص تقدیر کو دُنیا میں جاری کرتا رہتا ہے

صرف یہی قانون قدرت اس کی طرف سے جاری نہیں جو طبعی قانون کہلاتا ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ اس کی ایک خاص تقدیر بھی جاری ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ اپنی قوت و شوکت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنی قدرت کا پتہ دیتا ہے۔ یہ وہی قدرت ہے جس کا بعض نادان اپنی کم علمی کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور سوائے طبعی قانون کے اور کسی قانون کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور اسے قانون قدرت کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ طبعی قانون تو کہلا سکتا ہے مگر قانون قدرت نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اسکے سوا اسکے اور بھی قانون ہیں جنکے ذریعہ سے وہ اپنے پیاروں کی مدد کرتا ہے۔ اور انکے دشمنوں کو تباہ کرتا ہے۔ بھلا اگر ایسے کوئی قانون موجود نہ ہوتے۔ تو کس طرح ممکن تھا کہ ضعیف و کمزور موسیٰ فرعون جیسے جابر بادشاہ پر غالب آ جاتا۔ یہ اپنے ضعف کے باوجود عروج پا جاتا۔ اور وہ اپنی طاقت کے باوجود برباد ہو جاتا۔ پھر اگر کوئی اور قانون نہیں۔ تو کس طرح ہو سکتا تھا کہ سارا عرب بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تباہی کے درپے ہوتا۔ مگر اللہ تعالیٰ آپ کو ہر میدان میں غالب کرتا اور ہر حملۂ دشمن سے محفوظ رکھتا۔ اور آخر دس ہزار قدوسیوں سمیت اس سرزمین پر آپ چڑھ آتے۔ جس میں سے صرف ایک جان نثار کی معیت میں آپکو نکلنا پڑا تھا۔ کیا قانون طبعی ایسے واقعات پیدا کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ وہ قانون تو ہمیں یہی بتاتا ہے کہ ہر ادنیٰ طاقت اعلیٰ طاقت کے مقابل پر توڑ دی جاتی ہے۔ اور ہر کمزور طاقتور کے ہاتھوں سے ہلاک ہوتا ہے +

۹ - ہم اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان پھر اُٹھایا جائیگا۔ اور اسکے اعمال کا اس سے حساب لیا جائیگا۔ جو اچھے اعمال کرنیوالا ہوگا۔ اس سے نیک سلوک کیا جائیگا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا توڑنے والا ہوگا اُسے سخت سزا دی جائیگی اور کوئی تدبیر نہیں جو انسان کو اس بعثت سے بچا سکے۔ خواہ اسکی ہڈیاں تک جلا دی جائیں۔ خواہ اُسکے جسم کو ہوا کے پرندے یا جنگل کے درندے کھا جائیں۔ خواہ زمین کے کیڑے اس کے ذرہ ذرہ کو جدا کر دیں۔ اور پھر ان کو دوسری شکلوں میں تبدیل کر دیں۔ وہ پھر بھی اُٹھایا جائیگا۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حساب دیگا۔ کیونکہ اسکی قدرت کاملہ اس امر کی محتاج نہیں کہ اسکا پہلا جسم ہی موجود ہو۔ تب ہی وہ اسکو پیدا کر سکتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ اس کے

باریک سے باریک ذرّہ یا لطیف حصۂ روح سے بھی پھر اس کو پیدا کر سکتا ہے۔ اور ہوگا بھی اسی طرح۔ جسم خاک ہو جاتے ہیں۔ مگر انکے باریک ذرّات فنا نہیں ہوتے۔ اور نہ وہ رُوح جو جسم انسانی میں ہوتی ہے۔ خدا کے اذن کے بغیر فنا ہو سکتی ہے +

۱۰ - ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مُنکر اور اسکے دین کے مخالف اگر وہ انکو اپنی رحمت کاملہ سے بخش نہ دے۔ ایک ایسے مقام پر رکھے جائینگے جسے جہنّم کہتے ہیں اور جس میں آگ اور شدید سردی کا عذاب ہوگا۔ جسکی غرض محض تکلیف دینا نہ ہوگی۔ بلکہ اس میں ان لوگوں کی آئیندہ اصلاح مدنظر ہوگی۔ اسجگہ سوائے رونے اور پیٹنے اور دانت پیسنے کے انکے لئے کچھ نہ ہوگا۔ حتّٰی کہ وہ دن آجائے۔ جب اللہ تعالیٰ کا رحم جو ہر چیز پر غالب ہے۔ انکو ڈھانپ لے اور یأتی علی جھنّم زمان لیس فیہا احد ونسیم الصباء تحرک ابوابھا کا وعدہ پورا ہو جائے +

۱۱ - اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں اور اس کے فرشتوں اور اسکی کتابوں پر ایمان لانیوالے ہیں۔ اور اس کے احکام پر جان و دل سے ایمان لاتے ہیں اور انکسار اور عاجزی کی راہوں پر چلتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر چھوٹے بنتے ہیں۔ اور امیر ہو کر غریبوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اللہ کی مخلوق کی خدمتگزاری کرتے ہیں۔ اور اپنے آرام پر لوگوں کی راحت کو مقدم رکھتے ہیں۔ اور ظلم اور تعدی اور خیانت سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اخلاق فاضلہ کے حامل ہوتے ہیں۔ اور اخلاق رذیلہ سے مجتنب رہتے ہیں وہ لوگ ایک ایسے مقام پر رکھے جائینگے جسے جنت کہتے ہیں۔ اور جس میں راحت اور چین کے سوا دکھ اور تکلیف کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی رضا انسان کو حاصل ہوگی۔ اور اس کا دیدار اُسے نصیب ہوگا۔ اور وہ اسکے فضل کی چادر میں لپیٹا جا کر اس کا ایسا قرب حاصل کریگا۔ کہ گویا اس کا آئینہ ہو جائے گا۔ اور صفات الٰہیہ اس میں کامل طور پر جلوہ گر ہونگی۔ اور اسکی سب ادنیٰ خواہشات نکل جائینگی۔ اور اسکی مرضی خدا کی مرضی ہو جائیگی۔ اور وہ ابدی زندگی پاکر خدا تعالیٰ کا مظہر ہو جائے گا +

یہ ہمارے عقیدے ہیں۔ اور انکے سوا ہم نہیں جانتے کہ اسلام میں داخل کرنیوالے عقاید کیا ہیں تمام آئمہ اسلام انہی باتوں کو عقاید اسلام قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ اور ہم ان سے اس امر میں کلی متفق ہیں +

ہمارا دوسرے لوگوں سے اختلاف

شاید جناب عالی حیران ہوں کہ جب سب عقائدِ اسلام کو ہم لوگ مانتے ہیں۔ تو پھر ہم میں اور دوسرے لوگوں میں کیا اختلاف ہے۔ اور بعض علماء کو ہمارے خلاف اس قدر جوش اور تعصب کیوں ہے۔ اور کیوں وہ ہم پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں؟ سو اے امیر والاشان! اللہ تعالیٰ آپ کو شرورِ دنیا سے محفوظ رکھے۔ اور اپنے فضل کے دروازے آپ کے لئے کھول دے! اب میں وہ اعتراض بیان کرتا ہوں۔ جو ہم پر کئے جاتے ہیں۔ اور جن کے سبب ہمیں اسلام سے خارج بیان کیا جاتا ہے ؛

۱۔ ہمارے مخالفوں کی سب سے پہلا اعتراض تو ہم پر یہ ہے کہ ہم حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو وفات یافتہ مانتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس طرح ہم حضرت مسیح کی ہتک کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم کو جھٹلاتے ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو رد کرتے ہیں۔ لیکن گو یہ بات تو بالکل حق ہے کہ ہم حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو وفات یافتہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں کہ ہم اس طرح مسیح علیہ السلام کی ہتک کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم کو جھٹلاتے ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو رد کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم جس قدر غور کرتے ہیں۔ ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزامات ہم پر مسیح علیہ السلام کے وفات یافتہ ماننے سے عائد نہیں ہوتے بلکہ اس کے برخلاف اگر ہم انکو زندہ مانیں۔ تب یہ الزامات ہم پر لگ سکتے ہیں ؛

ہم لوگ مسلمان ہیں۔ اور بحیثیت مسلمان ہونیکے ہمارا خیال سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے رسول کی عزت کی طرف جاتا ہے۔ اور گو ہم سب رسولوں کو مانتے ہیں لیکن ہماری محبت اور غیرت بالطبع اس شخص کے لئے زیادہ جوش میں آتی ہے۔ جس نے ہمارے لئے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالا۔ اور ہمارے بوجھوں کو ہلکا کرنے کے لئے اپنے سر پر بوجھ اٹھایا۔ اور ہمیں مرتا ہوا دیکھ کر اس نے اس قدر غم کیا کہ گویا خود اپنے اوپر موت وارد کر لی۔ اور ہمیں سکھ پہنچانے کے لئے ہر قسم کے سکھوں کو ترک کیا اور ہمیں اوپر اٹھانے کے لئے خود نیچے کو جھکا۔ اس کے دن ہماری بہتری کی فکر میں صرف ہوئے۔ اور اس کی راتیں ہمارے لئے جاگتے کٹیں۔ حتیٰ کہ کھڑے کھڑے اسکے پاؤں سوج جاتے۔ اور خود بے گناہ ہوتے ہوئے ہمارے گناہوں کو دور کرنے کے لئے اور ہمیں عذاب سے بچانے کے لئے اس نے اس قدر

گریہ وزاری کی کہ اسکی سجدہ گاہ تر ہوگئی۔ اور اسکی رقت ہمارے لئے اس قدر بڑھ گئی۔ کہ اس کے سینے کی آواز ابلتی ہوئی دیگ سے بھی بڑھ گئی ؛

اس نے خدا کے رحم کو ہمارے لئے کھینچا۔ اور اسکی رضا کو ہمارے لئے جذب کیا۔ اور اس کے فضل کی چادر ہم پر اڑھائی۔ اور اسکی رحمت کا لبادہ ہمارے کندھوں پر ڈال دیا۔ اور اسکے وصال کی راہیں ہمارے لئے تلاش کیں۔ اور اس سے اتحاد کا طریق ہمارے لئے دریافت کیا۔ اور ہمارے لئے وہ سہولتیں بہم پہنچائیں کہ اس سے پہلے کسی نبی نے اپنی اُمت کے لئے بہم نہ پہنچائی تھیں ؛

ہمیں کفر کے خطاب نہایت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ بہ نسبت اسکے کہ ہم اپنے پیدا کرنیوالے اور اپنے پالنے والے اور اپنے زندگی بخشنے والے اور اپنی حفاظت کرنیوالے اور اپنے رزق دینے والے اور اپنے علم بخشنے والے اور اپنے ہدایت عطا کرنیوالے خدا کے برابر مسیح ناصری کو درجہ دیں۔ اور یہ خیال کریں۔ کہ جس طرح وہ آسمانوں پر بلا کھانے اور پینے کے زندہ ہے مسیح ناصری بھی بلا حوائج انسانی کے پورا کرنیکے آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ ہم مسیح علیہ السلام کی عزت کرتے ہیں۔ مگر صرف اس لئے کہ وہ ہمارے خدا کا نبی ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں مگر صرف اس لئے کہ خدا سے اُسے محبت تھی۔ اور خدا کو اس سے محبت تھی۔ اس سے ہمارا سب تعلق طفیلی ہے پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ اسکی خاطر ہم اپنے خدا کی ہتک کریں اور اسکے احسانوں کو فراموش کر دیں۔ اور مسیحی پادریوں کو جو اسلام اور قرآن کے دشمن ہیں۔ مدد دیں اور انکو یہ کہنے کا موقع دیں۔ کہ دیکھو وہ جو زندہ آسمان پر بیٹھا ہے کیا وہ خدا نہیں۔ اگر وہ انسان ہوتا تو کیوں باقی انسانوں کی طرح مر نہ جاتا۔ ہم اپنے منہ سے کس طرح خدا تعالیٰ کی توحید پر حملہ کریں۔ اور اپنے ہاتھ سے کیونکر اسکے دین پر تبر رکھ دیں۔ اس زمانہ کے مولوی اور عالم جو چاہیں ہمیں کہیں۔ اور جس طرح چاہیں ہم سے سلوک کریں اور کروائیں۔ خواہ ہمیں پھانسی دیں۔ خواہ سنگسار کریں۔ ہم سے تو مسیح کی خاطر خدا نہیں چھوڑا جاتا۔ اور ہم اس گھڑی سے موت کو ہزار درجہ بہتر سمجھتے ہیں۔ جب ہماری زبانیں یہ کفر کا کلمہ کہیں۔ کہ ہمارے خدا کے ساتھ وہ بھی زندہ بیٹھا ہے جسے مسیحی خدا کا بیٹا کہہ کر خدائے قیوم کی ہتک کرتے ہیں۔ اگر ہمیں علم نہ ہوتا تو بیشک ہم ایسی بات کہہ سکتے تھے۔ مگر جب خدا کے فرستادہ نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔ اور اس کی توحید اور اس کے جلال اور اسکی شوکت اور اسکی عظمت اور اس کی قدرت کے مقام کو ہمارے لئے ظاہر کر دیا۔ تو اب خواہ کچھ بھی ہو

ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی بندہ کو اختیار نہیں کر سکتے۔ اور اگر ہم ایسا کریں۔ تو ہم نہیں جانتے کہ ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ کیونکہ سب عزتیں اور سب مدارج اسی کی طرف سے ہیں۔ ہمیں جب صاف نظر آتا ہے کہ مسیح کی زندگی میں ہمارے رب کی ہتک ہے تو ہم اس عقیدہ کو کیونکر صحیح تسلیم کریں اور گو ہماری سمجھ سے یہ بات باہر ہے کہ کیوں مسیح کی وفات ماننے سے اسکی ہتک ہو جاتی ہے جب اس سے بڑے درجہ کے نبی فوت ہو گئے۔ اور ان کی ہتک نہ ہوئی۔ تو مسیح علیہ السلام اگر فوت ہو جائیں۔ تو ان کی ہتک کس طرح ہو جائیگی۔ لیکن ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر کسی وقت ہمیں اس سے چارہ نہ ہو کہ یا خدا تعالیٰ کی ہتک کریں یا مسیح علیہ السلام کی۔ تو ہم بخوشی اس عقیدہ کو تسلیم کر لینگے جس سے مسیح علیہ السلام کی ہتک ہوتی ہو۔ مگر اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرینگے جس میں خدا تعالیٰ کی ہتک ہوتی ہو اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام بھی جو اللہ تعالیٰ کے عشاق میں سے تھے کبھی گوارا نہ کرینگے کہ انکی عزت تو قائم کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو صدمہ پہنچایا جائے۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملآئکۃ المقربون۔ (سورۃ النساء ع ۲۴)

ہم خدا کے کلام کو کہاں لے جائیں اور کس طرح اسی منہ سے توکنت علیھم شھیداً ا مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیءٍ شھید۔ کی آیتہ پڑھیں جس میں اللہ تعالیٰ خود حضرت مسیح ناصریؑ کی زبانی بیان فرماتا ہے کہ مسیحی لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد بگڑے ہیں۔ انکی حیات میں تو وہ سچے دین پر ہی قائم رہے ہیں اور اسی منہ سے یہ کہیں کہ حضرت مسیح زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کے کلام یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ ومطھرک من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ۔ کو کس طرح نظر انداز کر دیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع انکی وفات کے بعد ہوا تھا بیشک وہ جو خدا سے زیادہ فصیح زبان جاننے کے دعویدار ہیں کہدیں۔ کہ اس نے متوفیک کو جو حضرت مسیح کی وفات کی خبر دیتا ہے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اصل میں رافعک پہلے چاہیئے تھا۔ مگر ہم تو اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام کلاموں سے افصح جانتے ہیں اور ہر غلطی سے مبرا سمجھتے ہیں۔ ہم مخلوق ہو کر اپنے خالق کی غلطیاں کیونکر نکالیں۔ اور جاہل ہو کر علیم کو سبق کیونکر دیں۔ ہمیں کہا جاتا ہے۔ کہ تم یہ کہو کہ خدا کے کلام میں غلطی ہو گئی۔ مگر یہ

نہ کہو۔ کہ خود ہمیں خدا کا کلام سمجھنے میں غلطی لگ گئی۔ مگر ہم اس نصیحت کو کس طرح تسلیم کر لیں کہ ہمیں صریح ہلاکت نظر آتی ہے۔ آنکھیں ہوتے ہوئے ہم گڑھے میں کس طرح گر جائیں۔ اور ہاتھ ہوتے ہوئے ہم زہر کے پیالہ کو کیوں نہ اپنے منہ سے ہٹائیں ؎

خدا تعالیٰ کے بعد ہمیں خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ اور کیا بلحاظ اسکے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو سب انبیاء سے بڑا درجہ دیا ہے۔ اور کیا بلحاظ اسکے کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے۔ آپ ہی سے ملا ہے۔ اور جو کچھ آپ نے ہمارے لئے کیا ہے۔ اس کا عُشر عشیر بھی اور کسی انسان نے خواہ نبی ہو یا غیر نبی۔ ہمارے لئے نہیں کیا۔ ہم آپ سے زیادہ کسی اور انسان کو عزت نہیں دے سکتے۔ ہمارے لئے یہ بات سمجھنی بالکل ناممکن ہے کہ حضرت مسیح ناصری کو زندہ آسمان پر چڑھا دیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیر زمین مدفون سمجھیں۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی یقین رکھیں کہ آپ مسیح سے افضل بھی ہیں۔ کس طرح۔ ممکن ہے کہ وہ جسے اللہ تعالیٰ نے ذرہ سا خطرہ دیکھ کر آسمان پر اٹھا لیا۔ ادنیٰ درجہ کا ہو۔ اور وہ جو دُور دُور تک دشمنوں سے تعاقب کیا گیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اُسے ستاروں تک بھی نہ اُٹھایا اعلیٰ ہو۔ اگر فی الواقع مسیح علیہ السلام آسمان پر ہیں۔ اور ہمارے سردار و آقا زمین میں مدفون ہیں۔ تو ہمارے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی موت نہیں۔ اور ہم مسیحیوں کو منہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ مگر نہیں یہ بات نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے پاک رسول سے یہ سلوک نہیں کر سکتا۔ وہ احکم الحاکمین ہے۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سید ولد آدم بھی بناتا۔ اور پھر مسیح علیہ السلام سے زیادہ محبت کرتا اور انکی تکالیف کا زیادہ خیال رکھتا۔ جب اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے قیام کے لئے ایک دُنیا کو زیر و زبر کر دیا اور جس نے آپ کی ذرہ بھی ہتک کرنی چاہی۔ اسے ذلیل کر دیا۔ تو کیا یہ ہو سکتا تھا۔ کہ خود اپنے ہاتھ سے وہ آپ کی شان کو گراتا۔ اور دشمن کو اعتراض کا موقع دیتا میں تو جب یہ خیال بھی کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو زیر زمین مدفون ہیں اور حضرت مسیح ناصری آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور میری جان گھٹنے لگتی ہے۔ اور اسی وقت میرا دل پکارنے لگ جاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ایسا نہیں کر سکتا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا تھا۔ وہ اسے ہرگز

پسند نہیں کر سکتا تھا کہ آپ تو فوت ہو کر زمین کے نیچے مدفون ہوں اور حضرت مسیح علیہ السلام زندہ رہ کر آسمان پر جا بیٹھیں۔ اگر کوئی شخص زندہ رہنے اور آسمان پر جا بیٹھنے کا مستحق تھا۔ تو وہ ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اور اگر وہ فوت ہو گئے ہیں تو سب فوت ہو چکے ہیں۔ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلےٰ شان اور آپ کے ارفع درجہ کو دیکھتے ہوئے اور مقام کو پہچانتے ہوئے کس طرح تسلیم کر لیں۔ کہ ہجرت کے دن جبل ثور کی بلند چٹانوں پر حضرت ابو بکرؓ کے کندھوں پر پاؤں رکھ رکھ کر آپؐ کو چڑھنا پڑا۔ تو خدا تعالیٰ نے کوئی فرشتہ آپ کے لئے نہ اتارا۔ لیکن جب مسیح علیہ السلام کو یہودی پکڑنے آئے۔ تو اُس نے جھٹ آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور چوتھے آسمان پر آپ کو جگہ دی۔ اسی طرح ہم کیونکر مان لیں کہ جب غزوہ اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے صرف چند احباب میں گھرا پایا۔ تو اسوقت تو اللہ تعالیٰ نے یہ نہ کیا کہ آپؐ کو کچھ دیر کے لئے آسمان پر اُٹھا لیتا۔ اور کسی دشمن کی شکل آپؐ کی سی بدلکر اُس کے دانت تڑوا دیتا۔ بلکہ اس نے اجازت دی کہ دشمن آپ پر حملہ آور ہو۔ اور آپ کا علیت زمین پر بیہوش ہو کر جا پڑیں۔ اور دشمن خوشی کے نعرہ لگائے۔ کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے۔ لیکن مسیح علیہ السلام کے متعلق اسے یہ بات پسند نہ آئی۔ کہ انکو کوئی تکلیف ہو۔ اور جونہی کہ یہود نے آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے آپکو آسمان کیطرف اُٹھا لیا۔ اور آپ کی جگہ آپ کے کسی دشمن کو آپ کی شکل میں بدل کر صلیب پر لٹکوا دیا ✦

ہم حیران ہیں کہ لوگوں کو کیا ہو گیا۔ کہ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف آپؐ کی عزت پر حملہ کرتے ہیں۔ اور اسی پر بس نہیں کرتے۔ بلکہ جو لوگ آپکی محبت سے مجبور ہو کر آپ پر کسی کو فضیلت دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ان کو دُکھ دیتے ہیں۔ اور ان کے اس فعل کو کفر قرار دیتے ہیں۔ کیا کفر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے قائم کرنے کا نام ہے۔ کیا بے دینی آپ کے حقیقی درجہ کے اقرار کا نام ہے۔ کیا ارتداد آپؐ سے محبت کو کہتے ہیں؟ اگر یہی کفر ہے۔ اگر یہی بے دینی ہے۔ اگر یہی ارتداد ہے۔ تو خدا کی قسم ہم اس کفر کو لوگوں کے ایمان سے اور اس بے دینی کو لوگونکی دینداری سے اور اس ارتداد کو لوگوں کے ثبات سے ہزار درجہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے آقا اور سردار حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہمنوا ہو کر بلا خوف ملامت اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ:۔

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم گر کُفر ایں بُوَد بخدا سخت کافرم

سب کو آخر ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اور اسی کے ساتھ معاملہ پڑنا ہی پھر ہم لوگوں سے کیوں ڈریں؟ لوگ ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے ہیں اور اسی سے محبت کرتے ہیں۔ اور اسکے بعد سب سے زیادہ محبت اور ادب ہمارے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اگر دنیا کی سب عزتیں اور دنیا کے سب تعلقات اور دُنیا کے سب آرام اُن کے لئے ہمیں چھوڑنے پڑیں۔ تو یہ ہمارے لئے آسان ہے۔ مگر اُنکی ذات کی ہتک ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم دوسرے نبیوں کی ہتک نہیں کرتے۔ مگر اُنکی قوت قدسیہ اور اُنکے علم اور ان کے عرفان اور اُنکے تعلق باللہ کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کبھی بھی نہیں مان سکتے کہ اُنکی نسبت کسی اور نبی سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیار تھا۔ اور اگر ہم ایسا کریں۔ تو ہم سے زیادہ قابل سزا اور کوئی نہیں ہو گا۔ ہم آنکھیں رکھتے ہوئے اس بات کو کس طرح باور کر لیں کہ عرب کے لوگ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ یعنی ہم تجھے نہیں مانینگے۔ جب تک کہ تو آسمان پر نہ چڑھ جائے۔ اور ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کا یقین نہیں کرینگے۔ جب تک کہ تو کوئی کتاب بھی آسمان پر سے نہ لائے جسے ہم پڑھیں۔ تو اللہ تعالےٰ آپ سے فرمائے کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کہ ان سے کہدے کہ میرا رب ہر کمزوری سے پاک ہے۔ مَیں تو صرف ایک آدمی ہوں لیکن حضرت مسیح کو وہ آسمان پر اُٹھا کر لے جائے۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال آئے۔ تو انسانیت کو آسمان پر چڑھنے کے مخالف بتایا جائے لیکن جب مسیح کا سوال آئے تو بلا ضرورت اُنکو آسمان پر لے جایا جائے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہ نکلیگا کہ مسیح علیہ السلام آدمی نہیں تھے۔ بلکہ خدا تھے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ یا پھر یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے۔ اور اللہ تعالےٰ کو زیادہ پیارے تھے۔ مگر جبکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب رسولوں اور نبیوں سے افضل ہیں۔ تو پھر کس طرح عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ تو آسمان پر نہ جائیں۔ بلکہ اسی زمین پر فوت ہوں۔ اور زمین کے نیچے دفن ہوں لیکن مسیح علیہ السلام آسمان پر چلے جائیں۔ اور ہزاروں سال تک زندہ رہیں ✦

پھر یہ سوال صرف غیرت ہی کا نہیں۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا بھی سوال ہے

آپ فرماتے ہیں کہ لوکان موسٰی وعیسٰی حیین لما وسعھما الا اتباعی۔ اگر موسٰی و عیسٰی زندہ ہوتے تو میری اطاعت کے سوا ان کو کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں۔ تو پھر آپ کا یہ قول نعوذ باللہ باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ "لوکان" کہکر اور موسٰی کے ساتھ عیسٰی کو ملا کر دونوں نبیوں کی وفات کی خبر دیتے ہیں۔ پس نبی کریم کی شہادت کے بعد کس طرح کوئی شخص آپ کی اُمت میں سے کہلا کر یہ یقین رکھ سکتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں۔ اگر وہ زندہ ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور آپکے علم پر حرف آتا ہے کیونکہ آپ تو انکو وفات یافتہ قرار دیتے ہیں ÷

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ سے اس مرض میں جسمیں آپ فوت ہوئے فرمایا کہ ان جبرائیل کان یعارضنی القرآن فی کلّ عام مرّۃً و انّہ عارضنی بالقرآن العام مرتین واخبرنی انہ لم یکن نبی الا عاش نصف الذی قبلہ واخبرنی ان عیسٰی بن مریم عاش عشرین ومأۃ سنۃ ولا ارانی الا ذاھبا علی رأس الستین۔ یعنی جبرائیل ہر سال ایک دفعہ مجھے قرآن سناتے تھے۔ مگر اس دفعہ دو دفعہ سنایا ہے۔ اور مجھے انھوں نے خبر دی ہے کہ کوئی نبی نہیں گذرا کہ جسکی عمر پہلے نبی سے آدھی نہ ہوئی ہو۔ اور یہ بھی انہوں نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ عیسٰی ابن مریم ایک سو بیس سال کی عمر تک زندہ رہے تھے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ میری عمر ساٹھ سال کے قریب ہوگی۔ اس روایت کا مضمون الہامی ہے۔ کیونکہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بیان فرماتے۔ بلکہ جبرائیل علیہ السلام کی بتائی ہوئی بات بتاتے ہیں۔ جو یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ پس لوگوں کا یہ خیال کہ آپ ستیس تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اُٹھائے گئے تھے۔ غلط ہُوا۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح اس عمر میں آسمان پر اُٹھائے گئے تھے تو آپکی عمر بجائے ایک سو بیس سال کے رسُول کریمؐ کے زمانہ تک قریباً چھ سو سال کی بنتی ہے۔ اور اس صورت میں چاہیئے تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کم سے کم تین سو سال تک عمر پاتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترسیٹھ سال کی عمر میں فوت ہو جانا۔ اور الہاماً آپ کو بتایا جانا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ایک سو بیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے ثابت کرتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زندگی اور آسمان پر آپ کا بیٹھا ہونا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے اور آپ کے الہامات اُسے رد کرتے ہیں۔ اور جب امر واقع یہ ہے۔ تو پھر ہم لوگ کسی کے کہنے سے

کس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کے قائل ہو سکتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ سکتے ہیں ÷

کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں ہم ہی پر کھلا ہے۔ اور پہلے بزرگ اس سے واقف و آگاہ نہ تھے۔ مگر افسوس کہ معترض اپنی نظر کو صرف ایک خاص خیال کے لوگوں تک محدود کر کے اس کا نام اجماع رکھ لیتے ہیں۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام کے اوّل علماء خود صحابہ ہیں اور بعد انکے علماء کا سلسلہ نہایت وسیع ہوتے ہوتے سب دُنیا میں پھیل گیا ہے۔ صحابہ کو جب ہم دیکھتے ہیں۔ تو وہ سب یک زبان ہمارے خیال سے متفق ہیں اور ہو بھی کب سکتا تھا کہ وہ عشاق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی شان کے مزیل عقیدہ کو ایک دم کے لئے بھی تسلیم کرتے۔ وہ اس بارہ میں ہم سے متفق ہی نہیں ہیں۔ بلکہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلا اجماع ہی انھوں نے اس مسئلہ پر کیا ہے۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث اور تواریخ میں یہ روایت درج ہے۔ کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صحابہ پر اسقدر اثر ہُوا کہ وہ گھبرا گئے اور بعض سے تو بولا بھی نہ جاتا تھا۔ اور بعض سے چلا بھی نہ جاتا تھا۔ اور بعض اپنے حواس اور اپنی عقل کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ اور بعض پر تو اس صدمہ کا ایسا اثر ہُوا کہ وہ چند دن میں گھُل گھُل کر فوت ہو گئے۔ حضرت عمرؓ پر اس صدمہ کا اسقدر اثر ہُوا۔ کہ آپ نے حضور کی وفات کی خبر کو باور ہی نہ کیا۔ اور تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ تو میں اُسے قتل کر دوں گا۔ آپ تو موسٰی علیہ السلام کیطرح بلائے گئے ہیں جس طرح وہ چالیس دن کے بعد واپس آ گئے تھے۔ اسی طرح آپ کچھ عرصہ کے بعد واپس تشریف لائینگے اور جو لوگ آپ پر الزام لگانیوالے ہیں۔ اور منافق ہیں۔ ان کو قتل کرینگے۔ اور صلیب دینگے اور اسقدر جوش سے آپ اس دعوٰی پر مصر تھے کہ صحابہ میں سے کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ آپکی بات کو رد کرتا۔ اور آپ کے اس جوش کو دیکھ کر بعض لوگوں کو تو یقین ہو گیا۔ کہ یہی بات درست ہے۔ آپ فوت نہیں ہوئے۔ اور اُن کے چہروں پر خوشی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور یا تو سر ڈالے بیٹھے تھے۔ یا خوشی سے انھوں نے سر اُٹھائے۔ اس حالت کو دیکھ کر بعض دُور اندیش صحابہ نے ایک صحابی کو دوڑایا۔ کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جو اس وجہ سے کہ درمیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی طبیعت کچھ اچھی ہوگئی تھی۔ آپ کی اجازت سے مدینہ کے پاس ہی ایک گاؤں کی طرف گئے ہوئے تھے۔ جلد لے آئیں۔ وہ چلے ہی تھے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ ان کو مل گئے۔ اُن کو دیکھتے ہی اُن صحابی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور گریہ کو ضبط نہ کرسکے۔ حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ کیا معاملہ ہے اور اُن صحابی سے پُوچھا کہ کیا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جو شخص کہے گا کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں۔ میں اُسکی گردن تلوار سے اُڑا دُوں گا۔ اسپر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کے جسم مبارک پر چادر پڑی تھی۔ اُسے ہٹا کر دیکھا۔ اور معلوم کیا کہ آپ فی الواقعہ فوت ہوچکے ہیں۔ آنکے اپنے محبوب کی جُدائی کے صدمہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور نیچے جُھک کر آپکی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور کہا کہ بخدا اللہ تعالیٰ تجھ پر دو موتیں جمع نہیں کریگا۔ تیری موت سے دنیا کو وہ نقصان پہنچا ہے۔ جو کسی نبی کی موت سے نہیں پہنچا تھا۔ تیری ذات صفت سے بالا ہے۔ اور تیری شان وہ ہے کہ کوئی ماتم تیری جُدائی کے صدمہ کو کم نہیں کرسکتا۔ اگر تیری موت کا روکنا ہماری طاقت میں ہوتا تو ہم سب اپنی جانیں دیکر تیری موت کو روک دیتے +

یہ کہکر کپڑا آپ کے اُوپر پھر ڈال دیا۔ اور اس جگہ کی طرف آئے جہاں حضرت عمرؓ صحابہ کا حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ اور ان کو کہہ رہے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ زندہ ہیں۔ وہاں آکر آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ ذرا چُپ ہو جائیں۔ مگر انھوں نے انکی بات نہ مانی۔ اور اپنی بات کرتے رہے۔ اسپر حضرت ابوبکرؓ نے ایک طرف ہوکر لوگوں کو کہنا شروع کیا کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت فوت ہوچکے ہیں۔ صحابہ کرام حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر آپ کے گرد جمع ہوگئے۔ اور بالآخر حضرت عمرؓ کو بھی آپ کی بات سُننی پڑی۔ آپ نے فرمایا۔ وما محمّد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (آل عمران رکوع ۱۵) انّك میت و انهم میّتون (سورہ زمر رکوع ۳) یاایها الناس من کان یعبد محمد ا فانّ محمّدا قد مات ومن کان یعبد الله فان الله حیّ لا یموت۔۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسُول ہیں۔ آپ سے پہلے سب رسُول فوت ہوچکے ہیں۔ پھر اگر آپ بھی فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں۔ تو کیا تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے +

تحقیق تو بھی فوت ہوجائیگا۔ اور یہ لوگ بھی فوت ہوجائینگے۔ اے لوگو! جو کوئی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پرستش کیا کرتا تھا۔ وہ سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ اُسے یاد رہے کہ اللہ زندہ ہے وہ فوت نہیں ہوتا +

جب آپ نے مذکورہ بالا آیات پڑھیں۔ اور لوگوں کو بتایا کہ آپ فوت ہوچکے ہیں۔ تو صحابہ پر حقیقت آشکار ہوئی۔ اور وہ بے اختیار رونے لگے۔ اور حضرت عمرؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب آیات قرآنیہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپکی وفات ثابت کی تو مجھے یہ معلوم ہُوا کہ گویا یہ دونوں آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں اور میرے گھٹنوں میں میرے اُٹھانے کی طاقت نہ رہی۔ میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ اور میں بے اختیار شدتِ صدمہ سے زمین پر گر پڑا +

اس روایت سے تین اُمور ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سب سے پہلے صحابہ کا اجماع اسی امر پر ہُوا تھا کہ آپ سے پہلے سب انبیاء فوت ہوچکے ہیں کیونکہ اگر صحابہ میں سے کسی کو بھی یہ شک ہوتا۔ کہ بعض نبی فوت نہیں ہوئے تو کیا ان میں سے بعض اسی وقت کھڑے نہ ہوجاتے کہ جن آیات سے آپ استدلال کررہے ہیں۔ یہ درست نہیں کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام تو چھ سَو سال سے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ پس یہ غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب نبی فوت ہوچکے ہیں۔ اور جبکہ ان میں سے بعض زندہ ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندہ نہ رہ سکیں +

دوئم یہ کہ تمام انبیائے سابقین کی وفات پر ان کا یقین کسی ذاتی خیال کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس امر کو وہ قرآن کریم کی آیات سے مستنبط سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو کوئی صحابی تو اُٹھ کر کہتا کہ گو یہ صحیح ہے۔ کہ تمام انبیاء فوت ہوچکے ہیں۔ مگر اس آیت سے جو آپ نے پڑھی ہے یہ استدلال نہیں ہوتا کہ آپ سے پہلے سب انبیاء فوت ہوچکے ہیں۔ پس صدیق اکبرؓ کا آیت قد خلت من قبله الرسل سے جمیع انبیائے سابقین کی وفات کا ثبوت نکالنا اور سب صحابہ کا نہ صرف اسپر خاموش رہنا بلکہ اس استدلال سے لذت اُٹھانا اور گلیوں اور بازاروں میں اسکو پڑھتے پھرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ سب اس استدلال سے متفق تھے +

تیسرا امر اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواہ کسی اور نبی کی وفات کا ان کو یقین تھا یا نہیں

مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکو ہرگز کوئی علم نہ تھا۔ کیونکہ جیسا کہ تمام صحیح احادیث اور معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ جب سخت جوش کی حالت میں تھے۔ اور باقی صحابہ سے کہہ رہے تھے کہ جو کہیگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں میں اُس کا سر اُڑا دونگا۔ اسوقت اپنے خیال کے ثبوت میں حضرت موسیٰ کے چالیس دن پہاڑ پر چلے جانے کا واقعہ تو وہ پیش کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر چلے جانے کا واقعہ انھوں نے ایک دفعہ بھی پیش نہ کیا۔ اگر صحابہ کا عقیدہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ جا بیٹھے ہیں۔ تو کیا حضرت عمرؓ یا اُنکے ہمخیال صحابی اس واقعہ کو اپنے خیال کی تائید میں پیش نہ کرتے۔ ان کا حضرت موسیٰ کے واقعہ سے استدلال کرنا اور اس واقعہ سے استدلال نہ کرنا بتاتا ہو کہ انکے ذہن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی ایسا واقعہ تھا ہی نہیں +

صحابہ کے اجماع کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے متعلق اہلبیت نبوئی کا بھی اتفاق ہے۔ چنانچہ طبقات ابن سعد کی جلد ثالث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے حالات میں امام حسنؓ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ایھا الناس قد قبض اللیلة رجل لم یسبقه الاولون ولا یدرکه الآخرون قد کان رسول الله یبعث المبعث فیکتنفه جبرائیل من یمینه ومیکائیل من شماله فلا ینثنی حتی یفتح الله له وما ترک الا سبع مائة درھم اراد ان یشتری بھا خادمًا ولقد قبض فی اللیلة التی عرج فیھا بروح عیسیٰ بن مریم لیلة سبع وعشرین من رمضان یعنی اے لوگو آج وہ شخص فوت ہوا ہے کہ اسکی بعض باتوں کو نہ پہلے پہنچے ہیں۔ اور نہ بعد میں آنے والے پہنچیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جنگ کے لئے بھیجتے تھے۔ تو جبرائیل اس کے داہنے طرف ہو جاتے تھے اور میکائیل بائیں طرف۔ پس وہ بلا فتح حاصل کئے واپس نہیں ہوتا تھا۔ اور اس نے صرف سات سو درہم اپنا ترکہ چھوڑا ہے جس سے اس کا ارادہ یہ تھا کہ ایک غلام خریدے۔ اور وہ اس رات کو فوت ہوا ہے جس رات کو عیسیٰ بن مریم کی رُوح آسمان کی طرف اُٹھائی گئی تھی یعنی رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے تھے۔ کیونکہ اگر اُن کا یہ خیال نہ ہوتا۔ تو امام حسنؓ یہ کیوں فرماتے کہ جس رات حضرت عیسیٰ کی رُوح آسمان کو اُٹھائی گئی تھی۔ اسی رات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت رسُول اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بعد کے بزرگ بھی ضرور وفات مسیحؑ کے ہی قائل ہونگے۔ کیونکہ وہ لوگ قرآن مجید اور کلام رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ اور آرائے اہل بیت کے شیدا تھے۔ مگر چونکہ وہ اس بات کو معمولی سمجھتے تھے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اقوال کو خاص طور پر محفوظ نہیں رکھا گیا لیکن جو کچھ بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ اسی امر کی تصدیق کرتا ہے کہ انکا مذہب بھی یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مجمع البحار میں ہے کہ قال مالک مات۔ یعنی امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں +

غرض قرآن کریم اور احادیث کے علاوہ اجماع صحابہ اور آرائے اہل بیت اور اقوال آئمہ سے بھی ہمارے ہی خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ یعنی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پس ہم پر یہ الزام لگانا کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا عقیدہ رکھکر حضرت مسیح کی ہتک کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم اور احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں۔ درست نہیں ہم مسیح علیہ السلام کی ہتک نہیں کرتے۔ بلکہ اس باطل عقیدہ کی رُو سے خدا تعالیٰ کی توحید کو قائم کرتے ہیں۔ اور اس کے رسُول کی عزت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی خدمت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی کبھی پسند نہیں کرینگے کہ انکو ایسے مقام پر جگہ دی جائے کہ جس سے توحید باری کو صدمہ پہنچتا ہو۔ اور شرک کو مدد ملتی ہو۔ اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہوتی ہو +

اے بادشاہ! آپ خود ہی غور کر کے دیکھ لیں۔ کہ کیا ہمارے مخالف اس اعتراض میں حق پر ہیں یا ہم؟ کیا ان کا حق ہے کہ ہم سے ناراض ہوں یا ہمارا حق ہے کہ ان سے ناراض ہوں۔ کیونکہ انھوں نے ہمارے خدا کا شریک مقرر کیا اور ہمارے رسُول کی ہتک کی۔ اور اپنے بن کر دشمنوں کی طرح حملہ آور ہوئے +

دوسرا اعتراض ہم پر یہ کیا جاتا ہے کہ ہم لوگ دوسرے مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف اسی اُمت میں سے ایک شخص کو مسیح موعود مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ امر احادیث نبوئی کے خلاف ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح آسمان سے نازل ہونگے +

یہ بات بالکل درست ہے کہ ہم لوگ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب ساکن قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب ملک ہندوستان کو مسیح موعود اور مہدی مسعود سمجھتے ہیں۔ مگر جبکہ قرآن کریم

اور احادیث اور عقل سلیم سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارا یہ عقیدہ قرآن کریم اور احادیث کے خلاف کیونکر ہو گا۔ جبکہ قرآن کریم سے حضرت مسیح کی وفات ثابت ہے۔ اور احادیث بھی اس پر شاہد ہیں۔ اور جبکہ احادیث نبویہ سے ایک موعودؑ کی جسے ابن مریم کہا گیا ہے۔ آمد کی خبر معلوم ہوتی ہے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا موعود اسی اُمت کا ایک فرد ہو گا نہ کہ مسیح ناصری علیہ السلام جو فوت ہو چکے ہیں ✣

کہا جاتا ہے کہ اگر قرآن کریم اور احادیث سے حضرت مسیح کی وفات بھی ثابت ہوتی ہو تب بھی احادیث میں چونکہ مسیح ابن مریم کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ انہی کی آمد پر یقین رکھنا چاہئیے کیونکہ کیا اللہ تعالیٰ قادر نہیں کہ ان کو پھر زندہ کر کے دُنیا کی اصلاح کے لئے بھیجدے۔ اور ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہم گویا اللہ کی قدرت کے منکر ہیں مگر بات یہ نہیں۔ بلکہ اس کے بالکل برخلاف ہے ہم خدا تعالیٰ کی قدرت کے انکار کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اسکی قدرت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح ناصریؑ کو خدا تعالیٰ زندہ کر کے نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اسی اُمت کے ایک فرد کو اس نے مسیح موعود بنا کر بھیجدیا ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اور نہ ہم اُمید کرتے ہیں کہ کوئی شخص بھی جو پورے طور پر اس امر میں غور کریگا تسلیم کرے گا۔ کہ مسیح کا دوبارہ زندہ کر کے بھیجنا اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی علامت ہے۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ جو دولتمند ہوتا ہے وہ مستعمل جامہ کو اُلٹوا کر نہیں سلوایا کرتا۔ بلکہ اسے اُتار کر ضرورت پر اور نیا کپڑا سلواتا ہے غریب اور نادار لوگ ایک ہی چیز کو کئی کئی شکلوں میں بدل بدل کر پہنتے ہیں۔ اور اپنی چیزوں کو سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ کب اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ایسا تنگ ہُوا تھا کہ جب اس کے بندوں کو ہدایت اور رہنمائی کی حاجت ہوئی۔ تو اُسے کسی وفات یافتہ نبی کو زندہ کر کے بھیجنا پڑا۔ وہ تو ہمیشہ بندوں کی ہدایت کے لئے انہی کے زمانہ کے لوگوں میں سے کسی کو منتخب کر کے اُن کی اصلاح کے لئے بھیجتا رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ایک دفعہ بھی اُس نے ایسا نہیں کیا کہ کسی پچھلے نبی کو زندہ کر کے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا ہو اس امر پر وہ مجبور ہو۔ جب کسی زمانہ کے لوگوں کے دلوں کی صفائی اسکی قدرت سے باہر ہو جائے اور اُسکی حکومت انسانوں پر سے اُٹھ جائے۔ لیکن چونکہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ بھی

نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ ایک وفات یافتہ نبی کو جنت سے نکالکر دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجدے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ جب اس نے مسیح علیہ السلام کے بعد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا انسان پیدا کر دیا تو اسکی طاقت سے یہ بعید نہیں کہ ایک اور شخص مسیح علیہ السلام جیسا بلکہ ان سے افضل پیدا کر دے ✣

غرض مسیح ناصری ہی کے دوبارہ دنیا میں آنے کا انکار ہم اس وجہ سے نہیں کرتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو قادر نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالےٰ کو قادر سمجھتے ہیں کہ وہ جب چاہے اپنے بندوں میں سے کسی کو ہدایت کے منصب پر کھڑا کر دے۔ اور اس کے ذریعہ سے گم گشتگانِ راہ کو اپنی طرف بلائے۔ اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ بلکہ ضرورت کے موقعہ پر کسی پچھلے نبی کو دوبارہ لائے گا۔ غلطی پر ہیں۔ اور ما قدروا اللہ حق قدرہٖ ✣

علاوہ اس امر کے کہ مسیح ناصری ہی کے دوبارہ واپس آنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حرف آتا ہے بلکہ انکے دوبارہ واپس آنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرف آتا ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے ہی دوبارہ دنیا میں واپس آنا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہو گا۔ کہ پہلی تمام اُمتیں جب بگڑتی تھیں۔ تو اُنکی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ انہی میں سے ایک شخص کو کھڑا کر دیتا تھا۔ مگر ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں جب فساد پڑے گا۔ تو اس کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ پہلے انبیاء میں سے ایک نبی کو واپس لائے گا۔ خود اسکی اُمت میں سے کوئی فرد اس کی اصلاح کی طاقت نہیں رکھے گا۔ اگر ہم یہ بات تسلیم کر لیں۔ تو ہم یقیناً مسیحیوں اور یہودیوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کم نہ ہونگے۔ کیونکہ وہ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ پر معترض ہیں۔ اور اس عقیدہ کے ساتھ ہم بھی آپؐ کی قوت قدسیہ پر معترض ہو جاتے ہیں۔ جب چراغ جل رہا ہو۔ اس سے اور چراغ یقیناً روشن ہو سکتے ہیں۔ وہ بُجھا ہُوا چراغ ہوتا ہے جس سے دوسرا چراغ روشن نہیں ہو سکتا۔ پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر کوئی زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ اسکی حالت ایسی بگڑ جائیگی۔ کہ اس میں سے کوئی شخص اسکی اصلاح کے لئے کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان بھی نعوذ باللہ من ذلک ختم ہو جائیگا۔ کون مسلمان اس بات کو نہیں جانتا۔ کہ جب تک اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کا سلسلہ چلانا تھا۔ اس وقت تک آپ ہی کے اتباع میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے۔ جو آپکی اُمت کی

اصلاح کرتے رہے لیکن جب اسے منظور ہوا کہ آپکے سلسلہ کو ختم کر دے۔ تو اس نے آپ کی قوم میں سے نبوت کا سلسلہ بند کر کے بنو اسمٰعیل میں سے نبی بھیجا۔ پس اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی موسوی سلسلہ سے آئیگا۔ تو اس کے یہی معنی ہونگے کہ اللہ تعالےٰ نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کو بھی ختم کر دے گا۔ اور کوئی اور سلسلہ جاری کریگا۔ اور کہ نعوذ باللہ رسول کریم کی قوت قدسیہ اس وقت کمزور ہو جائے گی۔ اور آپ کا فیضان کسی امتی کو بھی اس امر کے لئے تیار نہ کر سکے گا کہ وہ آپ سے نور پا کر آپ کی امت کی اصلاح کرے۔ اور اسے راہ راست پر لاوے ÷

افسوس ہے کہ لوگ اپنے لئے تو ضرورت سے زیادہ غیرت دکھاتے ہیں۔ اور کسی قسم کا عیب اپنی نسبت منسوب ہونا پسند نہیں کرتے لیکن خدا کے رسول کی طرف ہر ایک عیب دلیری سے منسوب کرتے ہیں۔ اس محبت کو ہم کیا کریں۔ جو منہ تک رہتی ہے۔ مگر دل میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ اور اس دعوی کو کیا کریں جو اپنے ساتھ کوئی ثبوت نہیں رکھتا۔ اگر فی الواقعہ یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تو ایک منٹ کے لئے بھی پسند نہ کرتے۔ کہ ایک اسرائیلی نبی آپکی امت کی آکر اصلاح کریگا۔ کیا کوئی غیرتمند اپنے گھر میں سامان ہوتے ہوئے دوسرے سے مانگنے جاتا ہے یا طاقت ہوتے ہوئے دوسرے کو مدد کے لئے بلاتا ہے۔ وہی مولوی جو کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم کی امت کے لئے اور انکو مصائب سے بچانے کے لئے مسیح ناصری علیہ السلام آئینگے۔ اپنی ذاتوں کے لئے اسقدر غیرت دکھلاتے ہیں کہ اگر بحث میں ہارے بیٹھے ہوں۔ تو اپنی ہار کا اقرار نہیں کرتے۔ اور کسی دوسرے کو اپنی مدد کے لئے بلانا پسند نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی خود بخود انکی مدد کے لئے تیار ہو جائے۔ تو اس کا احسان ماننے کی بجائے اسپر ناراض ہوتے ہیں کہ کیا ہم جاہل ہیں کہ تو ہمارے منہ میں لقمہ دیتا ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کس بے پرواہی سے بیان کرتے ہیں کہ آپکی مدد کے لئے ایک دوسرے سلسلہ سے نبی بلوایا جائے گا۔ اور خود آپکی قوت قدسیہ کچھ نہ کر سکے گی۔ آہ! کیا دل مرگئے ہیں یا عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں کیا سب کی سب غیرت اپنے ہی لئے صرف ہو جاتی ہے۔ اور خدا اور اس کے رسول کے لئے غیرت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ کیا سب غصہ اپنے دشمنوں پر ہی صرف ہو جاتا ہے۔ اور خدا اور اس کے رسول پر حملہ کرنے والوں کے لئے کچھ نہیں بچتا ÷

ہمیں کہا جاتا ہے کہ کیوں تم ایک اسرائیلی نبی کی آمد کے منکر ہو مگر ہم اپنے دلوں کو کہاں لیجائیں

اور اپنی محبت کے نقش کس طرح مٹائیں ہمیں تو محمد رسول اللہ کی عزت سے بڑھ کر کسی اور کی عزت پیاری نہیں ہم تو ایک منٹ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کے ممنون احسان ہوں۔ ہمارا دل تو ایک منٹ کے لئے بھی اس خیال کو برداشت نہیں کر سکتا کہ قیامت کے دن جب تمام مخلوق از ابتدا تا انتہا جمع ہوگی۔ اور علی رؤس الاشہاد ہر ایک کے کام بیان کئے جائینگے۔ اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مسیح اسرائیلی کے احسان سے جھکی جا رہی ہوگی۔ اور تمام مخلوق کے سامنے بلند آواز سے فرشتے پکار کر کہینگے۔ کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ جاتی رہی۔ تو اس وقت مسیح اسرائیلی نے ان پر احسان کر کے جنت میں سے نکلنا اپنے لئے پسند کیا۔ اور دنیا میں جا کر انکی امت کی اصلاح کی۔ اور اسے تباہی سے بچایا۔ ہم تو اس امر کو بہت پسند کرتے ہیں کہ ہماری زبانیں کٹ جائیں۔ بہ نسبت اسکے کہ ایسی ہتک آمیز باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں اور ہمارے ہاتھ شل ہو جائیں بجائے اسکے کہ ایسے کلمات آپ کے حق میں تحریر کریں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے محبوب ہیں۔ آپکی قوت قدسیہ کبھی باطل نہیں ہو سکتی آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کا فیضان کبھی رک نہیں سکتا۔ آپ کا سر کسی کے احسان کے آگے جھک نہیں سکتا۔ بلکہ آپ کا احسان سب نبیوں پر ہے۔ کوئی نبی نہیں جس نے آپ کو منوایا ہو۔ اور آپکی صداقت آپکے منکروں سے منوائی ہو لیکن کیا لاکھوں کروڑوں انسان نہیں جن سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی انبیاء کی نبوت منوائی ہے۔ ہندوستان میں آٹھ کروڑ مسلمان بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ جو بیرونی ممالک کے رہنے والے ہیں باقی سب ہندوستان کے باشندہ ہیں۔ جو کسی نبی کا نام تک نہ جانتے تھے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر ایمان لے آئے ہیں کہ اگر اسلام انکے گھروں میں داخل نہ ہوتا۔ تو آج وہ ان نبیوں کو گالیاں دے رہے ہوتے اور انکو جھوٹے آدمیوں میں سے سمجھ رہے ہوتے جس طرح کہ انکے باقی بھائی بندوں کا آجتک خیال ہے۔ اسی طرح افغانستان کے لوگ اور چین کے لوگ اور ایران کے لوگ کب حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو مانتے تھے ان سے ان انبیاء کی صداقت کا اقرار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کرایا ہے۔ پس آپ کا سب گذشتہ نبیوں پر احسان ہے کہ ان کی صداقت لوگوں پر مخفی تھی مگر آپ نے اسکو ظاہر کر دیا مگر آپ پر کسی کا احسان نہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ وہ دن کبھی نہیں لائیگا۔ جب آپ کا فیضان بند ہو جائے ÷

اور کوئی دوسرا نبی آکر آپ کی اُمت کی اصلاح کرے۔ بلکہ جب کبھی بھی آپکی اُمت کی اصلاح کی ضرورت پیش آئیگی۔ اللہ تعالیٰ آپ ہی کے شاگردوں میں سے اور آپ ہی کے اُمتیوں میں سے ایسے لوگ جنھوں نے سب کچھ آپ ہی سے لیا ہوگا۔ اور آپ ہی سے سیکھا ہوگا۔ مقرر فرمائے گا تا وہ بگڑے ہوؤں کی اصلاح کریں۔ اور گم شدہ کو واپس لائیں۔ اور ان لوگوں کا کام آپ ہی کا کام ہوگا۔ کیونکہ شاگرد اپنے اُستاد سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ اور اُمتی اپنے نبی سے جدا نہیں قرار دیا جاسکتا۔ انکی گردنیں آپکے احسان کے آگے جھکی ہوئی ہونگی۔ اور انکے دل آپ کی محبت کی شراب سے لبریز ہونگے۔ اور ان کے سر آپ کے عشق کے نشہ سے سرشار ہوں گے ✦

غرض کسی نبی کے دوبارہ آنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے۔ اور اس سے آپ کا وہ درجہ باطل ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللّٰہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم (رعدع۲) اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی نعمت دیکر چھین نہیں لیا کرتا جبتک کہ خود ان کے اندر کوئی خرابی نہ پیدا ہو جائے۔ اب اس عقیدہ کو مان کر یا تو نعوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے یا پھر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ توڑ دیا۔ اور باقی سب لوگوں سے تو وہ یہ سلوک کرتا ہے کہ انکو نعمت دیکر واپس نہیں لیتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے اس کے خلاف سلوک کیا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ کیونکہ ایک میں خدا تعالیٰ کا انکار ہے۔ اور دوسری میں اُس کے رسول کا۔ پس ان وجوہات سے ہم اس قسم کے عقائد سے بیزار ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام جن کی آمد کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اسی اُمت میں سے آنے والے ہیں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا اختیار ہے کہ جسے چاہے کسی مقام پر ممتاز کر دے ✦

احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنے والا مسیح اسی اُمت میں سے ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا المھدی الّا عیسٰی۔ سوائے عیسےٰ کے اور کوئی مہدی نہیں۔ دوسری طرف فرماتے ہیں۔ کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم۔ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا۔ اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ ان دونوں ارشادات نبوی کو ملا کر دیکھیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں انکے سوا کوئی اور مہدی نہیں اور وہ اسی اُمت کے امام ہونگے۔ مگر اسی اُمت میں سے ہونگے کہیں باہر سے نہ آئینگے پس یہ خیال

کہ مسیح علیہ السلام کوئی علیحدہ وجود ہونگے۔ اور مہدی علیحدہ وجود۔ باطل خیال ہے۔ اور لا المھدی الّا عیسٰی کے خلاف ہے۔ اور مومن کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے آقا کے اقوال پر غور کرے۔ اور جو تضاد اسے بظاہر نظر آئے اُسے اپنے تدبّر سے دُور کرے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہ فرمایا ہے کہ پہلے مہدی ظاہر ہونگے۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام نازل ہونگے جو مہدی کی اتباع میں نمازیں ادا کرینگے۔ اور دوسری دفعہ یہ فرمایا ہے کہ مسیح علیہ السلام ہی مہدی ہیں۔ تو کیا ہمارا یہ کام ہے کہ آپ کے ایک قول کو رد کر دیں یا یہ کام ہے کہ دونوں پر غور کریں۔ اگر دونوں اقوال میں کوئی اتحاد کی صورت ہو۔ تو اس کو اختیار کر لیں۔ اور اگر کوئی ادنیٰ تدبّر بھی کریگا تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ ان دونوں اقوال میں اتحاد کی صورت یہی ہے کہ لا المھدی الّا عیسٰی دوسری حدیث کی تشریح ہے یعنی پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح علیہ السلام کے نزول کی خبر ایسے الفاظ میں دی تھی جس سے یہ شبہ پڑتا تھا کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ وجود ہیں۔ اسکو لا المھدی الّا عیسٰی والی حدیث سے کھول دیا۔ اور بتا دیا کہ وہ کلام استعارتاً تھا۔ اس سے صرف یہ مراد تھی کہ اُمت محمدیہ کا ایک فرد پہلے دنیا کی اصلاح کے لئے مامور کیا جائیگا لیکن کسی رسول کا مقام اُسے نہیں دیا جائیگا۔ لیکن بعد میں عیسٰی ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی بھی اسی کے حق میں پوری کی جائیگی۔ اور وہ عیسٰی ہونے کا دعویٰ کریگا اس طرح گویا اس کے دو مختلف عہدوں کے اظہار کا وقت بیان کیا گیا ہے۔ یعنی پہلے عام دعویٰ اصلاح ہوگا۔ اور پھر دعویٰ مسیحیت ہوگا۔ اور پیشگوئیوں میں اس قسم کا کلام عام ہوتا ہے۔ بلکہ اگر اس قسم کے استعارے پیشگوئیوں سے علیحدہ کر دیئے جائیں تو ان کا سمجھنا ہی بالکل ناممکن ہو جائے ✦

اگر یہ معنی ان احادیث کے نہ کئے جائیں۔ تو دو باتوں میں سے ایک ضرور ماننی پڑیگی۔ اور وہ دونوں ہی خطرناک ہیں۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا۔ کہ لا المھدی الّا عیسٰی والی حدیث باطل ہے اور یا یہ ماننا پڑیگا کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ مہدی کا کوئی الگ وجود نہیں۔ بلکہ مسیح اور مہدی کے درجات کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ اصل مہدی تو مسیح ہی ہونگے۔ دوسرا مہدی تو ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ جس طرح کہدیتے ہیں کہ لا عالم الّا فلان۔ اور اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے سوا کوئی عالم ہی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے علم میں دوسروں سے اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اُن کا علم حقیر ہو جاتا ہے۔ اور یہ دونوں معنے

خطرناک نتائج پیدا کرنیوالے ہیں کیونکہ ایک حدیث کو بلاوجہ باطل کر دینا بھی خطرناک ہے۔ اور خصوصاً ایسی حدیث کو جو اپنے ساتھ شواہد بھی رکھتی ہے۔ اور یہ کہنا کہ مہدی مسیح کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہ رکھینگے۔ احادیث کے مضامین کے خلاف ہے جنہیں انہیں امام قرار دیا گیا ہے۔ اور مسیح کو ان کا مقتدی۔ غرض سوائے ان معنوں کے کہ اُمت محمدیہ میں ایک ایسے وجود کی خبر دیگئی ہے۔ جو پہلے مصلح ہونیکا دعویٰ کریگا۔ اور بعد میں مسیح موعود ہونے کا۔ ان احادیث کے اور کوئی معنے نہیں بن سکتے ✣

اصل بات یہ ہے کہ سب دھوکا لوگوں کو اس امر سے لگا ہے کہ حدیث میں لفظ نزول کا ہے اور اس لفظ سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مسیح اوّل ہی دوبارہ دُنیا میں نازل ہونگے۔ حالانکہ نزول کے وہ معنے نہیں ہیں۔ جو لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ جب ایک ایسی چیز کی پیدایش کا ذکر کرتے ہیں جو مفید ہو یا جب ایک ایسے تغیر کا ذکر کرتے ہیں۔ جو با برکت ہو یا جلال الٰہی کا ظاہر کرنیوالا ہو۔ تو اسے عربی زبان میں نزول کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ ثم انزل اللّٰہ سکینتہ علیٰ رسولہ (توبہ ع۴) و پھر فرماتا ہے۔ ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃً نعاساً (آل عمران ع۱۶) اور فرماتا ہے۔ وانزل لکم من الانعام ثمٰنیۃ ازواج (زمر ع۱) اور فرماتا ہے۔ قد انزلنا علیکم لباساً یُّواری سوأتکم وریشاً ولباس التقویٰ ذٰلک خیر ذٰلک من اٰیات اللّٰہ لعلھم یذکرون۔ (انعام ع۳) اور فرماتا ہے۔ و انزلنا علیکم المن والسلوٰی (بقرہ ع۶) اور فرماتا ہے۔ وانزلنا الحدید فیہ بأسٌ شدیدٌ ومنافع للناس ولیعلم اللّٰہ من ینصرہٗ ورسلہ بالغیب ان اللّٰہ قوی عزیز (حدید ع۳) اور فرماتا ہے۔ ولو بسط اللّٰہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولٰکن ینزل بقدرٍ ما یشاءُ انہ بعبادہ خبیر بصیر (شوریٰ ع۳)

اب یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ سکینت دل میں پیدا کی جاتی ہے۔ نیند دماغ کے فعل کا نام ہے اور چارپائے اور لباس اور کھیتیاں اور ریشم اور لوہا اور دنیا کی باقی سب چیزیں ایسی ہی ہیں جو اسی زمین پر پیدا ہوتی ہیں۔ آسمان پر سے اُترتی ہوئی کسی نے نہ دیکھی ہیں۔ اور نہ ان کا آسمان پر سے اُترنا قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ صاف طور پر قرآن کریم میں فرماتا ہے وجعل فیہا رواسی من فوقہا و بارک فیہا وقدر فیہا اقواتہا فی اربعۃ ایام

سواءً للسائلین (سورہ حٰمٓ سجدہ ع۲) یعنی ہم نے زمین میں اسکی سطح کے اوپر پہاڑ پیدا کئے۔ اور زمین میں بہت سے سامان پیدا کئے اور ہر قسم کی غذائیں بھی اس میں پیدا کیں۔ یہ سب کام زمین کا پیدا ہونا اور پھر اس میں ہر قسم کے سامانوں اور جانوروں کا پیدا ہونا چار زمانوں میں اختتام کو پہنچا۔ اور یہ بات ہر قسم کے سائلوں کے لئے برابر ہے۔ یعنی یہ مضمون گو بڑے بڑے مسائل طبعیات اور دقائق علمیہ پر مشتمل ہے۔ جو کچھ تو اس زمانہ میں ظاہر ہو چکے ہیں اور کچھ آیندہ زمانوں میں ظاہر ہونگے۔ اور نئے سے نئے سوال اس کے متعلق پیدا ہونگے۔ مگر ہم نے اس کو ایسے الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔ کہ ہر طبقہ کے لوگ اور ہر زمانہ کے آدمی اپنے اپنے علم اور اپنے اپنے زمانہ کی علمی ترقی کے مطابق اس میں سے صحیح جواب پالینگے۔ جو ان کے لئے موجب تشفی ہوگا ✣

غرض قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب اشیاء جن کا قرآن کریم میں انزلنا کے لفظ کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ آسمان پر سے نازل نہیں ہوئیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی زمین میں پیدا کیا ہے پس اسی طرح آنیوالے مسیح کی نسبت بھی لفظ نزول اس کے مقام کے اجلال اور اس کے درجہ کی تعظیم کے لئے استعمال ہوا ہے نہ کہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ فی الواقع آسمان سے اُترے گا چنانچہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہ لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور مفسر اس سے آپ کے شرف کا اظہار مراد لیتے ہیں۔ اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ آپ مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ اور آپکی والدہ کا نام آمنہ تھا۔ وہ آیت جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کا ذکر ہے یہ ہے:۔ قد انزل اللّٰہ الیکم ذکراً ۝ رسولاً یتلوا علیکم اٰیات اللّٰہ مبیّنٰت لیخرج الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت من الظلمٰت الی النور۔ الآیہ (سورۃ الطلاق ع۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر ذکر یعنی رسول نازل کیا ہے۔ جو تمہیں اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ مومنوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اندھیروں سے نکالکر نور کی طرف لاوے ✣

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور مسیح علیہ السلام کی نسبت استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس کے معنے اور کر دئے جاتے ہیں۔ اور مسیح کی نسبت اسکے اور معنے کر دئے جاتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی

زمین پر پیدا ہوئے اور آپ کی نسبت نزول کا لفظ استعمال کیا گیا۔ تو کونسے تعجب کی بات ہے اگر یہی لفظ آنے والے مسیح کی نسبت استعمال کیا جائے۔ اور اس سے مُراد اسکی پیدایش اور بعثت ہو۔

تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ حدیثوں میں آنیوالے کا نام عیسیٰ ابن مریم رکھا گیا ہے۔ پس اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہی بعینہٖ دوبارہ تشریف لائینگے۔ لیکن یہ معترض خیال نہیں کرتے کہ کثرت سے ان کے شعروں میں عیسیٰ کا لفظ دوسرے لوگوں کی نسبت استعمال ہوتا ہے۔ مگر اسکو یہ قابل اعتراض نہیں سمجھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام میں اگر ایک شخص کا نام بھی عیسیٰ رکھ دیا گیا۔ تو اسپر انکو تعجب آتا ہے پھر روزانہ سخی لوگوں کی نسبت حاتم طائی اور فلسفیانہ دماغ رکھنے والوں کی نسبت محقق طوسی اور استخراج مسائل کا مادہ رکھنے والوں کی نسبت فخر رازی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر ابن مریم کے الفاظ انکے دلوں میں شبہات پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر ابن مریم کے الفاظ تعیین کے معنے دیتے ہیں تو کیا طائی اور طوسی اور رازی تعیین کے معنے نہیں دیتے۔ پھر اگر باوجود ان الفاظ کے استعمال کے انکی یہ مراد نہیں ہوتی۔ کہ وہ شخص فی الواقع طے کے قبیلہ کا ایک فرد ہے یا طوس یا رے کا رہنے والا ہے۔ تو ابن مریم کے الفاظ سے کیوں یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ آنے والا وہی عیسیٰ بن مریم نبی اللہ ہوگا جو آج سے انیس سو سال پہلے گذر چکا ہے۔ حالانکہ طے اور طوس اور رے ایسے اسماء نہیں ہیں کہ جو مجازاً کسی اور معنے میں استعمال ہوں لیکن مریم ایک ایسا نام ہے جسے ایک خاص حالت کے اظہار کے لئے قرآن کریم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وضرب اللہ مثلاً للذین اٰمنوا امرأت فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ ونجنی من فرعون و عملہ ونجنی من القوم الظٰلمین۔ ومریم ابنت عمران التی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا وصدقت بکلمٰت ربھا وکتبہ وکانت من القانتین (سورہ تحریم ع۲)

یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کی مثال فرعون کی بیوی سے دیتا ہے۔ جبکہ اس نے کہا کہ اے میرے رب میرے لئے جنت میں ایک گھر اپنے قریب بنا اور مجھے فرعون اور اسکے کاموں سے بچالے۔ اور مجھے ظالم قوم کے پنجے سے چھڑا لے اور پھر مومنوں کی مثال مریم بنت عمران سے دیتا ہے کہ جس نے اپنے سوراخوں کی حفاظت کی پھر ہم نے اسکے دل پر اپنا کلام نازل کیا۔ اور اس نے ہماری باتوں اور ہماری کتابوں کی تصدیق کی۔ اور فرمانبردار لوگوں میں سے ہوگئی۔ پس جبکہ مومن کی ایک حالت کا نام اللہ تعالیٰ مریم

حالت رکھتا ہے۔ اور ایسے مومن کو مریم کہتا ہے۔ تو اگر کسی موعود کی نسبت اللہ تعالیٰ ابن مریم کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ تو کیا اسکے یہی معنے نہ ہونگے کہ وہ اس مریمی حالت سے ترقی کرتے کرتے عیسوی حالت تک پہنچ جائے گا۔ اسکی ابتدائی زندگی تو مریم کی طرح پاک اور بے عیب ہوگی اور اسکی آخری زندگی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح رُوح القدس سے مؤید ہوگی۔ اور دنیا کی اصلاح اور صداقت کے قائم کرنے میں صرف ہوگی ؞

قرآن کریم کے معانی پر تدبر کرنا اور اسکے مطالب کے سمندر میں غوطہ لگا کر معارف کے موتی نکالنا تو اس زمانہ کے علماء کے لئے حرام ہی ہوگیا ہے۔ اگر وہ انہی علوم پر نظر کرتے۔ جو علمائے رُوحانی نے قرآن کریم پر غور کر کے اور انبیاء کی زندگی پر نظر کر کے اور انکی باتوں کی طرف توجہ کر کے استنباط کئے ہیں اور اپنی کتب میں لکھ دیئے ہیں تب بھی یہ لوگ ٹھوکر نہ کھاتے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی کتاب عوارف المعارف میں لکھتے ہیں کہ ایک ولادت ولادت جسمانی کے علاوہ ہوتی ہے۔ جسے ولادت معنوی کہتے ہیں۔ اور اسکی تائید میں اور کسی کا نہیں۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔ یصیر المرید جزء الشیخ کما ان الولد جزء الوالد فی الولادۃ الطبیعیۃ وتصیر ھٰذہ الولادۃ انفا ولادۃ معنویۃ کما ورد عن عیسٰے صلوات اللہ علیہ لن یلج ملکوت السماء من لم یولد مرتین فبالولادۃ الاُولیٰ یصیر لہ ارتباط بعالم الملک وبھٰذہ الولادۃ یصیر لہ ارتباط بالملکوت قال اللہ تعالیٰ وکذٰلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض ولیکون من الموقنین۔ یعنی مرید شیخ کا جزو ہو جاتا ہے جس طرح ولادت طبعی میں بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہے۔ اور یہ ولادت اسوقت ولادت معنوی ہو جاتی ہے جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپنے فرمایا کہ کوئی شخص آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ دو دفعہ پیدا نہ ہو۔ پھر شیخ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ پہلی ولادت سے تو اُسے طبعی دنیا سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دوسری ولادت سے اسے روحانی دنیا سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ اسی طرح آسمان اور زمین پر جو غلبہ ہمیں حاصل ہے ہم ابراہیم کو دکھاتے تھے تا وہ یقین کرنیوالے لوگوں میں سے ہو جائے۔ انتہی قول الشیخ۔

مذکورہ بالا بات سے ظاہر ہے کہ شیخ شہاب الدین صاحب سہروردی کے نزدیک ایک انسان

کے لئے ایک ولادت معنوی ضروری ہے۔ اور وہ اسکی تائید میں ایک تو قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں۔ اور دوسرے حضرت مسیح کا ایک قول پیش کرتے ہیں پس جب ولادت معنوی ایک ضروری شے ہے۔ اور حضرت مسیح اسے روحانی ترقی کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں تو کیا مثیل مسیح ہی کے لئے اس ولادت کا وجود محال اور ناممکن ہے ❊

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح کا دوبارہ زندہ ہو کر آنا اللہ تعالیٰ کی شان اور اسکے کلام کے خلاف ہے۔ اور اس کے رسول کی عظمت کے منافی ہے۔ اور اسکی باتوں کے صریح مخالف ہے اور جن باتوں پر اس عقیدہ کی بناء رکھی گئی ہے۔ وہ قلت تدبر سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور کمی فکر کا نتیجہ ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ آنے والا اسی امت میں سے ایک شخص نے مسیح کے رنگ میں رنگین ہو کر آنا تھا۔ اور وہ آبھی چکا۔ اور اسکے ذریعہ سے بہتوں نے ہدایت پائی۔ اور بہت گم گشتہ راہ سیدھے راستہ پر آگئے ❊

چوتھا اعتراض ہم پر یہ کیا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ وحی اور سلسلہ نبوۃ کو جاری سمجھتے ہیں۔ یہ اعتراض بھی یا تو قلت تدبر کا نتیجہ ہے یا عداوت و دشمنی کا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں تو الفاظ سے کوئی تعلق نہیں جس بات میں خدا اور اس کے رسول کی عزت ہو ہمیں تو وہی پسند ہے۔ ہم کبھی ایک منٹ کے لئے بھی اس امر کو جائز نہیں سمجھتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا شخص آئے۔ جو آپکی رسالت کو ختم کر دے۔ اور نیا کلمہ اور نیا قبلہ بنائے۔ اور نئی شریعت اپنے ساتھ لائے۔ یا شریعت کا کوئی حکم بدل دے۔ یا جو لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نکال کر اپنی اطاعت میں لے آوے۔ یا آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے باہر ہو یا کچھ بھی فیض اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط کے بغیر ملا ہو۔ اگر ایسا کوئی آدمی آئے تو ہمارے نزدیک اسلام باطل ہو جاتا ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے جو وعدے کئے تھے جھوٹے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم اس امر کو بھی کبھی پسند نہیں کر سکتے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو ایسا سمجھا جائے کہ گویا آپ نے تمام فیوض الٰہی کو روک دیا ہے۔ اور آپ بجائے دنیا کی ترقی میں ممد ہونے کے اسکے راستہ میں روک بن گئے ہیں۔ اور گویا نعوذ باللہ من ذلک آپ بجائے دنیا کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے اسے وصل الی اللہ کے اعلیٰ مقامات سے محروم کرنیوالے ہیں۔ جس طرح پہلا خیال اسلام کے لئے تباہ کن تھا۔ اسی طرح یہ دوسرا خیال بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات پر ایک خطرناک حملہ ہے۔ اور ہم نہ اُسے قبول کرتے ہیں۔ اور نہ اُسے برداشت کر سکتے ہیں ہمارا یقین ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے لئے رحمت تھے۔ اور ہمارا پکا یقین ہے کہ یہ بات ہر ایک آنکھیں رکھنے والے کو نظر آ رہی ہے۔ آپنے آکر دنیا کو فیوض سماوی سے محروم نہیں کر دیا بلکہ آپکے آنے سے اللہ تعالیٰ کے فیوض کی روانی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اگر پہلے وہ ایک نہر کی طرح بہتے تھے تو اب ایک دریا کی طرح بہتے ہیں۔ کیونکہ پہلے علم اپنے کمال کو نہیں پہنچا تھا اور علم کامل کے بغیر عرفان کامل بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اب علم اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔ قرآن کریم میں وہ کچھ بیان کیا گیا ہے۔ جو اس سے پہلے کی کتب میں بیان نہیں کیا گیا تھا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل لوگوں کو عرفان میں زیادتی حاصل ہوئی ہے۔ اور عرفان میں زیادتی کی وجہ سے اب وہ ان اعلیٰ مقامات پر پہنچ سکتے ہیں جن پر پہلے لوگ نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اور اگر یہ ایمان نہ رکھا جائے۔ تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء پر کیا فضیلت رہ جاتی ہے پس ہم اس قسم کی نبوت کے تو منکر ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آزاد ہو کر حاصل ہوتی ہو۔ اور اسی وجہ سے ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح ناصری کی آمد کے منکر ہیں۔ مگر ہم اس قسم کی نبوۃ کی نفی نہیں کر سکتے۔ جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بالا ہوتی ہو ❊

اے امیر! اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو مہبط انوار بنائے۔ اور آپکے سینہ کو حق کی قبولیت کے لئے وسیع کرے۔ وہی نبوت پہلے نبی کے سلسلہ کو ختم کر سکتی ہے۔ جو شریعت والی نبوت ہو۔ اور وہی پہلے نبی کی شریعت کو منسوخ کر سکتی ہے۔ جو بلا واسطہ حاصل ہو لیکن جو نبوت کہ پہلے نبی کے فیض سے اور اس کی اتباع سے حاصل ہو۔ اور جسکی غرض پہلے نبی کی نبوت کی اشاعت ہو۔ اور اسکی عظمت اور اس کی بڑائی کا اظہار ہو۔ وہ پہلے نبی کی ہتک کرنے والی نہیں۔ بلکہ اس کی عزت کو ظاہر کرنے والی ہے۔ اور اس قسم کی نبوت قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور عقل سلیم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس امت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہ نبوت اس امت کو حاصل نہ ہو۔ تو پھر اس امت کو دوسرے نبیوں کی اُمتوں پر کوئی فضیلت نہیں رہتی ❊

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ محدث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بھی بہت سے گذرے ہیں۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ بھی انسان کو محدثیت کے مقام تک ہی

پہنچ سکتی ہے تو پھر آپؐ کو دوسرے انبیاء پر کیا فضیلت رہی۔ اور آپ سید ولد آدم اور نبیوں کے سردار کیونکر ٹھہرے۔ خیر الرسل ہونیکے لئے ضروری ہے کہ آپؐ میں بعض ایسے کمالات پائے جائیں جو پہلے نبیوں میں نہیں پائے جاتے تھے۔ اور ہمارے نزدیک یہ کمال آپ میں ہی ہے کہ پہلے انبیاء کے اُمتی انکی قوت جذب سے صرف محدثیت کے مقام تک پہنچ سکتے تھے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی مقامِ نبوت تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ اور یہی آپؐ کی قوت قدسیہ کا کمال ہے جو ایک مومن کے دلکو آپؐ کی محبت اور آپ کے عشق کے جذبہ سے بھر دیتا ہے +

اگر آپؐ کے آنیسے اس قسم کی نبوت کا بھی خاتمہ ہوگیا ہے تو پھر آپکی آمد دنیا کے لئے ایک عذاب بنجاتی ہے۔ اور قرآن کریم کا وجود بے فائدہ ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ ماننا پڑیگا کہ آپکی بعثت سے پہلے تو انسان بڑے بڑے درجوں تک پہنچ جاتا تھا۔ مگر آپؐ کی بعثت کے بعد وہ ان درجوں کے پانیسے روک دیا گیا۔ اور یہ ماننا پڑیگا کہ قرآن کریم سے پہلی کتب تو نبوت کا درجہ پانے میں ممد ہوا کرتی تھیں یعنی انکے ذریعہ سے انسان اس مقام تک پہنچ جاتا تھا۔ جہاں سے اللہ تعالیٰ اُسے نبوت کے مقام کی تربیت کیلئے چن لیتا تھا۔ لیکن قرآن کریم پر عمل کرکے انسان اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر فی الواقعہ یہ بات ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے سچے پرستاروں کے دل خون ہو جائیں۔ اور اُنکی کمریں ٹوٹ جائیں کیونکہ وہ تو رحمۃ للعالمین اور سید الانبیاء کی آمد پر یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اب ہماری روحانی ترقیات کے لئے نئے دروازے کھل جائینگے۔ اور اپنے محبوب رب العالمین کے اور بھی قریب ہو جائینگے لیکن نتیجہ نعوذ باللہ من ذٰلک یہ نکلا کہ آپ نے آکر جو دروازے پہلے کھلے تھے۔ ان کو بھی بند کر دیا +

کیا کوئی مومن رسول کریمؐ کی نسبت اس قسم کا خیال ایک آن واحد کے لئے بھی اپنے دل میں آنے دے سکتا ہے؟ کیا کوئی آپ کا عاشق ایک ساعت کے لئے بھی اس عقیدہ پر قائم رہ سکتا ہے بخدا آپ برکت کا ایک سمندر تھے اور روحانی ترقی کا ایک آسمان تھے جسکی وسعت کو کوئی نہیں پا سکتا آپنے رحمت کے دروازے بند نہیں کر دیئے بلکہ کھول دیئے ہیں۔ اور آپ میں اور پہلے نبیوں میں یہ فرق ہے کہ اُن کے شاگرد تو محدثیت تک پہنچ سکتے تھے۔ اور نبوت کا مقام پانے کیلئے انکو الگ تربیت کی ضرورت ہوتی تھی۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شاگردی میں ایک انسان نبوت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر بھی آپ کا اُمتی رہتا ہے۔ اور جس قدر بھی ترقی کرے۔ آپکی غلامی سے

باہر نہیں جاسکتا۔ اسکے درجہ کی بلندی اسے اُمتی کہلانے سے آزاد نہیں کر دیتی۔ بلکہ وہ اپنے درجہ کی بلندی کے مطابق آپکے احسان کے بار کے نیچے دبتا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ قرب کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جس تک دوسروں کو رسائی نہیں ہوئی۔ اور آپ نے اس قدر بلندی کو طے کر لیا ہے کہ جس تک دوسروں کا ہاتھ بھی نہیں پہنچا۔ اور آپ کی ترقی اس سرعت سے جاری ہے کہ واہمہ بھی اس کا اندازہ لگانے سے قاصر ہے۔ پس آپؐ کی اُمت نے بھی آپ کے قدم بڑھانے سے قدم بڑھایا ہے اور آپؐ کے ترقی کرنے سے ترقی کی ہے +

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام جو اُوپر بیان ہوا ہے۔ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اس قسم کی نبوۃ کا سلسلہ آپ کے بعد جاری سمجھیں۔ کیونکہ اس میں آپکی عزت ہے۔ اور اس کے بند کرنے میں آپؐ کی سخت ہتک ہے۔ کون نہیں سمجھ سکتا کہ لائق اُستاد کی علامت یہ ہے کہ اسکے لائق شاگرد ہوں۔ اور بڑے بادشاہ کی علامت یہ ہے کہ اسکے ماتحت بڑے بڑے حکمران ہوں۔ اگر کسی اُستاد کے شاگرد ادنیٰ درجہ کے ہیں۔ تو اُسے کوئی لائق اُستاد نہیں کہہ سکتا۔ اور اگر کسی بادشاہ کے ماتحت ادنے درجہ کے لوگ ہوں۔ تو اُسے کوئی بڑا بادشاہ نہیں کہہ سکتا۔ شہنشاہ دنیا میں عزت کا لقب ہے نہ کہ ذلت اور حقارت کا۔ اسی طرح وہ نبی ان نبیوں سے بڑا ہے جس کے اُمتی نبوت کا مقام پاتے ہیں۔ اور پھر بھی اُمتی ہی رہتے ہیں +

درحقیقت یہ غلطی جس میں اسوقت کے مسلمان پڑ گئے ہیں (اسوقت میں اس لئے کہتا ہوں کہ پہلے بزرگوں کی کتب اس غلط عقیدہ کی تردید سے بھری پڑی ہیں جیسے کہ محی الدین صاحب ابن عربی کی کتب۔ ابن قیم کی کتب۔ مولانا روم کی مثنوی۔ حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی کے مکتوبات) اس سے پیدا ہوئی ہے کہ انھوں نے نبوت کے معنی سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ نبی وہی ہوتا ہے جو کوئی جدید شریعت لائے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔ یا پہلے نبی کی اطاعت سے باہر ہو۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ باتیں نبی کے لئے ضروری نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی ان تینوں قسموں میں سے کسی ایک میں شامل ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص میں یہ تینوں باتیں نہ ہوں۔ نہ وہ کوئی جدید کتاب لائے نہ پہلی شریعت کے کسی حکم کو منسوخ کرے۔ اور نہ نبوت اسے براہ راست ملے اور پھر بھی وہ نبی ہو۔ کیونکہ نبوت ایک خاص مقام قرب کا نام ہے۔ جس مقام پر فائز شخص کا یہ کام ہوتا ہے

کہ وہ دنیا کی اصلاح کرے۔ اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف کھینچ کر لائے۔ اور مُردہ دلوں کو زندگی بخشے اور خشک زمین کو شاداب کرے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کلام لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل ہُوا ہو اُسے لوگوں تک پہنچائے۔ اور ایک ایسی جماعت پیدا کرے۔ جو اپنی زندگیوں کو حق کی اشاعت میں لگا دے۔ اور اسکے نمونہ کو دیکھ کر اپنے دلوں کی اصلاح کرے۔ اور اپنے اعمال کو درست کرے ؛

غرض نبوت کی نفی نبوت کے مفہوم کے غلط سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے ورنہ بعض اقسام کی نبوتیں تو بجائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے آپکی شان بڑھانے والی ہیں ؛

کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ بند کرتا ہے کیونکہ فرماتا ہے ماکان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیّن۔ محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ پس اب کوئی نبی نہیں آسکتا لیکن قرآن کریم کھول کر کوئی نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ خاتم النبیین بفتح "تا" فرماتا ہے نہ کسرتا۔ اور خاتم بفتح "تا" کے معنے مُہر کے ہوتے ہیں نہ کہ ختم کر دینے کے۔ اور مُہر تصدیق کے لئے لگائی جاتی ہے پس اس آیت کے تو یہ معنے ہونگے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبیوں کی مُہر ہیں چنانچہ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں خاتم النبیین کے معنے نبیوں میں سے مُہر والے نبی کے ہی کئے ہیں اور اس آیت کی تشریح میں وہ احادیث نقل کی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر ایک مُہر نبوت تھی ؛

کاش! لوگ قرآن کریم کے الفاظ پر غور کرتے۔ تو ان کو یہ دھوکا نہ لگتا۔ اگر وہ یہ دیکھتے کہ اس آیت میں مضمون کیا بیان ہو رہا ہے۔ تو انکو معلوم ہو جاتا کہ پہلے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ اور پھر اس کے بعد لکن لاکر رسول اور خاتم النبیین کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ لکن ازالہ شبہ کے لئے آیا کرتا ہے۔ اور یہ بات ہر ایک مسلمان جانتا ہے کہ پہلے فقرہ سے یہی شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ سورۂ کوثر میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان شانئك هو الابتر۔ تیرا دشمن ہی ابتر ہے۔ تو ابتر نہیں۔ اور یہاں خود تسلیم فرماتا ہے کہ آپکی نرینہ اولاد نہ ہوگی پس اس شبہ کے ازالہ کے لئے لفظ لکن استعمال فرما کر بتایا کہ اس بیان سے بعض لوگوں کے دلوں میں

ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کا ہم ازالہ کر دیتے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ گو جسمانی طور پر یہ مَردوں میں سے کسی کا باپ نہیں۔ تو بھی یہ ابتر نہیں کہلا سکتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے پس اس کا رُوحانی سلسلہ وسیع ہوگا۔ اور اس کی روحانی اولاد بے انتہا ہوگی۔ پھر وخاتم النبیین فرما کر پہلے مضمون پر اور ترقی کی کہ نہ صرف بہت سے مومن اسکی اولاد میں ہونگے بلکہ یہ نبیوں کی بھی مُہر ہے۔ اسکی مُہر سے انسان نبوت کے مقام پر پہنچ سکے گا۔ پس نہ صرف معمولی آدمیوں کا یہ باپ ہوگا بلکہ نبیوں کا بھی باپ ہوگا۔ غرض اس آیت میں تو اس قسم کی نبوت کا دروازہ کھولا گیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے نہ کہ بند کیا گیا ہے۔ ہاں اس نبوت کا دروازہ بے شک اس آیت سے بند کر دیا گیا ہے۔ جو نئی شریعت کی حامل ہو۔ یا بلا واسطہ ہو کیونکہ وہ نبوت اگر باقی ہو۔ تو اس سے آپکی رُوحانی ابوت ختم ہو جائیگی۔ اور اسکی اس آیت میں نفی کی گئی ہے ؛

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ انی اٰخر الانبیاء۔ اور اسی طرح یہ فرمایا ہے لانبی بعدی پس ان احادیث کے رُو سے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ آخر الانبیاء کو تو دیکھتے ہیں۔ مگر مسلم کی حدیث میں تو اسکے ساتھ ہی ومسجدی اٰخر المساجد آیا ہے اسے نہیں دیکھتے اگر انی اٰخر الانبیاء کے معنے ہیں کہ آپکے بعد کسی قسم کا نبی نہیں تو مسجدی اٰخر المساجد کے بھی یہ معنے ہونگے کہ مسجد نبوی کے بعد کوئی مسجد نہیں بنوائی جا سکتی لیکن یہی لوگ جو انی اٰخر الانبیاء کے الفاظ سے استدلال کر کے ہر قسم کی نبوت کی نفی کر دیتے ہیں۔ وہ مسجدی اٰخر المساجد کے الفاظ کی موجودگی میں نہ صرف اور مسجدیں بنوا رہے ہیں بلکہ اسقدر مساجد تیار کروا رہے ہیں۔ کہ آج بعض شہروں میں مساجد کی زیادتی کی وجہ سے بہت سی مساجد ویران پڑی ہیں بعض جگہ تو مسجدوں میں بیس بیس گز کا فاصلہ بھی مشکل پایا جاتا ہے۔ اگر آخر الانبیاء کے آنیکے باعث کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ تو آخر المساجد کے بعد دوسری مسجدیں کیوں بنوائی جاتی ہیں ؛

اس سوال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ مسجدیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مسجدیں ہیں کیونکہ ان میں اسی طریق پر عبادت ہوتی ہے جس طریق کی عبادت کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنوائی تھی پس بوجہ ظلیت کے یہ اس سے جدا نہیں ہیں۔ اس لئے اس کے آخر ہونے کی نفی نہیں کرتیں۔ یہ جواب درست ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح انی اٰخر الانبیاء کے باوجود

ایسے نبی بھی آسکتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور ظل کے ہوں! ور جو بجائے نئی شریعت لانے کے آپ ہی کی شریعت کے متبع ہوں۔ اور آپکی تعلیم کے پھیلانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہوں اور سب کچھ انکو آپ ہی کے فیض سے حاصل ہوا ہو۔ اس قسم کے نبیوں کی آمد سے آپکے آخر الانبیاء ہونے میں اسی طرح فرق نہیں آتا۔ جس طرح آپؐ کی مسجد کے نمونہ پر نئی مساجد کے تیار کرلنے سے آپ کی مساجد کے آخر المساجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا ❊

اسی طرح لانبی بعدی کے بھی یہ معنی نہیں کہ آپؐ کی بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا بلکہ اسکے بھی یہ معنی ہیں کہ ایسا نبی نہیں آسکتا۔ جو آپکی شریعت کو منسوخ کرے کیونکہ بعد وہی چیز ہوسکتی ہے۔ جو پہلی کے ختم ہونے پر شروع ہو۔ پس جو نبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید کے لئے آئے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہیں کہلا سکتا۔ وہ تو آپکی نبوت کے اندر ہے بعد تو وہ تب ہوتا جب آپکی شریعت کا کوئی حکم منسوخ کرتا۔ عقلمند انسان کا کام ہوتا ہے کہ ہر ایک مضمون پر پورے طور پر غور کرے اور لفظوں کی تہ تک پہنچے۔ غالباً انہیں لوگوں کے متعلق اسی قسم کے دھوکے میں پڑ جانے کا ڈر تھا جسکے باعث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قولوا انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لانبی بعدہٗ۔ یعنی اے لوگو یہ تو کہو کہ آپ خاتم النبیین تھے۔ مگر یہ نہ کہو کہ آپکے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اگر حضرت عائشہ کے نزدیک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی بھی نہیں آسکتا تھا تو آپ نے لانبی بعدہٗ کہنے سے لوگوں کو کیوں روکا۔ اور اگر ان کا خیال درست نہ تھا۔ تو کیوں صحابہ نے ان کے قول کی تردید نہ کی۔ پس ان کا لانبی بعدہٗ کہنے سے روکنا بتاتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی تو آسکتا تھا۔ مگر صاحب شریعت نبی یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آزاد نبی نہیں آسکتا تھا۔ اور صحابہ کا آپ کے قول پر خاموش رہنا بتاتا ہے کہ باقی سب صحابہ بھی ان کی طرح اس مسئلہ کو مانتے تھے ❊

افسوس لوگوں پر کہ وہ قرآن کریم پر غور نہیں کرتے۔ اور خود ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی ٹھوکر کھلاتے ہیں۔ اور پھر افسوس ان پر کہ وہ ان لوگوں پر جو ان کیطرح ٹھوکر نہیں کھاتے غصہ ہوتے ہیں۔ اور انہیں بے دین اور کافر سمجھتے ہیں۔ مگر مومن لوگوں کی باتوں سے نہیں ڈرتا۔ وہ خدا کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔ انسان دوسرے کا بگاڑ کیا سکتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کریگا کہ

اسکو مار دے۔ مگر مومن موت سے نہیں ڈرتا۔ اس کے لئے تو موت لقائے یار کا ذریعہ ہوتی ہے۔ کاش! اگر وہ قرآن کریم پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ ایک وسیع خزانہ ہے اور ایک نہ ختم ہونیوالا ذخیرہ ہے جو انسان کی تمام ضروریات کو پورا کرنیوالا ہے۔ اس کے اندر روحانی ترقیات کی اسقدر راہیں بیان کی گئی ہیں۔ کہ اس سے پہلے کی کتب میں ان کا عشر عشیر بھی بیان نہیں ہوا۔ اور اگر انہیں یہ بات معلوم ہو جاتی۔ تو وہ کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنی حالتوں پر خوش نہ ہوتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قرب کی راہیں تلاش کرنے میں قدم مارتے۔ اور اگر وہ لفظوں کی بجائے دلوں کی اصلاح کی قدر جانتے تو ظاہری علوم کے پڑھ لینے پر کفایت نہ کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیکی کوشش کرتے اور اگر یہ خواہش انکے دل میں پیدا ہو جاتی۔ تو پھر ان کو یہ جستجو بھی پیدا ہوتی کہ قرآن کریم نے کس حد تک انسان کے لئے ترقی کے راستے کھولے ہیں۔ اور تب انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ ایک چھلکے پر خوش ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ اور ایک خالی پیالہ منہ کو لگا کر مست ہونا چاہتے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں لیکن انکے دل میں کبھی یہ خواہش نہیں پیدا ہوتی کہ وہ انعام جو اسکے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ ہمیں بھی ملیں۔ وہ پچاس دفعہ دن میں اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم پڑھتے ہیں لیکن انکے دل میں یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ وہ کونسا انعام ہے جو ہم طلب کر رہے ہیں۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی سمجھ کر نماز پڑھتے۔ تو ان کا دل اس فکر میں پڑ جاتا کہ صراط مستقیم اور صراط الذین انعمت علیہم سے کیا مراد ہے۔ اور پھر انکی توجہ خود بخود سورہ نساء کی ان آیات کی طرف پھر جاتی کہ ولو انّھم فعلوا مایوعظون بہ لکان خیرا لھم واشد تثبیتاً ۝ واذًا لّاٰتینٰھم من لدنّا اجرًا عظیمًا ولھدینٰھم صراطًا مستقیمًا ۝ ومن یطع اللہ والرّسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النّبیّٖن والصّدیقین والشھداء والصّٰلحین وحسن اولٰئک رفیقًا ذٰلک الفضل من اللہ وکفیٰ باللہ علیمًا (نساء ع ۹)

یعنے اگر لوگ اسی طرح عمل کرتے جس طرح ان سے کہا جاتا ہے۔ تو انکے لئے اچھا ہوتا۔ اور ان کے دلوں کو یہ بات مضبوط کر دیتی۔ اور اس صورت میں ہم ان کو بہت بڑا اجر دیتے۔ اور ہم انکو صراط مستقیم دکھا دیتے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرینگے۔ وہ ان لوگوں میں شامل ہونگے جن پر ہم نے انعام کیا ہے۔ یعنی نبیوں میں اور صدیقوں میں اور شہیدوں میں اور صلحا میں۔ اور یہ

لوگ نہایت ہی عمدہ دوست ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے ؛

ان آیات سے ظاہر ہے کہ منعم علیہ گروہ کا راستہ دکھانے سے مراد نبیوں۔ صدیقوں شہیدوں اور صلحاء کے گروہ میں شامل کرنا ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی معرفت ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہم قریباً چالیس دفعہ دن میں اس سے صراط مستقیم کے لئے دعا کریں۔ اور وہ خود صراط مستقیم کی تشریح یہ کرتا ہے۔ کہ نبیوں۔ صدیقوں۔ شہداء اور صلحاء کے گروہ میں شامل کر دیا جائے۔ تو کس طرح ممکن ہے کہ اس اُمت کے لئے نبوت کا دروازہ من کل الوجوہ بند ہو۔ کیا یہ ہنسی نہیں بنجاتی۔ اور کیا اللہ تعالیٰ کی شان تمسخر سے بالا نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ایک طرف تو ہم پر زور دے کہ مجھ سے نبیوں۔ صدیقوں۔ شہداء اور صلحاء کے انعامات مانگو۔ اور دوسری طرف صاف کہدے کہ مینے تو یہ انعام اس اُمت کے لئے ہمیشہ کے واسطے روک دیا۔ حاشا وکلا۔ اللہ تعالےٰ کی ذات تمام عیبوں سے پاک ہے۔ اور تمام بدیوں سے منزہ ہے۔ اگر اس نے یہ انعام روک دیا تھا۔ تو وہ کبھی ہمیں سورہ فاتحہ میں منعم علیہ گروہ کے راستہ کیطرف رہنمائی کی دعا نہ سکھاتا۔ اور پھر کبھی اس راستہ کی تشریح یہ نہ فرماتا۔ کہ ہمارے اس رسول کی اتباع سے انسان نبیوں کے گروہ میں بھی شامل ہو جاتا ہے ؛

کہا جاتا ہے کہ سورہ نساء کی آیت میں مع الّذین انعم اللہ علیہم ہے نہ کہ من الذین انعم اللہ علیہم۔ پس اس سے یہ مراد ہے۔ کہ اس اُمت کے افراد نبیوں کے ساتھ ہونگے۔ نہ کہ نبیوں میں شامل ہونگے لیکن اس اعتراض کے پیش کرنیوالے یہ نہیں سوچتے کہ اس آیت میں صرف نبیوں کا ہی ذکر نہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہی صدیقوں۔ شہداء اور صلحاء کا بھی ذکر ہے۔ اور اگر مع کی وجہ سے اس آیت کے وہ معنے ہیں۔ جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ تو پھر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس اُمت میں کوئی صدیق بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف بعض افراد صدیقوں کے ساتھ رکھے جائینگے اور شہید بھی کوئی نہیں ہوگا۔ صرف بعض لوگ شہداء کے ساتھ رکھے جائینگے۔ اور صالح بھی کوئی نہیں ہوگا۔ صرف کچھ لوگ صلحاء کے ساتھ رکھے جائینگے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ اس اُمت کے تمام افراد نیکی اور تقویٰ کے تمام مدارج سے محروم ہونگے۔ صرف انعام میں ان لوگوں کے ساتھ شامل کر دیئے جاوینگے۔ جو پہلی اُمتوں میں سے ان مدارج پر پہنچے ہیں لیکن کیا کوئی مسلمان بھی

اس قسم کا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ اسلام اور قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کیا ہوگی۔ کہ اُمت محمدیہ میں سے نیک لوگ بھی نہ ہوں۔ بلکہ صرف چند آدمی نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر کے رکھ دیئے جائیں۔ غرض اگر مع کے لفظ پر زور دیکر نبوت کا سلسلہ بند کیا جائے گا تو پھر اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے لئے صدیقیت اور شہادت اور صلاح کا دروازہ بھی بند کرنا پڑے گا ؛

اصل بات یہ ہے کہ مع کے معنے یہی نہیں ہوتے کہ ایک جگہ یا ایک زمانہ میں دو چیزوں کا اشتراک ہے۔ بلکہ کبھی مع درجہ میں اشتراک کے لئے بھی آتا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ولن تجد لھم نصیرًا ہ الّا الذین تابوا واصلحوا واعتصموا باللہ واخلصوا دینھم للہ فاولئک مع المؤمنین وسوف یؤت اللہ المؤمنین اجرًا عظیمًا (نساء رکوع ۲۱) یعنی تحقیق منافق دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہونگے۔ اور تو ان کا کسی کو مددگار نہیں پائے گا۔ مگر ان میں سے وہ مستثنیٰ ہیں جنھوں نے توبہ کرلی۔ اور اصلاح کرلی۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب مضبوط پکڑ لیا۔ اور اپنے دین کو محض اللہ ہی کے لئے کر دیا۔ پس یہ لوگ مع المومنین ہونگے۔ اور اللہ جلد بہت بڑا بدلا دے گا۔ اس آیت میں توبہ کرنے والوں اور عمل صالح کرنیوالوں اور اللہ تعالیٰ ہی کے ہوکر رہنے والوں اور اطاعت کو خالص کر لینے والوں کی نسبت مع المؤمنین کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں پس اگر مع کے معنے اس جگہ ساتھ کے لئے جاویں۔ تو اس کے یہ معنے ہونگے۔ کہ باوجود ان سب باتوں کے وہ مومن نہیں بنیں گے۔ بلکہ صرف مومنوں کے ساتھ رکھے جائینگے۔ اور یہ بات بالبداہت باطل ہے پس مع کے معنے کبھی درجہ کی شراکت کے بھی ہوتے ہیں۔ اور انہی معنوں میں اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم کی آیت میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے ؛

قرآن کریم کے اور بھی بہت سے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نبوت کا دروازہ اس اُمت میں کھلا ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ظل ہو۔ اور آپکی نبوت کی اشاعت کے لئے اور آپکی غلامی اور اطاعت سے حاصل ہو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ سورۂ اعراف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے ذکر کے دوران میں فرماتا ہے۔ قل انما حرّم ربی الفواحش

ماظهر منها وما بطن والاثم والبغي بغير الحق وان تشركوا بالله مالم ينزل به سلطانا وان تقولوا على الله مالا تعلمون ولكل امة اجل فاذا جآء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون ٥ يبني ادم اما ياتينكم رسل منكم يقصون عليكم ايتي فمن اتقى واصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون (اعراف ع) یعنی ان کو کہدے کہ میرے رب نے مجھ پر صرف بُری باتیں جو خواہ ظاہری طور پر بُری ہوں خواہ باریک نگہ سے انکی برائی معلوم ہو۔ حرام کی ہیں۔ اور گناہ میں مبتلا ہونا۔ اور سرکشی کرنا جو بلاوجہ ہوتی ہے۔ اور اللہ سے شرک کرنا جس کے لئے خدا تعالیٰ نے کوئی بھی دلیل نازل نہیں کی۔ اور خدا تعالیٰ کے متعلق ایسی باتیں کہنا جن کی صداقت کا تم کو علم نہیں ہے۔ حرام کیا ہے۔ اور ہر ایک جماعت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے۔ وہ اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اے بنی آدم اگر تمہارے پاس میرے رسُول آویں۔ جو تم ہی میں سے ہوں۔ اور تمہیں میرے نشان پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ تو جو لوگ تقویٰ کرینگے۔ اور اصلاح کرینگے۔ ان کو نہ آیندہ کا ڈر ہوگا نہ پچھلی باتوں کا غم ہوگا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس اُمت میں بھی نبی آئینگے۔ کیونکہ اُمتِ محمدیہ کے ذکر میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے پاس نبی آویں تو ان کو قبول کرلینا۔ ورنہ دُکھ اُٹھاؤ گے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ یہاں اِمّا کا لفظ آیا ہے اور یہ شرط پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ حضرت آدم کے واقعۂ خروج کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے یہی لفظ استعمال فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس کو شرط بھی سمجھ لیا جائے۔ تو بھی اس سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک نبوت کا سلسلہ بند نہیں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ جس امر کی وہ آپ نفی کرچکا ہو۔ اس کو شرط کے طور پر بھی بیان کرے ؞

قرآن کریم کے شواہد کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا دروازہ مطلقاً مسدود نہیں۔ چنانچہ آنیوالے مسیح کو آپ نے بار بار نبی کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ اگر آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ تو آپ نے مسیح کو نبی اللہ کہکر کیوں پکارا ہے ؞

چوتھا اعتراض ہم پر یہ کیا جاتا ہے کہ ہم جہاد کے منکر ہیں۔ مجھے ہمیشہ تعجب آیا کرتا ہے

کہ اسقدر جھوٹ انسان کیونکر بول سکتا ہے کیونکہ یہ بات کہ ہم جہاد کے منکر ہیں۔ بالکل جھوٹ ہے ہمارے نزدیک تو بغیر جہاد کے ایمان ہی کامل نہیں ہو سکتا۔ تمام ضعف جو اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا ہے اور ایمان کی کمزوری بلکہ اس کا فقدان جو ان میں نظر آرہا ہے۔ یہ سب صرف جہاد میں سستی کرنے کی وجہ سے ہے پس یہ کہنا کہ ہم جہاد کے منکر ہیں۔ ہم پر افترا ہے۔ جب قرآن کریم کے بیسیوں مقامات پر جہاد کی تعلیم دی گئی ہے۔ تو بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اور قرآن کریم کے شیدائی ہونے کے ہم جہاد کے منکر کس طرح ہوسکتے ہیں۔ ہاں ہم ایک بات کے سخت مخالف ہیں اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے نام پر خونریزی اور فساد اور غداری اور ڈاکہ زنی اور غارت گری کی جاے کیونکہ اس سے اسلام کے خوشنما چہرہ پر نہایت بدنما داغ لگ جاتا ہے۔ ہم اس بات کی برداشت نہیں کرسکتے کہ حرص اور طمع اور نفسانیت اور ذاتی فوائد کی خاطر اسلام کے مقدس احکام کو بگاڑا جائے۔ غرض ہم جہاد کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ اس بات کے مخالف ہیں کہ کوئی شخص ظلم اور تعدی کا نام جہاد رکھ دے ؞

اے امیر! آپ اس امر کو سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اگر کسی شخص کے محبوب پر کوئی حرف گیری کرے تو محبّ کو یہ امر کس قدر بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ شخص جو اس حرف گیری کا محرک ہو۔ اسے اسپر کس قدر طیش آتا ہے۔ ہمیں بھی ان لوگوں پر شکوہ ہے۔ جو اسلام کو اپنے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ کیونکر وہ مسلمان کہلاکر اسلام سے دشمنی کرتے ہیں۔ آج دُنیا اسلام کو ایک غیر مہذب مذہب اور اسلام کے رسول کو ایک جابر بادشاہ خیال کرتی ہے۔ کیا اس لئے کہ اُس نے رسول کریمؐ کی زندگی میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے۔ جو خلاف تقویٰ یا خلاف دیانت ہے نہیں۔ بلکہ اس وجہ سے کہ مسلمانوں نے اپنے اعمال سے اسکے دماغ میں بعض ایسی باتیں داخل کردی ہیں کہ وہ اسکو ایک دم کے لئے بھی بھلا نہیں سکتی۔ میرے نزدیک ان خطرناک مظالم میں سے جو رسول مقبولؐ پر کئے گئے ہیں۔ ایک یہ ظلم ہے کہ خود مسلمانوں نے آپ کو جو رحم مجسّم تھے۔ جو ایک چیونٹی کو بھی ضرر دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ دشمنانِ اسلام کے سامنے ایسی شکل میں پیش کیا ہے کہ ان کے دل آپ سے متنفر ہوگئے ہیں۔ اور انکے دماغ آپ کے خلاف خیالات سے بھر گئے ہیں ؞

مَیں چاروں طرف سے جہاد جہاد کی آواز سُنتا ہوں۔ مگر وہ کونسا جہاد ہے جسکی طرف خدا اور اُس کا رسول لوگوں کو بُلاتے تھے۔ اور آج کونسا جہاد ہے جسکی طرف لوگوں کو بُلایا جاتا ہے

قرآن کریم جس جہاد کی طرف ہمیں بلاتا ہے۔ وہ تو یہ ہے کہ فلا تطع الکٰفرین وجاھدھم بہٖ جہادًا کبیرًا (فرقان ع۵) یعنی کافروں کی بات نہ مان۔ اور اس قرآن کے ذریعہ سے کفار کے ساتھ ایک بہت بڑا جہاد کر۔ مگر آج کیا مسلمان اسی جہاد بالقرآن کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں کس قدر لوگ ہیں جو قرآن کریم ہاتھ میں لیکر کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ کیا اسلام اور قرآن میں کوئی بھی ذاتی جوہر نہیں۔ جس سے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ اگر یہ بات سچ ہے تو پھر اسلام کے سچا ہونے کا کیا ثبوت ہے انسانوں کے کلام لوگوں کا دل قابو کر لیتے ہیں۔ مگر صرف خدا ہی کا کلام ایسا بے اثر ہے کہ اسکے ذریعہ سے لوگوں کے دل فتح نہیں ہوسکتے۔ اس لئے تلوار کی ضرورت ہے جس سے لوگوں کو منوایا جائے۔ مگر آج تک نہیں دیکھا گیا۔ کہ تلوار کے ساتھ دل فتح کئے جاسکے ہوں۔ اور اسلام تو اسبات پر لعنت بھیجتا ہے۔ کہ مذہب ڈر یا لالچ سے قبول کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون (سورہ منافقون رکوع ۱) یعنی منافق جب تیرے پاس آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ مگر اللہ یہ گواہی دیتا ہے۔ کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ اگر اسلام کے پھیلانے کے لئے تلوار کا جہاد جائز ہوتا۔ تو کیا وہ لوگ جو اسلام لے آئے تھے۔ مگر دل میں منافق تھے۔ ان کا ذکر قرآن کریم ان الفاظ میں کرتا۔ جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں تو یہ لوگ گویا قرآنی تعلیم کا نتیجہ ہوتے۔ کون امید کر سکتا ہے۔ کہ تلوار کے ساتھ وہ مخلص لوگوں کی جماعت پیدا کرلے گا۔ پس یہ بات غلط ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ سے غیر مذاہب والوں کو اسلام میں داخل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام تو سب سے پہلا مذہب ہے۔ جو کہتا ہے کہ مذہب کے متعلق آزادی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا اکراہ فی الدّین قد تبیّن الرشد من الغیّ۔ (بقرہ رکوع ۳۴) دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوگئی ہے۔ پس ہر ایک شخص دلائل کے ساتھ حق کو قبول کرنے یا رد کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا۔ ان اللہ

لا یحب المعتدین۔ (بقرہ رکوع ۲۴) اور دین کی لڑائی ان لوگوں سے لڑو۔ جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر یہ خیال رکھو کہ زیادتی نہ کر بیٹھو۔ پس جبکہ اسلام صرف ان سے دینی جنگ کرنیکا حکم دیتا ہے۔ جو دین کے نام سے مسلمانوں سے جنگ کریں۔ اور مسلمانوں کو جبرًا اسلام سے پھیرنا چاہیں اور ان کے متعلق بھی یہ حکم دیتا ہے کہ زیادتی نہ کرو۔ بلکہ اگر وہ باز آجائیں۔ تو تم بھی اس قسم کی لڑائی کو چھوڑ دو۔ تو پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا حکم ہے کہ غیر مذہب والوں سے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے جنگ کرو۔ اللہ تعالےٰ تو مختلف مذہبوں کے مٹانے کے لئے نہیں بلکہ مختلف مذاہب کی حفاظت کے لئے جنگ کا حکم دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے :۔ اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق۔ الا ان یقولوا ربّنا اللہ۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدّمت صوامعُ وبیعٌ وّصلوٰتٌ ومسٰجدُ یذکر فیھا اسم اللہ کثیرًا ولینصرنّ اللہ من ینصرہ ان اللہ لقویٌ عزیز۔ (الحج رکوع ۶) یعنی اجازت دی گئی ہے ان لوگوں کو جن سے بلا وجہ جنگ کی جاتی ہے۔ جنگ کی۔ اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے گھروں سے بلا قصور نکالے گئے ہیں۔ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کا ہاتھ نہ روکتا۔ تو مسیحیوں کے معبد اور راہبوں کے خلوت خانے اور یہود کی عبادت کی جگہیں اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں اور اللہ تعالیٰ اسکی مدد کرے گا۔ جو اسکی مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ طاقتور ہے۔ غالب ہے ✤

یہ آیات کس قدر کھلے الفاظ میں بتاتی ہیں کہ مذہبی جنگیں تبھی جائز ہیں۔ جبکہ کوئی قوم ربّنا اللہ کہنے سے روکے یعنی دین میں دخل دے۔ اور انکی غرض یہ نہیں کہ دوسری اقوام کے معابد ان کے ذریعہ سے گرا لئے جائیں۔ اور ان سے ان کا مذہب چھڑوایا جائے یا انکو قتل کیا جائے بلکہ انکی غرض یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے تمام مذاہب کی حفاظت کی جائے۔ اور سب مذاہب کے معابد کو قائم رکھا جائے۔ اور یہی غرض اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔ کیونکہ اسلام دنیا میں بطور شاہد اور محافظ کے آیا ہے۔ نہ کہ بطور جابر اور ظالم کے ✤

غرض جہاد جسکی اسلام نے اجازت دی ہے۔ یہ ہے کہ اس قوم کے خلاف جنگ کی جائے جو اسلام سے جبراً لوگوں کو پھرائے یا اس میں داخل ہونے سے جبراً باز رکھے! اور اس میں داخل ہونے والوں کو صرف اسلام کے قبول کرنے کے جرم میں قتل کرے۔ اس قوم کے سوا دوسری کسی قوم سے جہاد نہیں ہو سکتا۔ اگر جنگ ہوگی۔ تو صرف سیاسی اور ملکی جنگ ہوگی۔ جو دو مسلمان قوموں میں بھی آپس میں ہو سکتی ہے +

یہ ظالمانہ جنگ جو بعض دفعہ ڈاکہ اور خونریزی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے غیر مذاہب سے مسلمانوں میں آیا ہے۔ ورنہ اسلام میں اس کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ اور سب سے زیادہ اس عقیدہ کی اشاعت کا الزام مسیحیوں پر ہے۔ جو آج سب سے زیادہ اسکی وجہ سے مسلمانوں پر معترض ہیں قرون وسطیٰ میں اس قسم کی مذہبی جنگوں کا اسقدر چرچا تھا کہ سارا یورپ اسی قسم کی جنگوں میں مشغول رہتا تھا۔ اور ایک طرف یہ مسلمانوں کی سرحدوں پر اسی طرح چھاپے مارتے رہتے تھے جس طرح آج نیم آزاد سرحدی قبائل ہندوستان کی سرحدوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ دوسری طرف یورپ کی ان قوموں پر حملہ کر رہے تھے۔ جو اسوقت تک مسیحیت میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ اور ان ظالمانہ حملوں میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی سمجھتے تھے معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ قاعدہ ہے۔ غصہ میں آکر انسان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ مسلمانوں نے مسیحیوں کی ان حرکات سے متأثر ہوکر خود بھی انہی کی طرح چھاپے مارنے شروع کردیئے ہیں۔ اور اپنے مذہب کی تعلیم کو آخرکار بالکل ہی بھلا بیٹھے ہیں۔ حتیٰ کہ آخر وہ زمانہ آگیا کہ وہی جو ان کے اُستاد تھے۔ ان پر اعتراض کرنے لگ گئے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ باوجود اعتراضوں کے پھر بھی مسلمان نہیں سمجھتے۔ آج سب دنیا میں اسلام کے خلاف اس ہتھیار کو استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ اور وہ برابر دشمن کے ہاتھ میں تلوار پکڑا رہے ہیں کہ اسے لو اور اسلام پر حملہ کرو۔ وہ نہیں دیکھتے کہ یہ ظالمانہ جنگ جن کا نام جہاد رکھا جاتا ہے۔ اسلام کو فائدہ نہیں۔ بلکہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ وہ کونسی طاقت ہے۔ جس نے اس ہتھیار کے ذریعہ فتح پائی ہو۔ جنگ میں تعداد کام نہیں آیا کرتی۔ بلکہ ہنر اور انتظام اور تعلیم اور سامان اور جوش اور دوسری قوموں کی ہمدردی کام آتی ہے۔ بعض چھوٹی چھوٹی قومیں ان امور کی وجہ سے بڑی بڑی حکومتوں کو شکست دیدیتی ہیں۔ اور اگر یہ باتیں نہ ہوں۔ تو بڑے بڑے لشکر

بھی کمزور اور بے فائدہ ہوتے ہیں۔ پس بہتر ہوتا کہ مسلمان اپنی حفاظت کے لئے ان سامانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ جہاد کے غلط معنے کرکے اسلام کو بدنام کرتے۔ اور خود بھی نقصان اٹھاتے کیونکہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی قوم اپنے مذہب کی آڑ میں دنیاوی جنگیں لڑتی ہے۔ تو سب اقوام اس کی مخالفت میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے ایک ایسا خطرہ محسوس کرتی ہیں جس سے عادل سے عادل حکومت بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک غیر مذہب کی حکومت خیال کرلیتی ہے کہ میں کس قدر بھی اچھا معاملہ اس سے کروں۔ مجھے اس سے امن حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی جنگ ظلم یا فساد کی بناء پر نہیں۔ بلکہ مذہب کے اختلاف کی بناء پر ہے +

غرض ہم جہاد کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ جہاد کے ان غلط معنوں کے مخالف ہیں۔ جن سے اسوقت اسلام کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اور ہمارے نزدیک مسلمانوں کی ترقی کا راز اس مسئلہ کے سمجھنے میں مخفی ہے۔ اگر وہ اس امر کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ کہ جہاد کبیر[1] قرآن کریم کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے نہ کہ تلوار سے۔ اور اگر وہ سمجھ لیں۔ کہ مذہب کا اختلاف ہرگز کسی کی جان یا اسکے مال یا اسکی آبرو کو حلال[2] نہیں کر دیتا۔ تو ان کے دلوں میں اس قسم کے تغیرات پیدا ہو جائیں کہ جن سے خود بخود ان کو سیدھے راستہ پر قدم مارنے کیطرف توجہ ہو۔ اور وہ لیس البرّ بان تأتوا البیوت من ظهورها ولکن البرّ من اتقیٰ وأتوا البیوت من ابوابها واتقوا الله لعلکم تفلحون ۰ (سورۃ بقرہ ع ۲۴) کے ارشاد پر عمل کرکے ترقی کے صحیح اصول کو سمجھیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہوں +

اے بادشاہ افغانستان! جس طرح آپ کے نام میں امان کی طرف اشارہ ہے اسی طرح خدا کرے کہ آپ کے ذریعہ سے ملک افغانستان اور اسکی سرحدوں پر امن قائم ہو! یعنے اصولی طور پر آپ کو جماعت احمدیہ کے عقائد اور ان پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں۔ اور انکے جو جواب

---

[1] فلا تطع الکافرین وجاهدهم به جهاداً کبیراً (فرقان رکوع ۵)

[2] فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل الله لکم علیهم سبیلاً ۰ (نساء ع ۱۲)، وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین (بقرہ ع ۲۴) ونیز سورہ ممتحنہ رکوع ۲ لا ینهٰکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الآیہ ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوهم وتقسطوا الیهم ان الله یحب المقسطین +

ہیں۔ بتا دیئے ہیں۔ اور اب مَیں چاہتا ہوں کہ مختصراً بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ اور اس کے دلائل کے متعلق بھی کچھ بیان کروں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ٹھہروں کہ جیسے اس کا پیغام آپ کو پہنچا دیا تھا۔ اور تا آپ اللہ تعالیٰ کے منشاء پر اطلاع پاکر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں اور اس کی محبت کو جذب کریں ۞

حضرت میرزا غلام احمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دعویٰ

حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خلق اللہ کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ اور یہ کہ آپ وہی مسیح ہیں۔ جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ اور وہی مہدی ہیں۔ جن کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ اور آپ ان تمام پیشگوئیوں کے پورا کرنے والے ہیں جو مختلف مذاہب کی کتب میں ایک مصلح کی نسبت جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ مذکور ہیں۔ اور یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نصرت اور تائید کے لئے بھیجا ہے۔ اور قرآن کریم کا فہم آپ کو عنایت کیا ہے۔ اور اس کے معارف اور حقائق آپ پر کھولے ہیں۔ اور تقویٰ کی باریک راہوں پر آپ کو آگاہ کیا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور عظمت کے اظہار کا کام آپ کے سپرد کیا ہے۔ اور اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کرنے کی خدمت آپ کو سونپی ہے۔ اور آپ کو اس لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ تا دنیا کو بتائے کہ وہ اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ اور لوگوں کا ان سے دور رہنا اور غافل رہنا اسے پسند نہیں ۞

اسی طرح آپ کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کا منشا تھا کہ سب دنیا کو آپ کے ہاتھ پر جمع کرے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام ادیان کے گذشتہ بزرگوں کی زبان سے آخری زمانہ میں اسی مذہب کے ایک گذشتہ

نبی کی دوبارہ بعثت کی پیشگوئی کرا دی تھی۔ تاکہ قومی منافرت خاتم النبیین علیہ السلام پر ایمان لانے میں روک نہ ہو۔ ان پیشگوئیوں میں درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی مامور کی خبر دی گئی تھی۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو کر تمام ادیان آپ کے ہاتھ پر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ یہ سب پیشگوئیاں آپ کے وجود سے پوری ہو گئیں۔ اور آپ مسیحیوں اور یہودیوں کے لئے مسیح۔ زردشتیوں کے لئے میسودربہی۔ اور ہندوؤں کے لئے کرشن کے مثیل ہو کر نازل ہوئے۔ تاکہ تمام اہل مذاہب پر انہی کی کتب سے آپ کی صداقت ثابت ہو۔ اور پھر آپ کے ذریعہ سے اسلام کی صداقت معلوم ہو کر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ غلامی میں باندھے جائیں ۞

آپ کے دعویٰ کے دلائل

آپ کے دعویٰ کو مختصر الفاظ میں بیان کر دینے کے بعد مَیں اصولاً اس امر کے متعلق کچھ بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ ایک مامور من اللہ کے دعویٰ کی صداقت کے کیا دلائل ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ کہ ان دلائل کے ذریعہ سے آپ کے دعویٰ پر کیا روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ ایک شخص فی الواقع مامور من اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔ تو پھر اجمالاً اس کے تمام دعاوی پر ایمان لانا واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل سلیم اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کا مامور بھی ہو۔ اور لوگوں کو دھوکا دے کر حق سے دور بھی لے جاتا ہو۔ اگر ایسا ہو۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک سخت حملہ ہوگا۔ اور ثابت ہوگا کہ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس نے اپنے انتخاب میں سخت غلطی کی۔ اور ایک ایسے شخص کو اپنا مامور بنا دیا۔ جو دل کا ناپاک اور گندہ تھا اور بجائے حق اور صداقت کی اشاعت کے اپنی بڑائی اور عزت چاہتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اپنے نفس کو مقدم کرتا تھا ۞

علاوہ اس کے کہ یہ عقیدہ عقل سلیم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم بھی اسکو باطل کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم

تعلمون الكتٰب وبما كنتم تدرسون ۝ ولا يأمركم ان تتخذوا الملٰئكة والنبيّٖن اربابًا ایأمرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون ۝ (آل عمران رکوع ۸) یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم اور نبوت دیکر بھیجے۔ اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے۔ کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنجاؤ۔ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ خدا تعالیٰ کے ہوجاؤ۔ بسبب اسکے کہ تم اللہ تعالیٰ کا کلام لوگوں کو سکھاتے اور پڑھتے ہو۔ اور نہ یہ ہوسکتا ہے۔ کہ ایسا آدمی لوگوں کو یہ کہے۔ کہ فرشتوں یا نبیوں کو رب سمجھو۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ کوشش کر کے لوگوں کو مسلمان بنائے۔ اور پھر ان کو کافر کردے ✣

غرض اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ مدعی ماموریت فی الواقع سچا ہے یا نہیں؟ اگر اسکی صداقت ثابت ہوجائے۔ تو اسکے تمام دعاوی کی صداقت بھی ساتھ ہی ثابت ہوجاتی ہے۔ اور اگر اسکی سچائی ہی ثابت نہ ہو۔ تو اسکے متعلق تفصیلات میں پڑنا وقت کو ضائع کرنا ہوتا ہے۔ پس مَیں اسی اصل کے مطابق آپکے دعویٰ پر نظر کرنی چاہتا ہوں۔ تا مختصر جناب والا کو ان دلائل پر آگاہی حاصل ہوجائے۔ جن کی بناء پر آپ نے اس دعویٰ کو پیش کیا ہے۔ اور جن پر نظر کرتے ہوئے لاکھوں آدمیوں نے آپ کو اس وقت تک قبول کیا ہے ✣

پہلی دلیل

ضرورتِ زمانہ

سب سے پہلی دلیل جس سے کسی مامور کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ وہ ضرورت زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ بے محل اور بے موقعہ کوئی کام نہیں کرتا۔ جب تک کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اسے نازل نہیں کرتا۔ اور جب کسی چیز کی حقیقی ضرورت پیدا ہوجائے۔ تو وہ اسے روک کر نہیں رکھتا۔ انسان کی جسمانی ضروریات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مہیا نہ کیا ہو چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اسکی پوری کردی ہے۔ پس جبکہ دنیاوی ضروریات کے پورا کرنے کا اس نے اس قدر اہتمام کیا ہے۔ تو یہ اسکی شان اور اسکی رفعت کے منافی ہے کہ وہ اسکی رُوحانی ضروریات کو نظر انداز کردے۔ اور ان کے پورا کرنے کے لئے کوئی سامان پیدا نہ کرے۔ حالانکہ

جسم ایک فانی شے ہے۔ اور اسکی تکالیف عارضی ہیں۔ اور اس کی ترقی محدود ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں انسانی رُوح کے لئے ابدی زندگی مقرر کی گئی ہے۔ اور اسکی تکالیف ایک ناقابل شمار زمانہ تک ممتد ہوسکتی ہیں۔ اور اسکی ترقی کے راستے انسانی عقل کی حدبندی سے زیادہ ہیں ✣

۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی صفات پر اس روشنی کی مدد سے نظر ڈالے گا۔ جو قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ کبھی اس بات کو باور نہیں کریگا۔ کہ بنی نوع انسان کی روحانی حالت تو کسی مصلح کی محتاج ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کیطرف سے کوئی ایسا سامان نہ کیا جائے جسکے ذریعہ سے اسکی احتیاج پوری ہوسکے۔ اگر ایسا ہو تو انسان کی پیدائش ہی لغو ہوجاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینهما لٰعبین ۝ ما خلقنٰهما الّا بالحق ولٰكنّ اكثرهم لا يعلمون ۝ (دخان رکوع ۲) یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے۔ اسکو یونہی بلاوجہ بطور کھیل کے نہیں پیدا کیا۔ بلکہ ہم نے اسے غیر متبدل اُصول کے ماتحت پیدا کیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس بات سے ناواقف ہیں ✣

پس حقیقت یہی ہے۔ کہ جب کبھی بھی بنی نوع انسان کی روحانی حالت گرجاتی ہے اور کسی مصلح کی محتاج ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایک مصلح بھیجدیتا ہے۔ جو لوگوں کو راہ راست کی طرف لاتا ہے۔ اور اُن کی اندرونی کمزوری کو دُور کرتا ہے ✣

گو اللہ تعالیٰ کی صفات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات عقلاً بھی ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ کہ ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو لاوارث چھوڑدے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں صراحتاً بھی بیان فرمادیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ وان مّن شیءٍ الّا عندنا خزائنه وما ننزله الّا بقدرٍ معلوم (الحجر رکوع ۲) ہر ایک چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اُسے نازل نہیں کرتے۔ مگر خاص اندازوں کے ماتحت۔ یعنی ہر ایک چیز کو اللہ تعالیٰ ضرورت کے ماتحت نازل کرتا ہے۔ نہ اس کے کام بے حکمت ہیں۔ کہ بلا ضرورت کسی چیز کو ظاہر کرے اور نہ اس کے ہاتھ تنگ ہیں کہ ضرورت پر بھی ظاہر نہ کرسکے ✣

اور اسی طرح فرماتا ہے۔ وآتٰكم من كل ما سألتموه وان تعدّوا نعمت الله لا تحصوها (ابراہیم رکوع ۵) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر وہ چیز جو تم نے مانگی تم کو عنایت کردی ہے۔ اور اگر تم اللہ تعالیٰ

کی نعمتوں کو گننا چاہو۔ تو گن نہیں سکتے۔ اس آیت میں مانگنے سے مُراد حقیقی ضرورت ہی ہے کیونکہ ہر چیز جسے بندہ مانگتا ہے اسے نہیں ملجاتی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ ہر ایک حقیقی ضرورت جس کیطرف احتیاج انسان کی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ یا ہر احتیاج جس کا اثر انسان کی غیر محدود زندگی پر پڑتا ہے۔ اس کے پورا ہونے کا سامان اللہ تعالیٰ ضرور کرتا ہے ؛

یہ تو عام قانون ہے۔ مگر ہدایت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ فرماتا ہے کہ جب اس کے بندے ہدایت کے محتاج ہوں۔ تو وہ ضرور ان کے لئے ہدایت کے سامان مُہیّا کرتا ہے۔ بلکہ اس نے یہ کام اپنے ہی سپرد کر رکھا ہے۔ دوسرے کو اس میں شریک ہی نہیں کیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ ان علینا للھدٰی (اللیل ع ۱) بندوں کو ہدایت دینا ہم نے اپنے اوپر فرض کر چھوڑا ہے۔ اور اس کام کا انصرام اپنی ہی ذات کے متعلق وابستہ رکھا ہے ؛

قرآن کریم ضرورت زمانہ کے مطابق لوگوں کی ہدایت کے سامان پیدا کرنے کو نہ صرف واجب ہی قرار دیتا ہے۔ بلکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر ایسا انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا۔ تو بندوں کا حق ہوتا۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے۔ کہ جب اس نے ان کے پاس ہادی نہیں بھیجے۔ تو وہ ان سے جواب کیوں طلب کرتا ہے اور انکو عذاب کیوں دیتا ہے چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- ولو انّا اھلکناھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتّبع اٰیٰتك من قبل ان نذلّ ونخزٰی (ع ۸) یعنی اگر رسُول کی بعثت سے پہلے ہم ان پر عذاب نازل کر دیتے۔ تو یہ ہم پر اعتراض کرتے کہ جب ہم گمراہ تھے۔ اور ہدایت کے محتاج تھے۔ تو تُو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسُوا ہونے سے پہلے ہی تیرے احکام کو قبول کر لیتے۔ اور اللہ تعالیٰ انکے اس اعتراض کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا ردّ نہیں کرتا۔ بلکہ اس مضمون کو قرآن کریم کے متعدد مقامات پر بیان کر کے اس کی اہمیت کو ثابت فرماتا ہے ؛

اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرورت کے موقعہ پر ہادی بھیجے بغیر۔ عذاب نازل کرنے کو ظلم قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یٰمعشر الجنّ والانس الم یأتکم رسلٌ منکم یقصون علیکم اٰیٰتی وینذرونکم لقاء یومکم ھٰذا۔ قالوا شھدنا علیٰ

انفسنا وغرّتھم الحیٰوۃ الدنیا وشھدوا علیٰ انفسھم انھم کانوا کافرین ٥ ذٰلك ان لّم یکن رّبك مھلك القریٰ بظلم وّ اھلھا غافلون ٥ (سورۃ انعام رکوع ۱۵) اے جنوں اور انسانوں کی جماعتو! کیا تمہارے پاس ہمارے رسُول نہیں آئے تھے۔ جو تمہیں ہمارے احکام پڑھ پڑھ کر سُناتے تھے۔ اور تم پر جو یہ دن آنے والا تھا۔ اس سے تمہیں ڈراتے تھے انھوں نے کہا ہم اپنے خلاف آپ گواہی دیتے ہیں۔ اور انھیں ورلی زندگی نے دھوکا دیدیا اور انھوں نے اپنے خلاف آپ گواہی دیدی کہ وہ کافر تھے۔ یہ (رسُولوں کا بھیجنا اور کفار پر حجت قائم کرنا) اس لئے کیا۔ کہ تیرا خدا شہروں کو اس حالت میں کہ لوگ غافل تھے۔ ظالمانہ طور پر ہلاک نہیں کر سکتا تھا ؛

ان آیات کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ہوشیار کر دینے کے کسی قوم پر حجت قائم کر دینا اور اسکی ہلاکت کا فتویٰ لگا دینا ظلم ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اگر کوئی قوم ہدایت کی محتاج ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہادی نہ بھیجے۔ لیکن قیامت کے دن اسے سزا دیوے کہ تم نے کیوں احکام الٰہی پر عمل نہیں کیا تھا۔ تو یہ ظلم ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ظالم نہیں پس ممکن نہیں کہ لوگ ہدایت کے محتاج ہوں۔ لیکن وہ انکی ہدایت کا سامان نہ کرے ؛

پیچھے جو مضمون گذرا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے رُو سے جب کسی زمانہ کے لوگ ہدایت کے محتاج ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ انکی ہدایت کا سامان پیدا کرتا رہتا ہے لیکن قرآن کریم سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس عام قاعدہ کے علاوہ اُمت محمدیہ سے اس کا ایک خاص وعدہ بھی ہے۔ وہ یہ ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورہ حجر رکوع ۱) ہمنے ہی اس تعلیم کو اُتارا ہے۔ اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے ؛

اب حفاظت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو حفاظت ظاہری اور ایک حفاظت معنوی جب تک دونوں قسم کی حفاظت نہ ہو۔ کوئی چیز محفوظ نہیں کہلا سکتی۔ مثلاً اگر ایک پرندہ کی کھال اور چونچ اور پاؤں محفوظ کر لئے جائیں۔ اور اس میں بھُس بھر کر رکھ لیا جائے۔ تو وہ پرندہ زمانہ کے اثر سے محفوظ نہیں کہلائیگا۔ اسی طرح اگر اسکی چونچ ٹوٹ جائے۔ پاؤں شکستہ ہو جائیں۔ بال نُچ جائیں۔ تو وہ بھی محفوظ نہیں کہلا سکتا۔ ایک کتاب جس کے اندر لوگوں نے اپنی طرف سے

کچھ عبارتیں زائد کر دی ہوں یا اس کی بعض عبارتیں حذف کر دی ہوں یا جسکی زبان مُردہ ہوگئی ہو اور کوئی اس کے سمجھنے کی قابلیت نہ رکھتا ہو یا جو اس غرض کے پورا کرنے سے قاصر ہوگئی ہو جسکے لئے وہ نازل کی گئی تھی محفوظ نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ گو اس کے الفاظ محفوظ ہیں۔ مگر اس کے معانی ضائع ہوگئے ہیں۔ اور معانی ہی اصل شے ہیں۔ الفاظ کی حفاظت بھی صرف معانی کی حفاظت ہی کے لئے کی جاتی ہے۔ پس قرآن کریم کی حفاظت سے مُراد اس کے الفاظ اور اس کے مطالب دونوں کی حفاظت ہے ؛

اس وعدہ کے ایک حصہ کو پورا کرنے کے لئے یعنے قرآن کریم کی ظاہری حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو سامان کئے ہیں۔ ان کا مطالعہ انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈالدیتا ہے۔ جب تک قرآن کریم نازل نہ ہوا تھا۔ نہ عربی زبان مدوّن ہوئی تھی نہ اسکے قواعد مرتب ہوئے تھے نہ لغت یعنی نہ محاورات کا ہی احاطہ کیا گیا تھا۔ اور نہ معانی اور بیان کے قواعد کا استخراج کیا گیا تھا۔ نہ تحریر کی حفاظت کا سامان ہی کچھ موجود تھا۔ مگر قرآن کریم کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کے دلوں میں القا کر کے ان سب علوم کو مدوّن کروایا۔ اور صرف قرآن کریم ہی کی حفاظت کے خیال سے علم صرف و نحو اور علم معانی و بیان اور علم تجوید اور علم لغت اور علم محاورۂ زبان اور علم تاریخ اور علم قواعد تدوین تاریخ و علم فقہ وغیرہ علوم کی بنیاد پڑی۔ اور ان علوم نے اسی قدر زیادہ ترقی حاصل کی۔ جس قدر کہ ان علوم کی حفاظت کا قرآن کریم سے تعلق تھا۔ چنانچہ ظاہری علوم میں سے صرف اور نحو اور لغت کا تعلق حفاظت قرآن کے ساتھ سب سے زیادہ ہے اور ان علوم کو اس قدر ترقی حاصل ہوئی ہے۔ کہ یورپ کے لوگ اس زمانہ میں بھی عربی صرف و نحو اور لغت کو سب زبانوں کی صرف و نحو اور لغت سے اعلیٰ اور زیادہ مدوّن خیال کرتے ہیں ؛

ان علوم کی ترقی کے علاوہ حفاظت قرآن کریم کے لئے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے دل میں حفظ قرآن کی خواہش پیدا کر دیگئی۔ اور اسکی عبارت کو ایسا بنایا گیا کہ نہ نثر ہے نہ شعر جس سے اس کا یاد کرنا بہت ہی آسان ہوتا ہے۔ ہر شخص جسے مختلف قسم کی عبارتوں کے حفظ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ جانتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کا حفظ کرنا سب عبارتوں سے زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے۔ غرض ایک طرف اگر قرآن کریم کو ایسی عبارت میں نازل کیا گیا ہے کہ اس کا حفظ کرنا

نہایت آسان ہوگیا ہے۔ تو دوسری طرف لاکھوں آدمیوں کے دل میں اسکے حفظ کرنے کی خواہش پیدا کر دیگئی ہے۔ اور نمازوں میں قرآن کریم کی تلاوت فرض کر کے ہر مسلمان کے ذمہ اسکے کسی نہ کسی ٹکڑے کی حفاظت مقرر کر دی گئی ہے۔ حتّٰی کہ اگر قرآن کریم کے سب نسخوں کو بھی نعوذ باللہ من ذالک کوئی دشمن تلف کر ڈالے۔ تب بھی قرآن کریم دنیا سے مٹ نہیں سکتا ؛

یہ چند مثالیں جو میں نے بیان کی ہیں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن کریم کی حفاظت ظاہری کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں۔ جن کی موجودگی میں اس کا ضائع ہو جانا بالکل ناممکن ہوگیا ہے ؛

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب الفاظ کی حفاظت کے لئے جو مقصود بالذات نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے اسقدر سامان مہیا کئے۔ تو کیا ممکن ہے کہ وہ معانی کو یونہی چھوڑ دے۔ اور انکی حفاظت نہ کرے؟ ہر شخص جو عقل و دانش سے کام لینے کا عادی ہے۔ اس سوال کا یہی جواب دیگا کہ نہیں یہ بات ممکن نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری حفاظت کا اسقدر سامان کیا ہے تو باطنی حفاظت کا سامان اس سے کہیں زیادہ کیا ہوگا۔ اور یہی بات درست ہے۔ آیہ کریمہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں دونوں ہی قسم کی حفاظت کا ذکر ہے۔ لفظی بھی اور معنوی بھی۔ اور معنوی حفاظت کا سب سے بڑا جزو یہ ہے کہ جب لوگ ہدایت قرآنیہ سے دور ہو جائیں۔ اور قرآن کریم کا نور سمٹ کر الفاظ میں آجائے۔ اور لوگوں کے قلوب اس کے اثر اور تصرف سے خالی رہ جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ایسے سامان پیدا کرے جن کے ذریعہ سے اس کے اثر کو پھر قائم کرے۔ اور اسکے معانی کو پھر ظاہر کرے۔ اور ایک قصہ کو مُردنی حالت سے نکال کر ایک کامیاب نسخہ کی زندگی اور تازگی اسے بخشے۔ چنانچہ ان معنوں کی احادیث صحیحہ سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃٍ من یجدد لھا دینھا۔ (ابوداؤد کتاب الفتن) اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لئے ہر صدی کے سر پر ضرور ایسے آدمی کھڑے کرتا رہے گا۔ جو اسکے دین کی اس کے فائدہ اور نفع کے لئے تجدید کرتے رہیں گے ؛

لہ و قد اتفق الحفاظ علی تصحیح ھذا الحدیث منھم الحاکم فی المستدرک والبیھقی فی المدخل رحم اللہ ۱۳۳

یہ حدیث درحقیقت انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کی تفسیر ہے۔ اور آیت کے مضمون کے ایک حصہ کو عام فہم الفاظ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا ہے تاکہ ظاہر پرست اور کم فہم لوگ اس آیت کے معانی کو صرف ظاہر پر محمول نہ کریں۔ اور دین اسلام کی حفاظت کے ایک زبردست ذریعہ کو نظرانداز کر کے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہوں ❊

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بعثت کا وقت جو ان مفاسد کی اصلاح کے لئے آدینگے۔ اور جو قرآن کریم کے مطالب اور معانی کے نہ سمجھنے سے اور کلام الٰہی سے دُور ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہونگے۔ صدی کا سر ہوگا۔ گویا قرآن کریم کی حفاظت کے لئے قلعوں کی ایسی زنجیر بنادی گئی ہے۔ کہ کبھی بھی اسلام ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہ سکتا۔ جو یا تو کسی مجدد کے صحبت یافتہ نہ ہوں یا صحبت یافتوں کے صحبت یافتہ نہ ہوں۔ اور اس طرح وہ خرابی جو دیگر تمام ادیان میں پیدا ہو چکی ہے۔ کہ ان کا مطلب بگڑ کر کچھ کا کچھ ہوگیا ہے۔ اس سے اسلام بالکل محفوظ ہے اور اس وعدہ کے مطابق بالکل محفوظ رہے گا ❊

(۱) خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعی یا روحانی ضروریات انسان کی اللہ تعالیٰ ضرور پوری کرتا ہے خصوصاً روحانی ضروریات۔ کہ جو بوجہ اپنے وسیع اثر اور بڑی اہمیت کے طبعی ضروریات پر مقدم ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے۔ تو پیدایش عالم کا فعل لغو ہو جائے (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ بھی کیا ہے کہ جب بندہ ہدایت کا محتاج ہوگا۔ وہ اسے ہدایت دے گا (۳) اگر وہ ایسا نہ کرے تو بندہ کا حق ہے کہ اسکے فعل پر اعتراض کرے (۴) اگر وہ ضرورت کے وقت ہدایت نہ بھیجے۔ اور لوگوں کو سزا دے۔ جو گمراہ ہوگئے ہوں۔ تو یہ ظلم ہوگا۔ اور خدا ظالم نہیں (۵) مسلمانوں کی اصلاح کے لئے اس قسم کے آدمی ہمیشہ بھیجتے رہنے کا جو مطالب قرآنیہ کی حفاظت کرنیوالے ہوں خاص طور پر وعدہ ہے (۶) احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ کم سے کم ہر صدی کے سر پر ضرور ظاہر ہونگے ❊

اب اے بادشاہ افغانستان! اللہ تعالیٰ آپ کے سینہ کو اپنی باتوں کے قبول کرنے کے لئے کھولدے! آپ غور فرمائیں کہ کیا اسوقت زمانہ کسی مصلح ربانی کا محتاج ہے یا نہیں؟ احادیث تو یہ بتاتی ہیں کہ عام طور پر ایک صدی کے سر پر اس قسم کی احتیاج ضرور پیدا ہو جاتی

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شخص مبعوث ہو کر مطالب قرآنیہ بیان کرے۔ اور دین اسلام کی صحیح حقیقت لوگوں پر آشکار کرے۔ اور اسوقت صدی کا سر چھوڑ کر صدی نصف کے قریب گذر چکی ہے۔ لیکن ہم ان احادیث کو بھی نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اور صرف واقعات کو دیکھتے ہیں کہ کیا اس وقت کسی مصلح کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر اس وقت مسلمانوں اور دیگر اقوام کی حالت ایسی عمدہ ہے۔ کہ وہ کسی ربانی مصلح کے محتاج نہیں۔ تو ہمیں کسی مدعی کے دعوے پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر اس کے برعکس مسلمانوں کی حالت پکار پکار کر کہہ رہی ہو۔ کہ اگر اسوقت کسی مصلح کی ضرورت نہیں تو پھر کبھی بھی کسی مصلح کی ضرورت نہیں ہوئی یا اگر دشمنانِ اسلام کی دشمنی اور اسلام کے مٹانے کی کوشش حد سے بڑھی ہوئی ہو۔ تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ اسوقت خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی شخص آنا چاہئیے۔ جو اسلام کو پھر اسکی اصلی شکل میں پیش کر کے دشمنانِ اسلام کے حملوں کو پس پا کرے۔ مسلمانوں کو سچا اسلام سمجھا کر اور ان کے دلوں میں دین کی محبت پیدا کر کے اسلام کی قوت احیاء کو ظاہر کرے ❊

ان سوالوں کے جواب کہ اسوقت مسلمانوں کی حالت کیسی ہے۔ اور انکے دشمنوں کی چیرہ دستی کس حد تک بڑھی ہوئی ہے۔ میرے نزدیک دو نہیں ہو سکتے۔ ہر ایک شخص جو کسی خاص مصلحت کو مدنظر رکھ کر حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتا یا انسانیت سے اس قدر دُور نہیں ہوگیا کہ وہ اچھے اور بُرے میں تمیز کرنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس امر کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسوقت مسلمان عملاً اور عقیدتاً اسلام سے بالکل دُور جا پڑے ہیں۔ اور اگر کسی زمانہ کے لوگوں کے حق میں یہ آیت لفظاً لفظاً ثابت آسکتی ہے کہ یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً (سورہ فرقان رکوع ۳) تو وہ اس زمانہ کے لوگ ہیں۔ آج یہ سوال نہیں رہا۔ کہ لوگوں نے کونسی بات اسلام کی چھوڑ دی ہے۔ بلکہ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ اسلام کی کونسی بات مسلمانوں میں باقی رہ گئی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ کہ مسلمانان در گور۔ و مسلمانی در کتاب۔ اسلام کا نشان صرف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور کتب ائمہ میں ملتا ہے۔ اس کا نشان لوگوں کی زندگیوں میں کہیں نہیں ملتا۔ اوّل تو لوگ تعلیم اسلام سے واقف ہی نہیں۔ اور اگر واقف ہونا بھی چاہیں۔ تو ان کے لئے اسلام سے واقف ہونا قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ کیونکہ اسلام

کی ہر چیز ہی مسخ کردیگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے متعلق ایسے عقائد تراشے گئے ہیں کہ جن کو تسلیم کرکے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم زبان سے نکالنا ایک راستباز انسان کے لئے مشکل ہے۔ ملائکہ کی نسبت ایسی باتیں بنائی گئی ہیں کہ الامان! وہ ہستیاں جنکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یفعلون ما یؤمرون (سورہ نحل رکوع ۷) کہیں ان کو خدا پر اعتراض کرنیوالا قرار دیا جاتا ہے کہیں انسانی بھیس میں اُتار کر ناپاک عورتوں کا عاشق بنایا جاتا ہے۔ نبیوں کی طرف جھوٹ اور فساد کی نسبت کرکے انکی ذات سے جو رشتہ محبت ہونا چاہیئے اُسے ایک ہی وار سے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور کلام الٰہی کو شیطانی دست بُرد کا شکار بنا کر اسے بالکل ہی ساقط از اعتبار کر دیا جاتا ہے۔ شراب و جنت اور دوزخ کی وہ کیفیت بیان کیجاتی ہے کہ یا تو یہ عقائد شاعرانہ نازک خیالی بنجاتے ہیں یا پھر عجیب مضحکہ انگیز کہانیاں ہو جاتے ہیں ۔

دوسرے انبیاء تو خیر دُور کے لوگ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہیں زینب کی محبت کا قصہ اور کہیں چوری چوری ایک لونڈی سے تعلق کرنے کا واقعہ اور اس قسم کے اور بیہودہ اخلاق و واقعات کو منسوب کرکے آپ کی کامل اور حامل اخلاق فاضلہ ذات کو بدشکل کرکے دکھایا جاتا ہے۔ اور کان خلقہ القرآن (مجمع البحار جلد ۱ صـ۳۷) کی اس شہادت کو جو آپکی سب سے زیادہ محرم راز (حضرت عائشہؓ) کی شہادت ہے۔ نظر انداز کیا جاتا ہے ۔

نسخ کا مسئلہ ایجاد کرکے اور قرآن کریم جیسی کامل کتاب میں اپنے دل سے اختلاف نکالکر اسکی بہت سی آیات کو بلا شارع کی نص کے منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک فکر کرنیوالے آدمی کے لئے اس کی کوئی آیت بھی قابل عمل اور قابل اعتبار باقی نہیں چھوڑی جاتی۔ ایک وفات یافتہ موسوی نبی کو واپس لاکر اُمت محمدیہ کی ناقابلیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیکسی کا اظہار کیا جاتا ہے ۔

یہ تو عقائد کا حال ہے۔ اعمال کی حالت بھی کچھ کم قابل افسوس نہیں۔ پچھتر (۷۵) فی صدی نماز روزہ کے تارک ہیں۔ زکوٰۃ اول تو لوگ دیتے نہیں۔ اور جو دیتے ہیں۔ ان میں سے جو اپنی خوشی سے دیتے ہوں۔ وہ شائد سو میں سے دو نکلیں۔ حج جن پر فرض ہے۔ وہ اس کا نام نہیں لیتے اور جن کے لئے نہ صرف یہ کہ فرض نہیں۔ بلکہ بعض حالات میں ناجائز ہے۔ وہ اپنی رسوائی اور اسلام

کی بدنامی کرتے ہوئے حج کے لئے جا پہنچتے ہیں۔ اور جو تھوڑے بہت لوگ ان اعمال کو بجالاتے ہیں وہ اس طرح بجالاتے ہیں کہ بجائے ان احکام کی اصل غرض کے پورا ہونیکے ان کے لئے تو شائد وہ احکام موجب لعنت ہوتے ہونگے۔ دوسروں کے لئے بھی باعث ذلّت ہوتے ہیں۔ نماز کا ترجمہ تو عربی بولنے والے ملکوں کے سوا شائد ہی کوئی جانتا ہو۔ مگر وہ بے معنے نماز بھی جو لوگ پڑھتے ہیں۔ ایسے اس طرح جلدی سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور نماز میں اپنی زبان میں دُعا مانگنا تو کفر ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ روزہ اوّل تو لوگ رکھتے نہیں۔ اور جو لوگ رکھتے ہیں۔ تو جھوٹ اور غیبت سے بجائے موجب ثواب ہونے کے وہ انکے لئے موجب عذاب ہوتا ہے ۔

ورثہ کے احکام پس پُشت ڈالے جاتے ہیں۔ سود جس کا لینا خدا سے جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ علماء کی مدد سے ہزاروں حیلوں اور بہانوں کے ساتھ اسکی وہ تعریف بنائی گئی ہے اور اس کے لئے ایسی شرائط لگادی گئی ہیں کہ اب شائد ہی کوئی سود کی لعنت سے محفوظ ہو۔ مگر باوجود اس کے مسلمانوں کو وہ رفاہیت اور دولت حاصل نہیں۔ جو غیر اقوام کو حاصل ہے ۔

اخلاق فاضلہ جو کسی وقت مسلمان کا ورثہ اور اس کا حق سمجھے جاتے تھے۔ اب مسلمانوں سے اس قدر دُور ہیں۔ جس قدر کفر اسلام سے۔ کسی زمانہ میں مسلمان کا قول نہ ٹلنے والی تحریر سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کا وعدہ ایک نہ بدلنے والا قانون۔ مگر آجکل مسلمان کی بات سے زیادہ کوئی اور غیر معتبر قول نہیں ملتا۔ اور اس کے وعدہ سے زیادہ اور کوئی بے حقیقت شے نظر نہیں آتی۔ وفا بے نام ہوگئی۔ راستی کھوئی گئی۔ حقیقی جرأت مٹ گئی۔ غداری۔ جھوٹ۔ خیانت اور بزدلی اور تہوّر نے اسکی جگہ لے لی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سب دنیا دشمن ہے۔ تجارتیں تباہ ہوگئی ہیں۔ رُعب مٹ گیا ہے علم جو کسی وقت مسلمانوں کا رفیق تھا۔ اور ان کی رکاب ہاتھ سے نہ چھوڑتا تھا۔ آج ان سے کوسوں دور بھاگتا ہے ۔

صوفیاء کا حال خراب ہے۔ وہ دین کو بیچ دیتے اور قانون کو اباحت بنا لیتے ہیں۔ علماء شقاق و مخالفت پھیلانے کے علاوہ اپنے اقوال کو خدا اور رسول کے اقوال ظاہر کرکے اسلام اور مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے میں مشغول ہیں۔ امراء جو دوسری اقوام کے امراء کے مقابلہ میں کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ مگر پھر بھی اپنی تھوڑی سی پونجی اور دولت پر اس قدر مغرور

ہیں کہ دین سے ان کا کوئی سروکار ہی نہیں۔ دینی کاموں میں حصہ لینا تو درکنار۔ ان کے دلوں میں دین کا ادب تک باقی نہیں رہا۔ یورپ کے اُمراء میں مسیحیت کے مبلغ مل سکتے ہیں۔ مگر مسلمان اُمراء میں دین کے ابتدائی مسائل جاننے والے بھی بہت کم ملینگے۔ حکام کا یہ حال ہے۔ کہ رشوت ستانی اور ظلم ان کا شیوہ ہے۔ وہ حکومت کو خدمت کا ایک ذریعہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ خدائی کا کوئی جزو خیال کرتے ہیں بادشاہ اپنی عیاشی میں مست ہیں اور وزراء غداری اور خیانت میں۔ عوام الناس وحشیوں سے بدتر ہو رہے ہیں۔ اور لاکھوں ہیں۔ جو ترجمہ جاننا تو الگ رہا کلمہ توحید اور کلمہ رسالت کے الفاظ تک منہ سے ادا نہیں کر سکتے۔ وہ اسلام جو ایک اژدہا کی طرح دیگر ادیان کو کھا تا جا رہا تھا۔ آج مُردہ کیطرح پڑا ہے۔ اور کُتے اور چیلیں اسکی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ اپنے کاموں اور اپنی ضروریات کے لئے سب کو روپیہ مل جاتا ہے۔ مگر دین کی ضروریات اور اس کی اشاعت کے لئے ایک پیسہ نکالنا دوبھر ہے۔ بیہودہ بکواس اور لطیفہ گوئیوں اور دوستوں کی مجالس مقرر کرنے کے لئے کافی وقت ہے۔ مگر خدا کا کلام پڑھنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے ایک منٹ کی فرصت نہیں۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو نماز نہ پڑھنے والے کو نہیں۔ بلکہ جماعت میں نہ شریک ہونے والے کو نہیں۔ بلکہ صرف عشاء اور صبح کی جماعت میں شریک نہ ہونیوالے کو منافق قرار دیتے ہیں۔ اور باوجود رحم مجسم ہونے کے فرماتے ہیں۔ کہ والّذی نفسی بیدہ لقد ھممت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصّلوٰۃ فیؤذّن لھا۔ ثمّ آمر رجلاً فیؤم النّاس ثم اخالف الی رجالٍ فاحرّق علیھم بیوتھم (تجرید البخاری جلد ا صفحہ ۷۷) مجھے اسی خدا کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ لکڑیاں اکٹھی کروں۔ پھر نماز کے لئے اذان کا حکم دوں۔ پھر اپنی جگہ کسی اور کو امام مقرر کروں۔ پھر ان لوگوں کے گھروں پر جا کر جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ ان کو مع مکانوں کو جلا دوں۔ لیکن آج مسجد میں قدم رکھنا تو بڑی بات ہے۔ عیدین کے سوا کروڑوں مسلمانوں کو نماز ہی کی فرصت نہیں ملتی۔ اور ان میں سے بھی بہت سے ایسے ہیں۔ کہ جو بلا شروط نماز کے پورا کرنے کے محض دکھاوے کے لئے نماز شروع کر دیتے ہیں۔ اور وضو کے مسائل تک سے بھی واقف نہیں ہوتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام آج لاوارث ہو رہا ہے۔ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی وارث ہے اور

اس کا کوئی وارث نہیں۔ بالفاظ امام الزمان مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام اسکی حالت ان دنوں یہ ہے:۔

مے سزد گر خوں ببارد دیدۂ ہر اہل دیں
بر پریشاں حالیٔ اسلام و قحط المسلمیں

دینِ حق را گردش آمد صعبناک و سہمگیں
سخت شورے او فتاد اندر جہاں از کفر و کیں

آنکہ نفس اوست از ہر خیر و خوبی بے نصیب
مے تراشد عیبہا در ذاتِ خیر المرسلیں

آنکہ در زندانِ ناپاکی ست محبوس و اسیر
ہست در شانِ امامِ پاکبازاں نکتہ چیں

تیر بر معصوم مے بارد خبیثِ بد گہر
آسماں را مے سزد گر سنگ بارد بر زمیں

پیش چشمانِ شما اسلام در خاک اوفتاد
چیست عذرے پیش حق اے مجمع متنعمیں

ہر طرف کفر ست جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں

مردمِ ذی مقدرت مشغول عشرتہائے خویش
خورم و خنداں نشستہ با بتانِ نازنیں

عالماں را روز و شب باہم فساد از جوشِ نفس
زاہداں غافل سراسر از ضرورتہائے دیں

ہر کسے از بہر نفسِ دُونِ خود طرفے گرفت
طرفِ دیں خالی شد و ہر دشمنے جست از کمیں

ایں زمانے آنچناں آمد کہ ہر ابن الجہول
از سفاہت میکند تکذیبِ ایں دینِ متیں

صد ہزاراں ابلہاں از دیں بروں بُردند رخت
صد ہزاراں جاہلاں گشتند صید الماکریں

بر مُسلماناں ہمہ ادبار زیں رہ اوفتاد
کز پئے دیں ہمت شاں نیست با غیرت قریں

گر بگردد عالمے از راہِ دینِ مصطفےٰ
از رہِ غیرت نمے جنبد ہم مثلِ جنیں

فکرِ ایشاں غرق ہر دم در رہِ دنیائے دُوں
مالِ ایشاں غارت اندر راہ نسوان و بنیں

ہر کجا در مجلسے فسق است ایشاں صدر شاں
ہر کجا ہست از معاصی حلقۂ ایشاں نگیں

یا خراباتِ آشنا بیگانہ از کوئے ہُدیٰ
نفرت از اربابِ دیں بائے پرستاں ہمنشیں

ایں دو فکرِ دینِ احمدؐ مغزِ جانِ ما گداخت
کثرتِ اعدائے ملت قلتِ انصارِ دیں

اے خُدا زود آ و برما آبِ نصرت ہا ببار
یا مرا بردار یا رب زیں مقامِ آتشیں

اے خُدا نُورِ ہُدیٰ از مشرقِ رحمت برآر
گمرہاں را چشم کُن روشن ز آیاتِ مبیں

چوں مرا بخشیدۂ صدق اندریں سوز و گداز
نیست اُمیدم کہ ناکامم بمیرانی دریں

کاروبارِ صادقاں ہرگز نماند ناتمام　　صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں

غرض زمانہ کی حالت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اسوقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصلح آنا چاہیئے۔ اور وہ بھی بہت بڑی شان کا۔ جو اسلام کو اپنے قدموں پر کھڑا کرے۔ اور کفر کا دلائل قاطعہ سے مقابلہ کرے۔ اور براہین کی تلوار سے اس کو کاٹے۔ اور چونکہ اس صدی کے سر پر تمام دُنیا میں سے صرف ایک ہی شخص نے اسلام کی حمایت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جانے کا دعویٰ کیا ہے۔ یعنی بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے۔ اس لئے ہر دانا اور عقلمند کا کام ہے کہ انکے دعویٰ پر غور کرے۔ اور اس کو سرسری نظر سے دیکھ کر منہ نہ پھیرے۔ ورنہ اسے ایک قدیم قانونِ الٰہی کا منکر ہونا پڑے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنی غفلت کا جوابدہ ہونا ہوگا ❊

اے امیر ایدک اللہ بنصرہ العزیز۔ بعض لوگ اس جگہ پر یہ شبہ پیدا کیا کرتے ہیں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کامل وجود تھے۔ اس لئے آپکے بعد اب کسی مصلح اور رہنما کی ضرورت نہیں اب قرآن کریم ہی مصلح ہے۔ اور اسکی قوتِ قدسیہ ہی رہنما ہے۔ یہ خیال ان لوگوں کا بظاہر تو نہایت خوبصورت نظر آتا ہے۔ مگر اسپر غور کیا جائے تو قرآن کریم اور حدیث اور عقل اور مشاہدات کے صریح خلاف معلوم ہوتا ہے قرآن اور حدیث کے اسلئے کہ ان میں صاف طور پر آیندہ زمانوں میں مجددین اور مامورین کی بعثت کی خبر دی گئی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مجدد کا مبعوث ہونا یا مامور کا کھڑا کیا جانا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ہونے کے خلاف ہوتا۔ تو آپ جو سب نبیوں کا سردار بنانے والا خدا اور کمال تک پہنچانے والا آقا خود ہی کیوں آیندہ زمانہ میں مجددین اور مامورین کی بعثت کا وعدہ دیتا۔ کیا وہ اپنے کام کو آپ توڑتا اور اپنے قول کو آپ رد کرتا؟ اور پھر کیوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیندہ زمانہ میں مجددین اور مامورین کی آمد کی اطلاع دیتے؟ کیا آپکے کمال سے آپ کی نسبت ہم زیادہ واقف ہیں کہ آپ تو اپنے بعد بہت سے مجددین کی خبر دیں اور بعض مامورین کی آمد کی اطلاع دیں لیکن ہم اسے آپ کی شان کے خلاف سمجھیں ❊

اور یہ خیال عقل کے اس لئے خلاف ہے کہ عقل ہمیں بتاتی ہے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مجدد یا مامور نے نہیں آنا تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کی حالت کبھی بھی خراب نہ ہوتی۔ اور وہ ہمیشہ نیکی اور تقویٰ پر قائم رہتے۔ لیکن واقعات اس کے صریح خلاف ہیں عقل

اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ کہ مسلمانوں میں خرابی تو رونما ہو۔ اور اُنکی حالت بد سے بدتر ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصلح نہ آئے۔ اگر اسلام سے اسی قسم کا سلوک ہونا ہے تو یہ اس بات کی علامت نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کامل وجود ہیں بلکہ اس امر کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اگر آیندہ مجددین اور مامورین کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہو۔ تو اسکی ظاہری علامت یہ ہونی چاہیئے تھی۔ کہ مسلمان گمراہی اور ضلالت سے بالکل محفوظ ہو جاتے اور آج بھی ان کو ہم ویسا ہی دیکھتے۔ جیسا کہ صحابہ کے وقت میں لیکن جب روحانی تنزل موجود ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ رُوحانی ترقی کے سامان بھی موجود ہوں ❊

دوم یہ کہ اگر بوجہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ہونے کے اب آپکے مظاہر نہیں آسکتے۔ تو اللہ تعالیٰ جو تمام کمالات کا سرچشمہ ہے۔ اور حیّ و قیوم ہے۔ اس کے مظاہر دنیا میں کیوں آتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو چیز آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے اسے یاد دلانے کے لئے اور اس کا اثر دلوں پر ثابت کرنے کے لئے مظاہر کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ہونے کے باوجود آپ کے بعد آپ کے مظاہر اور بروزوں کی ضرورت ہے۔ جو لوگوں کو آپؐ کی یاد دلائیں۔ اور آپ کے نمونہ کو قائم کریں ❊

مشاہدے کے یہ امر اس لئے خلاف ہے کہ ہمیں اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گذرا ہے بیسیوں ایسے آدمی نظر آتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف تھے۔ اور جنھوں نے دعویٰ کیا کہ وہ تجدید دین کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور یہ لوگ ہمیں اسلام کا اعلیٰ نمونہ نظر آتے ہیں۔ اور اسلام کی اشاعت اور اسکے قیام میں ان لوگوں کا بڑا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضرت جنیدؒ بغدادیؒ۔ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ۔ شیخ شہاب الدین صاحب سہروردیؒ۔ حضرت بہاؤالدین صاحب نقشبندؒ۔ محی الدین صاحب ابن عربی۔ خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ۔ شیخ احمد صاحب سرہندیؒ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ وغیرہم رحمہم اللہ اجمعین۔ پس ایسے لوگوں کے وجود اور انکے کام کو دیکھتے ہوئے ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ حق یہی ہے کہ آپ کے بعد بھی مصلح آسکتے ہیں۔ اور آتے رہے ہیں۔ اور آتے رہینگے

اور اس وقت حالات زمانہ ایک بہت بڑے مصلح کی خبر دے رہے ہیں۔ اور چونکہ اس قسم کے مصلح ہونے کے مدعی حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ہی ہیں۔ اس لئے یہ امر انکے صدق دعویٰ کی ایک بہت بڑی دلیل ہے +

دوسری دلیل

شہادت سرور انبیاءؑ

پہلی دلیل سے تو یہ ثابت ہوتا تھا۔ کہ یہ زمانہ ایک مصلح کو چاہتا ہے۔ اور چونکہ اور کوئی مدعی اسلام کی شوکت کے اظہار کا نہیں ہے۔ اس لئے حضرت اقدس مرزا صاحب کے دعویٰ پر غور کرنے پر ہم مجبور ہیں لیکن چونکہ حضرت اقدس مرزا صاحب کا دعویٰ صرف ایک مصلح ہونے کا نہیں ہے بلکہ آپ کا دعویٰ موعود مصلح ہونے کا ہے۔ یعنی آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ مسیح موعود اور مہدی مسعود ہیں۔ اس لئے اس دعویٰ کی تائید مزید کے لئے میں ایک اور شہادت پیش کرتا ہوں۔ اور یہ شہادت سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اور بنی نوع انسان میں سے آپکی شہادت سے زیادہ اور کس کی شہادت قابل قبول ہو سکتی ہے +

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ اسلامی زمانہ سے شروع نہیں ہوا بلکہ یہ عقیدہ امت موسویہ میں سینکڑوں سال بعثت محمدیہ سے پہلے کا رائج ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسلام نے اس عقیدہ کے ساتھ بعض ایسے اُمور کو منضم کر دیا ہے۔ کہ جنکی وجہ سے یہ عقیدہ اسلام کے اہم عقائد میں شامل ہو گیا ہے۔ اور وہ باتیں یہ ہیں :-

۱۔ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ایک مہدی کے آنے کی خبر دی گئی ہے جیسے گو دوسری احادیث میں لا المہدی الا عیسیٰ کہہ کر مسیح موعود کا ہی وجود قرار دیدیا گیا ہے۔ مگر اس پیشگوئی کی وجہ سے مسلمانوں کو مسیح کے وجود سے ایسی قومی وابستگی ہو گئی ہے جیسے کہ ایک اپنے ہم ملت بزرگ سے ہونی چاہیئے +

۲۔ مسیح کی آمد کو اسلام کی ترقی کا ایک نیا دور قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کی آمد کے وقت تک

دیگر ادیان پر غلبۂ اسلام کو ملتوی کیا گیا ہے +

۳- مسیح اور مہدی کو ایک قرار دیکر مسیح کی آمد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد قرار دیا گیا ہی اور اس کے دیکھنے والے کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ۔ اور اس طرح عاشقان رسالت مآب کے دل میں مسیح کا ولولہ انگیز شوق پیدا کر دیا گیا ہے +

۴- ایک خطرناک اور پُر آشوب زمانہ جسکی خبر نہایت منذر الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اور جو اپنے ہیبت ناک اثرات سے اسلام کی جڑوں کو ہلا دینے والا ثابت ہونے والا تھا۔ اسکی آفات کا ازالہ اور آیندہ ہمیشہ کے لئے اسلام کے محفوظ کر دینے کا کام مسیح موعود کے سپرد دیا گیا تھا۔ پس مسیح موعود کا انتظار مسلمانوں کو اسی طرح لگ رہا تھا۔ جیسا کہ ایک رحمت کے فرشتے کا ہونا چاہیئے +

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یہ الفاظ کہ کیف تھلک امۃ انا فی اولھا والمسیح فی اٰخرھا (دیکھا ابن ماجہ باب الاعتصام بالسنۃ) وہ اُمت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے جس کے شروع میں مَیں ہوں۔ اور آخر میں مسیح ہو گا۔ ہی خواہان اسلام کو مسیح علیہ السلام کی آمد کے لئے بے تاب کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ اسکی آمد کے بعد اسلام چاروں طرف سے مضبوط دیواروں میں گھر کر شیطان کے حملوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گا +

ان چاروں باتوں نے بلکہ مسیح کی آمد کے مسئلہ کو مسلمانوں کے لئے ایک اُصولی سوال بنا دیا تھا۔ اور ممکن نہ تھا۔ کہ ایسا زمانہ جو ایک طرف تو عاشقانِ رسالت مآبؐ کو اپنے محبوبؐ کے روبرو کرنے والا تھا۔ خواہ ظلیت اور مماثلت کے پردہ ہی میں سہی۔ اور دوسری طرف اسلام کو محشر انگیز صدمات سے نکالکر حفاظت اور امن کے مقام پر کھڑا کرنے والا تھا۔ بلا کافی پتہ اور نشان دہی کے چھوڑ دیا جاتا +

یہ تو نہ کبھی ہُوا ہے نہ ہو سکتا ہے کہ ماموروں اور مُرسلوں کے زمانے اور انکی ذات کیطرف ایسے الفاظ میں رہنمائی کی جائے۔ کہ گویا متلاشی کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دیدیا جائے کیونکہ اگر اس طرح کیا جاتا۔ تو ایمان بے فائدہ ہو جاتا۔ اور کافر و مومن کی تمیز مٹ جاتی۔ ہمیشہ ایسے ہی

الفاظ میں ماموروں کی خبر دی جاتی ہے۔ جن سے ایمان اور شوق رکھنے والے ہدایت پا لیتے ہیں اور شریر اپنی ضد اور ہٹ کے لئے کوئی آڑ اور بہانہ تلاش کر لیتے ہیں۔ چڑھے ہوئے سورج کا کون انکار کر سکتا ہے؟ مگر اس پر ایمان لانے کا ثواب اور اجر بھی کون دیتا ہے؟ پس ایک حد تک رہنمائی اور ایک حد تک اخفاء ضرور کیا جاتا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیئے ✣

مسیح موعودؑ کے زمانہ کی خبروں میں بھی اسی اصل کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اسکے زمانے کی خبریں ایسے ہی الفاظ میں دی گئی ہیں۔ جس قسم کے الفاظ میں تمام گذشتہ انبیاءؑ کے متعلق خبریں دی جاتی رہی ہیں۔ مگر پھر بھی ایک سچے متلاشی اور اہل بصیرت کیلئے وہ ایک روشن نشان سے کم نہیں۔ وہ جس نے کسی ایک نبی کو بدلائل مانا ہو۔ اور صرف نسلی ایمان پر کفایت کئے نہ بیٹھا ہو۔ اسکے لئے ان نشانات سے فائدہ اُٹھانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ مگر وہ لوگ جو گو بظاہر سینکڑوں رسولوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن درحقیقت ایک رسول کو بھی انھوں نے اپنی تحقیق سے نہیں مانا۔ ان کے لئے کسی راستباز کا ماننا خواہ وہ کس قدر ہی نشان اپنے ساتھ کیوں نہ رکھتا ہو۔ نہایت مشکل ہے۔ ان لوگوں کا اپنا ایمان درحقیقت کوئی وجود نہیں رکھتا۔ ان کا ایمان وہی ہوتا ہے جو انکے علما یا مولوی کہدیں یا جو باپ دادا کی روایات ان کے کانوں تک پہنچی ہوں پس چونکہ انھوں نے کسی ایک رسول کو بھی اس کی اپنی شکل میں نہیں دیکھا ہوتا۔ رسول کا پہچاننا ان کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ اور اسی وقت یہ کسی رسول کو دیکھ سکتے ہیں۔ جبکہ پہلے اپنی نظر کی اصلاح آسمانی ہدایت کے سُرمہ سے کرلیں۔ اور انسانی اقوال اور رسوم کی تقلید کے خمار کو اپنے سر سے دُور کر دیں ✣

اس مختصر تمہید کے بعد میں ان نشانات کو بیان کرتا ہوں۔ جو مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ میرے نزدیک اگر کوئی ان نشانات پر بے تعصبی سے غور کرے گا۔ تو اسکے لئے مسیح موعود کے زمانے کی تعیین کر لینا ذرا بھی مشکل نہ ہوگا۔ مگر پیشتر اسکے کہ ان نشانات پر غور کیا جائے۔ اس امر کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ کہ اُمت اسلامیہ کے اندر تفرقہ رونما ہونے کے زمانے میں بہت سے لوگوں نے اپنے مقاصد کے حصول کی غرض سے جھوٹی احادیث بھی بہت سی بنا کر شائع کر دی ہیں۔ جن سے انکی غرض یہ ہے کہ کسی طرح ہمارا فرقہ سچا

ثابت ہو جائے۔ مثلاً بہت سی احادیث ایسی ملینگی جن میں مہدی کے زمانہ کی خبر دی گئی ہے مگر
اس کے الفاظ اس قسم کے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمانہ ماضی کے کسی اختلاف کا فیصلہ
اپنے حق میں کرانا ان سے مقصود ہے۔ ایسی روایات میں سے گو بعض سچی بھی ہوں مگر پھر بھی انکے
متعلق محقق کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور کم سے کم ان احادیث کی تائید یا تردید پر اسکے
دعویٰ کی بنیاد نہیں ہونی چاہیئے۔ مثلاً بہت سی احادیث بنو عباس کے زمانہ کی اس قسم کی ملتی ہیں
جن میں بظاہر تو مہدی کے زمانہ کی علامات بتائی گئی ہیں۔ مگر درحقیقت بتایا یہ گیا ہے کہ عباسیوں
کی تائید میں خراسان میں جو بغاوتیں ہوئی تھیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔ اور اسکی مرضی کے
مطابق تھیں۔ ان احادیث کا بطلان واقعات نے آپ ہی ثابت کر دیا ہے۔ اس زمانہ پر ایک ہزار سال
سے زائد گذر گئے۔ مگر ان علامات کے بموجب کوئی مہدی ظاہر نہ ہوا۔ اسی طرح اور بہت سی روایات
ہیں جنمیں علامات مہدی کو پچھلے واقعات کے ساتھ اس طرح خلط کر کے بیان کیا گیا ہے کہ جبتک
ان واقعات کو جو بطور علامات مہدی بیان کئے گئے ہیں لیکن ہیں زمانہ گذشتہ کے۔ الگ نہ کر دیا جائے
تو حقیقت حال پر آگاہی نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے جو تاریخ اسلام سے ناواقف تھے۔ ان احادیث
سے بہت دھوکا کھایا ہے۔ اور آئندہ زمانہ میں بعض ایسے امور کے وقوع کے منتظر رہے ہیں۔ جو ان
احادیث کے بنائے جانے سے بھی پہلے واقع ہو چکے ہیں۔ اور ان کو علامات مہدی میں شامل کرنے
کی وجہ صرف اپنے اپنے فرقوں کی سچائی ثابت کرنا تھی۔ پس علامات مہدی پر غور کرتے ہوئے ہمارے
لئے ضروری ہے کہ ان علامات کو الگ کر لیں۔ جو کسی واقع کیطرف اشارہ نہیں کرتیں۔ تا کہ اس گڑھے
میں گرنے سے بچ جاویں۔ جو بعض خود غرض لوگوں نے اپنی اغراض کو پورا کرنے کیلئے کھودا تھا +

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں اور درود ہوں۔ آپنے مسیح موعود
اور مہدی کی علامات بیان کرتے وقت ایک ایسے طریق کو مدنظر رکھا ہے کہ جس کو یاد رکھتے ہوئے
انسان بڑی آسانی سے دھوکا دینے والے کے دھوکے سے بچ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ نے مسیح
مہدی کے زمانے کے متعلق جو علامات بتائی ہیں۔ ان کو ایک زنجیر کے طور پر بیان کیا ہے جسکی
وجہ سے ملاوٹ کرنے والے کی ملاوٹ کا پورا پتہ لگ جاتا ہے۔ اگر آپ اس قسم کی مثلاً علامت بتاتے
کہ اس کا یہ نام ہوگا۔ اور فلاں نام اس کے باپ کا ہوگا۔ تو بہت سے لوگ اس نام کے دعوے

کرنے کے لئے تیار ہو جاتے پس آپ نے جہاں اس قسم کی علامتوں کے بیان کرنے کے جن کا پورا کرنا انسانوں کے اختیار میں ہے۔ اس قسم کی علامتیں بیان فرمائی ہیں جن کا پورا کرنا نہ صرف یہ کہ انسانوں کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ وہ سینکڑوں سال کے تغیرات کے بغیر ہو ہی نہیں سکتیں پس کوئی انسان بلکہ انسانوں کی ایک جماعت نسلاً بعد نسلٍ کوشش کر کے بھی ان حالات کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی دوسری بات علامات مہدی کے بیان کرنے میں یہ مدنظر رکھی گئی ہے کہ بعض علامتیں ان میں ایسی بیان کردی گئی ہیں کہ جنکی نسبت بیان فرما دیا گیا ہے۔ کہ یہ علامات سوائے مہدی کے زمانہ کے اور کسی وقت اسکی آمد سے پہلے ظاہر نہ ہونگی پس ان اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جب وہ زمانہ ہمیں معلوم ہو جائے جس کے ساتھ مسیح موعود اور مہدی کا کام متعلق ہے۔ اور جب وہ علامات پوری ہو جائیں۔ جنکی نسبت بتایا گیا ہے کہ سوائے مہدی کے زمانے کے کسی وقت ان کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ اور جب زمین و آسمان کے بہت سے تغیرات جن کا پیدا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں اور وہ بطور علامات مہدی کے بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہو جائیں۔ تو اس وقت کو مہدی و مسیح کا زمانہ سمجھ لینے میں ہمارے لئے کوئی بھی مشکل نہیں۔ اسوقت اگر بعض علامات ایسی معلوم ہوں۔ جو اسوقت تک پوری نہیں ہوئیں۔ تو ہمیں دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کرنا ہوگا۔ یا یہ کہ وہ علامات جو پوری نہیں ہوئیں۔ علامات مہدی تھی ہی نہیں۔ بلکہ بعض بے رحم لوگوں کی دست اندازی کے سبب سے ان کو علامات مہدی میں شامل کر دیا گیا تھا یا یہ کہ ان کے معنے سمجھنے میں ہم سے غلطی ہو گئی ہے۔ درحقیقت وہ تعبیر طلب تھیں ؎

اس کے بعد میں یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ ان پر ایک ادنیٰ تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ فرداً فرداً مسیح و مہدی کے زمانہ کی علامتیں نہیں ہیں۔ بلکہ تمام مل کر ایک کامل اور ذوالوجوہ علامت بنتی ہیں۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ مہدی کی ایک علامت یہ ہے کہ اسکے زمانے میں امانت اُٹھ جائیگی۔ یا یہ کہ اسوقت جہالت ترقی کر جائیگی۔ اب اگر ان علامات کو مستقل علامتیں قرار دیا جائے۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ جب امانت دنیا سے اُٹھ جائے۔ اس وقت مہدی کو ضرور ظاہر ہو جانا چاہیئے۔ یا علم کے اُٹھ جانے پر مہدی کو ضرور ظاہر ہو جانا چاہیئے۔ حالانکہ

اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں پر کئی اُتار چڑھاؤ کے زمانے آئے ہیں۔ کبھی ان میں سے علم اُٹھ گیا۔ کبھی امانت۔ لیکن مہدی ظاہر نہیں ہُوا۔ پس معلوم ہُوا کہ یہ علامتیں مستقل علامتیں نہیں ہیں۔ بلکہ سب وہ علامتیں ملکر جنہیں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالٰے سے خبر پاکر بیان فرمایا ہے۔ نہ کہ بعض لوگوں نے اپنے دل سے بناکر انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ مہدی موعود کے زمانے کی علامتیں ہیں۔ ایک ایک علامت اور زمانوں میں پائی جا سکتی ہے۔ مگر متعدد علامتیں ملکر مہدی کے زمانے کے سوا اور کسی زمانے میں نہیں پائی جا سکتیں +

کسی زمانے کے پہچاننے کا بھی وہی طریق ہے۔ جو کسی ایک آدمی کے پہچاننے کا طریق ہے جب کسی ایسے شخص کا پتہ ہم نے کسی کو دینا ہو جسکو اس نے پہلے نہیں دیکھا۔ اور جس کا وہ واقف نہیں۔ تو اس کا یہی طریق ہے۔ کہ ہم اس کی شکل اور اسکے قد اور اس کے رنگ اس کی عادات اور اسکے کمالات اور اس کے متعلقین کے نشانات اور اس کے گھر کا نقشہ وغیرہ بتا دیتے ہیں۔ مثلاً یہ بتا دیں کہ اس کا قد لمبا ہے۔ اور رنگ سفید ہے۔ اور جسم نہ دُبلا ہے نہ موٹا اور ماتھا چکلا ہے۔ اور ناک بالا ہے۔ اور آنکھیں موٹی موٹی ہیں۔ اور ہونٹ موٹے ہیں۔ اور ٹھوڑی بڑی ہے۔ اور وہ عربی کا مثلاً عالم ہے۔ اور مسلمانوں میں سے ہے۔ اور اس کی قوم کے لوگ مثلاً اس کے دشمن ہیں۔ اور اس کے اخلاق نہایت اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اس کا گھر اس اس شکل کا ہے۔ اور اس کے اردگرد کے گھر اس اس شکل کے ہیں۔ تو اس قدر علامات بتاکر اگر ہم کسی شخص کو کسی گاؤں میں بھیجیں۔ تو اس شخص کا پہچان لینا اور باوجود لوگوں کے دھوکا دینے کے اس کا دھوکا نہ کھانا بالکل سہل امر ہے۔ اگر کوئی خاص زمانہ بتانا ہو تو اس کے پہچنوانے کا بھی یہی طریق ہے۔ کہ اس زمانہ میں مثلاً آسمانی کُرّوں کی کیفیت اور ان کا مقام بتا دیا جائے۔ زمین کے اندر جو تغیرات اسوقت ہونے ہوں۔ وہ بتائے جاویں۔ اسوقت کے جو سیاسی حالات ہوں وہ بتا دیئے جاویں۔ اسوقت کی تمدنی حالت بتا دی جاوے۔ اسوقت کی مذہبی حالت بتا دی جائے۔ اسوقت کی علمی حالت بتا دی جائے۔ اسوقت کی عملی حالت بتا دی جائے۔ اخلاقی حالت بتا دی جائے۔ اسوقت کے تعلقات مابین الاقوام بتا دیئے جاویں۔ اسوقت کے ترفہ یا اسوقت کی غربت کی حالت بتا دی جائے اور اس زمانہ کے میل ملاپ کے طریق اور

سفر کے ذرائع پر روشنی ڈالدی جائے۔ اگر ان حالات کو بیان کر دیا جائے۔ اور پھر ایک شخص جس کو پہلے سے اس زمانے کے حالات بتادئے گئے ہیں۔ اس زمانہ کو پالے۔ تو یقیناً وہ اس زمانہ کو دیکھتے ہی پہچان لے گا۔ اور اس کا پہچاننا اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہ ہوگا۔ بلکہ یہ شناخت کا طریق ایسا ہوگا کہ اس میں شبہ کی گنجایش ہی نہ رہے گی +

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود اور مہدی کی شناخت کے لئے اس کے زمانہ کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ تاکہ اسلامی فرقوں کے اختلاف کے وقت لوگ ایسی روایات نہ بنالیں جن کی وجہ سے مسیح موعود اور مہدی مسعود کا پہچاننا مشکل ہو جائے چنانچہ گو لوگوں نے جھوٹی علامتیں تو بنائی ہیں۔ مگر وہ اس نقشہ پر جو کچھ بھی تصرف نہیں رکھتے تھے۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ اس لئے اُن کی کوششیں بالکل رائگان گئی ہیں۔ اور اب بھی جو شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نقشہ پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالے تو اس کی زبان سے بے اختیار نکل جائے گا کہ یہی زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہے +

مسیح موعود کے زمانے کے مذہبی حالات۔ اب میں ایک ایک سلسلہ علامات کو لیکر بعض بعض علامات بیان کرتا ہوں۔ جن سے معلوم ہوگا۔ کہ اس زمانہ کے سوا مسیح کا نزول اور کسی زمانہ میں نہیں ہو سکتا۔ اور ان سلسلوں میں سے سب سے پہلے مسیح موعود کے زمانے کے مذہبی حالات کو لیتا ہوں +

مذہبی حالت کسی زمانہ کی دو طرح بیان کی جا سکتی ہے۔ ایک تو اس وقت کے مذاہب کے ظاہری اعداد و شمار سے اور ایک اسوقت کے لوگوں پر مذاہب کا جو اثر ہو اُسے بیان کرکے۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے زمانہ کی ان دونوں حالتوں کو بیان فرمادیا ہے +

میں ان دونوں حالتوں میں سے پہلے مذاہب کے ظاہری نقشہ کو لیتا ہوں کیونکہ یہ زیادہ ظاہر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔ کہ اسوقت مسیحیت کا بہت زور ہوگا۔ چنانچہ مسلم میں روایت ہے کہ قیامت اسوقت آئیگی۔ جبکہ اکثر اہل ارض روم ہونگے[۱] اور جیسا کہ علمائے اسلام کا اتفاق ہے۔ روم سے مراد نصاریٰ ہیں۔

[۱] مسلم جلد ۲ کتاب الفتن

کیونکہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں رُومی ہی نصرانیت کے نشان کے حامل اور اسکی ترقی کی ظاہری علامت تھے۔ یہ پیشگوئی اس امر کو مدنظر رکھ کر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ و اذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ۔ (ترمذی ابواب الفتن) نہایت عظیم الشان نظر آتی ہے۔ کیونکہ رومی حکومت کے اس قدر استیصال کے بعد کہ قیصر کا نام و نشان مٹ جائے۔ پھر نصاریٰ کا غلبہ ایک حیرت میں ڈال دینے والی خبر تھی۔ مگر خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں۔ قیصر کی حکومت مطابق اخبار نبویہ کے مٹ گئی۔ اور ایک عرصہ کے بعد خالی خطاب قیصر کا جو قسطنطنیہ کے بادشاہ کو حاصل تھا فتح قسطنطنیہ پر وہ بھی مٹ گیا اور اسلام دنیا کے چاروں کونوں میں پھیل گیا۔ مگر دسویں صدی ہجری سے فیج اعوج کا زمانہ پھر شروع ہو گیا۔ اور آہستہ آہستہ مسیحیت نے ان ممالک سے ترقی کرنی شروع کی۔ جہاں کہ اسوقت جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحیت کی دوبارہ ترقی کی خبر دی تھی۔ مسیحیت کا نام تک بھی نہ پایا جاتا تھا۔ اور ایک سو سال کے عرصے سے تو کُل روئے زمین پر مسیحی حکومتیں اس طرح مستولی ہیں۔ کہ اہل الارض الروم کی خبر کے پُورا ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا +

اس پیشگوئی کو یہ اہمیت حاصل ہے۔ کہ بعض علماء اسلام نے اسکی نسبت لکھا ہے کہ یہ علامت سب علامات کے پُورا ہونے کے بعد ہو گی۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب حجج الکرامہ میں بحوالہ رسالہ حشریہ لکھتے ہیں۔ چوں جملہ علامات حاصل شود۔ قوم نصاریٰ غلبہ کنند و بر ملک ہائے بسیار متصرف شوند۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۲) پس علاوہ دوسری علامات سے بلکہ زمانہ مسیح موعود کی طرف اشارہ کرنے کے یہ خبر اپنی ذات میں بھی بہت کچھ رہنمائی کا موجب ہے +

مسیحیت کی اس ترقی کے بالمقابل اسلام کی حالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یُوں بیان فرماتے ہیں کہ:۔ بدء الاسلام غریبًا و سیعود غریبًا فطوبیٰ للغرباء (ابن ماجہ باب بدء الاسلام غریبًا) اسلام اس زمانہ میں بہت ہی کمزور ہو گا۔ بلکہ دجال کی حدیث میں تو فرماتے ہیں کہ بہت سے مسلمان دجال کے پیرو ہو جائیں گے (ترمذی ابواب الفتن باب ما جاء فی فتنۃ الدجال)

چنانچہ اب ایسی ہی حالت ہے مسلمان اس شان وشوکت کے بعد جس نے انکو دنیا کا واحد مالک بنا رکھا تھا۔ آج ایک بیکس اور یتیم بچے کی طرح ہیں کہ بلا بعض مسیحی طاقتوں کی مدد کے ان کو اپنا وجود قائم رکھنا تک مشکل ہے۔ لاکھوں مسلمان اس وقت مسیحی ہوگئے ہیں۔ اور برابر مسیحی ہو رہے ہیں ٭

اندرونی مذہبی حالت۔ دُنیا کے مذاہب کی طاقت کے علاوہ مسیح موعود کے زمانہ میں جو انکی باطنی حالت ہونیوالی تھی۔ اسے بھی آپ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس وقت کے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھینچا ہے۔

اس وقت لوگ قدر کے مُنکر ہو جائینگے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ قدر کا انکار کرینگے اور اس انکار قدر سے مراد یقیناً مسلمانوں کا انکار ہے کیونکہ دوسری قومیں تو پہلے ہی اس مسئلہ پر ایمان نہیں رکھتی تھیں۔ یہ مرض جس زور سے مسلمانوں میں رونما ہو رہا ہے۔ اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ علوم جدیدہ کے دلدادہ مسلمان یورپ کے جاہل مصنفین کے اعتراضات سے ڈر کر صاف صاف قدر کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ مہمہ کی عظمت اور اس کے فوائد اور اس کی صداقت سے بالکل ناواقف ہو رہے ہیں ٭

دوسرا تغیر مسلمانوں میں آپ نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ لوگ زکوٰۃ کو تاوان سمجھیں گے یہ بھی حضرت علیؓ سے البزار نے نقل کیا ہے (حجج الکرامہ ۲۹۱) چنانچہ اسوقت جبکہ مسلمانوں پر چاروں طرف سے آفات نازل ہو رہی ہیں۔ اور زکوٰۃ کے علاوہ بھی جس قدر صدقات خیرات دو دیں کم ہیں۔ اکثر مسلمان زکوٰۃ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔ اسکی ادائگی سے جی چُراتے ہیں۔ اور جہاں اسلامی احکام کے ماتحت زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ وہاں تو با دلِ نخواستہ کچھ ادا بھی کر دیتے ہیں۔ مگر جہاں یہ انتظام نہیں۔ وہاں سوائے شاذ و نادر کے بہت لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اور جو اقوام زکوٰۃ دیتی بھی ہیں۔ وہ اسے نمود کا ذریعہ بنا لیتی ہیں۔ اور اس رنگ میں دیتی ہیں۔ کہ دوسرا اسے زکوٰۃ نہیں خیال کرتا۔ بلکہ قومی کاموں کے لئے چندہ سمجھتا ہے ٭

ایک تغیر مسلمانوں کی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ قوم جو ہر ایک عزیز سے عزیز شئی کو خدا اور رسول کے اشارہ پر قربان کر دیتی تھی۔ اور دنیا اس کی نظروں میں ایک جیفہ سے زیادہ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ وہ دنیا کی خاطر دین کو فروخت کریگی۔ اور یہ تغیر اس وقت ایسی کثرت سے ہو رہا ہے کہ ایک اسلام سے محبت رکھنے والے کا دل اسے دیکھ کر پگھل جاتا ہے۔ علماء اور صوفیاء اور امراء اور عوام سب دنیا کو دین پر مقدم رکھ رہے ہیں۔ اور ادنیٰ ادنیٰ دنیاوی فوائد کے لئے دین اور مفاد اسلام کو قربان کر رہے ہیں +

ایک تغیر رسول کریمؐ سے بروایت ابن عباسؓ ابن مردویہ (حجج الکرامہ ۹۲۷) نے بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں نماز ترک ہو جائیگی۔ چنانچہ یہ تغیر بھی پیدا ہو چکا ہے۔ تعداد کے لحاظ سے کُل مسلمان کہلانے والے لوگوں میں سے ایک فیصدی آدمی بمشکل پانچوں نماز کے پابند نظر آوینگے حالانکہ نماز عملی ارکان میں سے اوّل رُکن ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک اس کا تارک کافر ہے اس وقت مساجد بہت ہیں لیکن ان میں نمازی نظر نہیں آتے۔ بلکہ بہت سی مساجد میں جانور رہتے ہیں اور اُنکی بے حرمتی کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو انکی آبادی کی فکر نہیں +

ایک تغیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اسوقت لوگ نمازیں بہت جلد جلد پڑھا کرینگے۔ چنانچہ ابن مسعودؓ کی روایت سے ابو الشیخ نے اشاعۃ میں بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچاس آدمی نمازیں پڑھیں گے۔ اور ان میں سے ایک کی بھی ایک نماز بھی قبول نہ ہوگی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جلدی جلدی نمازیں پڑھینگے کیونکہ باطن کی قبولیت کسی بات کی علامت نہیں قرار دی جاسکتی۔ کیونکہ اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا اور ظاہری علامات میں سے جن سے عدم قبولیت نماز کا حال معلوم ہوتا ہے۔ سب سے ظاہر نماز کا جلد جلد پڑھنا ہی ہے۔ کہ جلد جلد نماز ادا کرنے والے کو خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نماز نہیں ہوئی۔ پھر دُہرا یہ تغیر بھی اس وقت پایا جاتا ہے۔ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ نماز کو اس قدر جلد جلد ادا کرتے ہیں کہ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مُرغ چونچیں مار رہا ہے۔ اور نماز کے بعد لمبے لمبے وظیفے پڑھتے رہتے ہیں +

ایک علامت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ بیان فرماتے ہیں کہ اسوقت قرآن اُٹھ جائے گا

اور صرف اس کا نقش باقی رہ جائیگا۔ یہ علامت بھی اسوقت پوری ہو چکی ہے۔ قرآن کریم موجود ہے مگر اسپر غور اور تدبر کوئی نہیں کرتا عجیب بات ہے کہ سوائے جماعت مسیح موعود علیہ السلام کے دنیا بھر میں قرآن کریم کہیں نہیں پڑھایا جاتا۔ اچھے اچھے مولوی فقہ اور حدیث کے ماہر قرآن کریم کا ترجمہ تک نہیں جانتے۔ اور اسپر غور اور تدبر کرنا یا اس کا ترجمہ پڑھنا حرام جانتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ چند پچھلے علماء نے جو معنے کلام الٰہی کے کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا اب کلام الٰہی میں کچھ باقی نہیں ہے۔ حالانکہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تفسیر قرآن کا دروازہ کھلا رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اب وہ بند ہو گیا ہو۔ اور اس کے معارف کی کھڑکی بند کر دی گئی ہو +

ایک علامت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری زمانہ کی نسبت بروایت ابن عباسؓ ابن مردویہ نے یہ بیان کی ہے۔ کہ اس زمانہ میں لوگ ایک طرف تو قرآن کریم سے بے توجہی کرینگے دوسری طرف اس کے ظاہری سنگار اور آرایش میں ایسے مشغول ہونگے کہ زری کے غلاف اسپر چڑھائینگے۔ یہ علامت بھی پوری ہو رہی ہے مسلمان قرآن کریم کے پڑھنے سے تو بالکل غافل ہیں۔ اور اس کو کھولکر دیکھنا حرام سمجھتے ہیں لیکن زری کے غلاف چڑھا کر قرآن کریم گھروں میں انھوں نے ضرور رکھ چھوڑے ہیں۔ اور اسکی ظاہری آرایش اس قدر کرتے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں اس قسم کی آرایش کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ وہ لوگ کیا بلحاظ تقویٰ اور کیا بلحاظ وجاہت دنیاوی کے ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر تھے +

ایک تغیر مسلمانوں کی اندرونی حالت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت لوگ مساجد کو بہت آراستہ کرینگے۔ اور یہ تغیر بھی اس وقت پایا جاتا ہے مسلمان دوسری اقوام کی نقل میں اپنی مساجد کو اس قدر آراستہ کرتے ہیں۔ اور بیل بوٹے انپر نکالتے ہیں۔ اور جھاڑ اور جھنکار ان میں لٹکاتے ہیں۔ اور خوبصورت پردے دیواروں پر لٹکاتے ہیں۔ کہ بہ نسبت سادہ اسلامی عبادت گاہ کے بالفاظ حدیث بت خانوں کے وہ زیادہ مشابہ ہیں۔ (حجج الکرامہ بروایت ابن مردویہ عن ابن عباس)

ایک تغیر اس زمانے کے متعلق آپ نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ اس وقت عرب کے لوگ دین سے بالکل دور جا پڑینگے۔ اور وہ دین جو انکے ایک آدمی پر نازل ہوا۔ اور ان کے ملک میں

اس نے تربیت پائی۔ اور ان کے ملک سے پھیلا۔ اور انکی زبان میں جس کی الہامی کتاب اتری اور اب تک اسی زبان میں پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ اسی کے سبب سے ان کی زبان زندہ ہے۔ وہ اسے چھوڑ دینگے۔ اور باوجود عربی بولنے کے دین اسلام سے بے بہرہ ہونگے۔ اور قرآن کریم ان کو نفع نہ دے گا۔ بلکہ انکے دل ویسے ہی عرفان سے خالی ہونگے جیسے کہ ان لوگوں کے جو قرآن کریم کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دیلمی نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ اس وقت لوگوں کے دل اعاجم کی طرح ہونگے۔ اور زبان عربوں کی طرح (حجج الکرامہ فی آثار القیامۃ) یعنی عربی بولینگے لیکن دین عربی کا انکے دل پر اثر نہ ہوگا۔ اس وقت یہ تغیر بھی پیدا ہے۔ عربوں کو دین سے اس قدر بُعد اور دوری ہے کہ ان لوگوں سے کم ان کو دین سے ناواقفیت نہیں ہے۔ جو قرآن کریم کو نہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ ان کو اس کا سمجھانے والا کوئی میسر ہے +

ایک تغیر عظیم مسلمانوں کی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت عرب سے مذھبی آزادی اس قدر اٹھ جائیگی۔ کہ وہاں نیک آدمی ظاہر نہیں ہو سکیں گے چنانچہ حضرت علیؓ سے دیلمی نے روایت کی ہے۔ کہ ان میں نیک لوگ پوشیدہ ہو کر پھرینگے۔ یہ تغیر بھی اس وقت عرب میں پیدا ہے۔ وہاں کے لوگوں میں مذھبی رواداری بالکل باقی نہیں رہی اپنے خیالات اور رسوم کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی جان ان سے محفوظ نہیں ہے۔ گو یہ آفت دیگر اسلامی ممالک میں بھی نمودار ہے۔ مگر عرب پر بالخصوص افسوس ہے۔ کہ وہاں فریضہ حج ادا کرنے کے لئے ہر ایک ذی مقدرت انسان کو بحکم الٰہی جانا پڑتا ہے۔ پس ان کے اس تغیر حالت سے راستی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور فریضہ حج کی ادائگی کی صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے انسان خاموشی سے اس فرض کو ادا کرکے واپس آجائے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ کاش! اللہ تعالیٰ عرب کے لوگوں کو ہدایت دے۔ اور وہ پھر اسی طرح علم الاسلام کے حامل ہوں۔ جس طرح کہ تیرہ سو۱۳۰۰ سال پہلے تھے +

دنیا کی اخلاقی حالت! مذھبی تغیرات کے بعد میں وہ علامات بتاتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ مسیح موعود کی اخلاقی حالت کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ ایک علامت

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ اس وقت فحش کثرت سے پھیل جائے گا بلکہ تفحش کثرت سے پھیل جائے گا۔ لوگ تفحش پر ناز کرینگے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ علامات قرب قیامت میں سے ایک ظہور فحش و تفحش بھی ہے۔ (حجج الکرامہ) اور اسی طرح انس ابن مالک سے مسلم میں روایت ہے کہ اشراط ساعت میں سے ایک ظہور زنا ہے۔ اور ابو ہریرہؓ سے ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔ کہ اس وقت ولدالزنا کثرت سے ہو جائیں گے۔ (حجج الکرامہ) ہر سبب قسم کا فحش ہم اسوقت دنیا میں موجود پاتے ہیں۔ علاوہ بڑی بدکاری کے ہم دیکھتے ہیں کہ یورپین تہذیب نے ایسا رنگ اختیار کر لیا ہے کہ اسلام نے جن اُمور کو فحش قرار دیا ہے۔ وہ اس کی سوسائٹی کے نزدیک تہذیب کا جُزو بن گئی ہیں۔ مثلاً غیر عورتوں کی کمروں میں ہاتھ ڈالکر ناچنا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنی۔ غیر عورتوں کو ساتھ لے کر سیروں کو جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس زمانہ سے پہلے ان باتوں کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نہ عرب میں نہ کسی اور ملک میں ہندوستان باوجود سب آثار شرک کے اس فحش سے پاک تھا۔ ایران باوجود عیش پسندی کی روایات کے اس فحش سے مُبرا تھا۔ سیحیت کا سہارا رومی قوم باوجود اخلاقاً مُردہ ہونے کے اس قسم کی ہوا و ہوس کی غلامی سے محفوظ تھی۔ اگر آج جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کا تفصیلی نقشہ پہلے لوگوں کے سامنے بیان کر دیا جاتا۔ تو وہ کبھی تسلیم نہ کرتے کہ کسی قوم کی قوم میں بایں دعوائے تہذیب یہ حرکات کی جاتی ہیں۔ اور تہذیب و شائستگی کا جُزو سمجھی جاتی ہیں۔ پہلے زمانہ میں بھی ناچ اور تماشے ہوتے تھے لیکن یہ کوئی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ کہ شریف اور تمدن کی جڑ کہلانے والے خاندانوں کی بہو بیٹیاں اس فعل کو اپنا شغل بنائینگی۔ اور یہ بات موجب فخر ہوگی۔ اور عورت کی قدر و منزلت کو بڑھا دیگی۔ اور اسکی شرافت میں کچھ نقص پیدا نہ ہونے دیگی ۔

علاوہ اس فحش کے جو عام ہے۔ بڑا فحش یعنی زنا بھی اسوقت اس کثرت سے ہے کہ اب وہ اکثر بلاد میں جن میں مسیحیت کا اثر ہے۔ بطور ایک نفسانی کمزوری کے نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ایک طبعی فعل اور روز مرہ کا شغل خیال کیا جاتا ہے۔ بیشک کنچنیاں پہلے زمانوں میں بھی ہوتی تھیں۔ مگر یہ کس کے ذہن میں آ سکتا تھا کہ کسی وقت حکومت عورتوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیکر فوجوں کے ساتھ عورتوں کو رکھے گی۔ تاکہ فوجی سپاہیوں کی ضروریات پوری ہوں۔ اور انکو

چھاؤنیوں سے باہر جانے کی تکلیف نہ ہو۔ کون یہ خیال کر سکتا تھا کہ عورت مرد کے تعلقات ایسے وسیع ہو جائینگے کہ عورت کا مرد کے گھر پڑ جانا ایک اخلاقی گناہ نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ انسانی حُرّیت کا ایک جُزو قرار دیا جائے گا۔ اور نکاح کو اسکی ذہنی غلامی کی علامت سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ آج فرانس اور امریکہ کے لاکھوں آدمیوں کا خیال ہے۔ اور یہ بات کس کے ذہن میں آ سکتی تھی کہ کسی وقت نہایت سنجیدگی سے اسپر بحثیں ہونگی۔ کہ نکاح ایک قیانوسی خیال ہے۔ ہر مرد ہر عورت سے جسے وہ پسند کرے۔ تعلق قائم کر کے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور عورت ایک قیمتی مشین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جس سے پورا کام لیکر ملک کو فائدہ پہنچانا چاہئیے جیسا کہ آجکل بعض سوشلسٹ حلقوں کا اور خصوصاً بولشویک حلقوں کا خیال ہے ۔

جب فحش کی یہ حالت ہو۔ تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ ولدالزنا کس کثرت سے ہونگے کیونکہ جب تک ملک میں زنا ایک عیب سمجھا جائے۔ لوگ ایسی اولاد پیچھے چھوڑنا پسند نہیں کرتے جسے ولدالزنا ہونے کا طعنہ دیا جائے۔ لیکن جس سوسائٹی میں زنا کے وجود سے ہی انکار ہو جائے۔ اور نکاح کو مذہب کی بے جا دست اندازی تصور کیا جائے۔ اس میں ایسی اولاد سے کیا شرم ہو سکتی ہے۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ ایسی سوسائٹی میں ایسی اولاد کے سوا دوسری اولاد مل ہی کہاں سکتی ہے۔ چنانچہ اوپر کے بیان کردہ خیالات کے لوگوں میں ایسی ہی اولادیں پیدا کی جاتی ہیں۔ اور اسے کچھ عیب نہیں سمجھا جاتا ۔

مگر ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو نکاح کو کم سے کم ایک قدیم رسم خیال کر کے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ان میں بھی ولدالزنا اولاد کی تائید میں اسوقت اس قسم کا جوش پایا جاتا ہے کہ بڑے بڑے فلاسفر ان کو ملک کے لئے ایک نعمت اور ذریعہ حفاظت قرار دے رہے ہیں۔ اور ایسی اولادوں کو والدین کا وارث بنانے کی تائید میں بڑے زور سے تحریک کر رہے ہیں۔ اور بصورت دیگر حکومت کو انہیں اپنا بچہ تصور کر کے انکی خاص غور و پرداخت کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ جب حالات یہ ہوں۔ تو اولادالزنا کی ان علاقوں میں جو کچھ کثرت ہو سکتی ہے اسکی مثال تو پہلے زمانوں میں ملنی مشکل ہے۔ یہ بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ پہلے زمانوں کے لوگ اس قسم کی حالت کا تصور بھی کر سکتے تھے ۔

اور صرف اس کا نقش باقی رہ جائیگا۔ یہ علامت بھی اسوقت پُوری ہو چکی ہے۔ قرآن کریم موجود ہے مگر اسپر غور اور تدبر کوئی نہیں کرتا عجیب بات ہے کہ سوائے جماعت مسیح موعود علیہ السلام کے دنیا بھر میں قرآن کریم کہیں نہیں پڑھایا جاتا۔ اچھے اچھے مولوی فقہ اور حدیث کے ماہر قرآن کریم کا ترجمہ تک نہیں جانتے۔ اور اسپر غور اور تدبر کرنا یا اس کا ترجمہ پڑھنا حرام جانتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ چند پچھلے علماء نے جو معنے کلام الٰہی کے کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا اب کلام الٰہی میں کچھ باقی نہیں ہے۔ حالانکہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تفسیر قرآن کا دروازہ کھلا رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اب وہ بند ہو گیا ہو۔ اور اس کے معارف کی کھڑکی بند کر دی گئی ہو ٭

ایک علامت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری زمانہ کی نسبت بروایت ابن عباسؓ ابن مردویہ نے یہ بیان کی ہے۔ کہ اس زمانہ میں لوگ ایک طرف تو قرآن کریم سے بے توجہی کرینگے دوسری طرف اس کے ظاہری سنگار اور آرایش میں ایسے مشغول ہونگے کہ زری کے غلاف اسپر چڑھائینگے۔ یہ علامت بھی پوری ہو رہی ہے مسلمان قرآن کریم کے پڑھنے سے تو بالکل غافل ہیں۔ اور اس کو کھولکر دیکھنا حرام سمجھتے ہیں لیکن زری کے غلاف چڑھا کر قرآن کریم گھروں میں انھوں نے ضرور رکھ چھوڑے ہیں۔ اور اسکی ظاہری آرایش اس قدر کرتے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں اس قسم کی آرایش کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ وہ لوگ کیا بلحاظ تقویٰ اور کیا بلحاظ وجاہت دنیاوی کے ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر تھے ٭

ایک تغیر مسلمانوں کی اندرونی حالت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت لوگ مساجد کو بہت آراستہ کرینگے۔ اور یہ تغیر بھی اس وقت پایا جاتا ہے مسلمان دوسری اقوام کی نقل میں اپنی مساجد کو اس قدر آراستہ کرتے ہیں۔ اور بیل بوٹے انپر نکالتے ہیں۔ اور جھاڑ اور جھنکار ان میں لٹکاتے ہیں۔ اور خوبصورت پردے دیواروں پر لٹکاتے ہیں۔ کہ بہ نسبت سادہ اسلامی عبادت گاہ کے بالفاظ حدیث بُت خانوں کے وہ زیادہ مشابہ ہیں۔ (حجج الکرامہ بروایت ابن مردویہ عن ابن عباس)

ایک تغیر اس زمانے کے متعلق آپ نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ اس وقت عرب کے لوگ دین سے بالکل دُور جا پڑینگے۔ اور وہ دین جو انکے ایک آدمی پر نازل ہوا۔ اور ان کے ملک میں

اس نے تربیت پائی۔ اور ان کے ملک سے پھیلا۔ اور انکی زبان میں جس کی الہامی کتاب اُتری اور اب تک اسی زبان میں پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ اسی کے سبب سے ان کی زبان زندہ ہے۔ وہ اُسے چھوڑ دینگے۔ اور باوجود عربی بولنے کے دین اسلام سے بے بہرہ ہونگے۔ اور قرآن کریم ان کو نفع نہ دے گا۔ بلکہ انکے دل ویسے ہی عرفان سے خالی ہونگے جیسے کہ ان لوگوں کے جو قرآن کریم کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دیلمی نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے۔ کہ اس وقت لوگوں کے دل اعاجم کی طرح ہونگے۔ اور زبان عربوں کیطرح (حجج الکرامہ فی آثار القیامہ) یعنی عربی بولینگے لیکن دین عربی کا انکے دل پر اثر نہ ہوگا۔ اس وقت یہ تغیر بھی پیدا ہے۔ عربوں کو دین سے اس قدر بُعد اور دُوری ہے کہ ان لوگوں سے کم ان کو دین سے ناواقفیت نہیں ہے۔ جو قرآن کریم کو نہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ ان کو اس کا سمجھانے والا کوئی میسر ہے ٭

ایک تغیر عظیم مسلمانوں کی حالت میں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت عرب سے مذہبی آزادی اس قدر اُٹھ جائیگی۔ کہ وہاں نیک آدمی ظاہر نہیں ہو سکیں گے چنانچہ حضرت علیؓ سے دیلمی نے روایت کی ہے۔ کہ ان میں نیک لوگ پوشیدہ ہو کر پھرینگے۔ یہ تغیر بھی اس وقت عرب میں پیدا ہے۔ وہاں کے لوگوں میں مذہبی رواداری بالکل باقی نہیں رہی اپنے خیالات اور رسُوم کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ خدا اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی جان ان سے محفوظ نہیں ہے۔ گو یہ آفت دیگر اسلامی ممالک میں بھی نمودار ہے۔ مگر عرب پر بالخصوص افسوس ہے۔ کہ وہاں فریضہ حج ادا کرنے کے لئے ہر ایک ذی مقدرت انسان کو بحکم الٰہی جانا پڑتا ہے۔ پس ان کے اس تغیر حالت سے راستی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور فریضہ حج کی ادائگی کی صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے انسان خاموشی سے اس فرض کو ادا کر کے واپس آجائے۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ کاش! اللہ تعالیٰ عرب کے لوگوں کو ہدایت دے۔ اور وہ پھر اسی طرح علم الاسلام کے حامل ہوں۔ جس طرح کہ تیرہ سَو ۱۳۰۰ سال پہلے تھے ٭

دُنیا کی اخلاقی حالت! مذہبی تغیرات کے بعد مَیں وہ علامات بتاتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ مسیح موعود کی اخلاقی حالت کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔ ایک علامت

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ اس وقت فحش کثرت سے پھیل جائے گا بلکہ تفحش کثرت سے پھیل جائے گا۔ لوگ تفحش پر ناز کرینگے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ علامات قرب قیامت میں سے ایک ظہور فحش و تفحش بھی ہے۔ (حجج الکرامہ) اور اسی طرح انس ابن مالک سے مسلم میں روایت ہے کہ اشراط ساعت میں سے ایک ظہور زنا ہے۔ اور ابو ہریرہؓ سے ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔ کہ اس وقت ولد الزنا کثرت سے ہو جائیں گے۔ (حجج الکرامہ) یہ سب قسم کا فحش ہم اسوقت دنیا میں موجود پاتے ہیں۔ علاوہ بڑی بدکاری کے ہم دیکھتے ہیں کہ یورپین تہذیب نے ایسا رنگ اختیار کر لیا ہے کہ اسلام نے جن اُمور کو فحش قرار دیا ہے۔ وہ اس کی سوسائٹی کے نزدیک تہذیب کا جزو بن گئی ہیں۔ مثلاً غیر عورتوں کی کمروں میں ہاتھ ڈالکر ناچنا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنی۔ غیر عورتوں کو ساتھ لے کر سیروں کو جانا وغیرہ وغیرہ۔ اس زمانہ سے پہلے ان باتوں کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نہ عرب میں نہ کسی اور ملک میں ہندوستان باوجود سب آثار شرک کے اس فحش سے پاک تھا۔ ایران باوجود عیش پسندی کی روایات کے اس فحش سے مبّرا تھا۔ مسیحیت کا سہارا رومی قوم باوجود اخلاقاً مُردہ ہونے کے اس قسم کی ہوا و ہوس کی غلامی سے محفوظ تھی۔ اگر آج جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کا تفصیلی نقشہ پہلے لوگوں کے سامنے بیان کر دیا جاتا۔ تو وہ کبھی تسلیم نہ کرتے کہ کسی قوم کی قوم میں بایں دعوائے تہذیب یہ حرکات کی جاتی ہیں۔ اور تہذیب شائستگی کا جزو سمجھی جاتی ہیں۔ پہلے زمانہ میں بھی ناچ اور تماشے ہوتے تھے لیکن یہ کوئی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ کہ شریف اور تمدن کی جڑ کہلانے والے خاندانوں کی بہو بیٹیاں اس فعل کو اپنا شغل بنائینگی۔ اور یہ بات موجب فخر ہوگی۔ اور عورت کی قدر و منزلت کو بڑھا دیگی۔ اور اسکی شرافت میں کچھ نقص پیدا نہ ہونے دیگی ✣

علاوہ اس فحش کے جو عام ہے۔ بڑا فحش یعنی زنا بھی اسوقت اس کثرت سے ہے کہ اب وہ اکثر بلاد میں جن میں مسیحیت کا اثر ہے۔ بطور ایک نفسانی کمزوری کے نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ایک طبعی فعل اور روز مرہ کا شغل خیال کیا جاتا ہے۔ بیشک کنچنیاں پہلے زمانوں میں بھی ہوتی تھیں مگر یہ کس کے ذہن میں آسکتا تھا کہ کبھی وقت حکومت عورتوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دیکر فوجوں کے ساتھ عورتوں کو رکھے گی۔ تا کہ فوجی سپاہیوں کی ضروریات پوری ہوں۔ اور انکو

چھاؤنیوں سے باہر جانے کی تکلیف نہ ہو۔ کون یہ خیال کر سکتا تھا کہ عورت مرد کے تعلقات ایسے وسیع ہو جائینگے کہ عورت کا مرد کے گھر پڑ جانا ایک اخلاقی گناہ نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ انسانی حریت کا ایک جزو قرار دیا جائے گا۔ اور نکاح کو اسکی ذہنی غلامی کی علامت سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ آج فرانس اور امریکہ کے لاکھوں آدمیوں کا خیال ہے۔ اور یہ بات کس کے ذہن میں آسکتی تھی کہ کسی وقت نہایت سنجیدگی سے اس پر بحثیں ہونگی۔ کہ نکاح ایک دقیانوسی خیال ہے۔ ہر مرد ہر عورت سے جسے وہ پسند کرے۔ تعلق قائم کر کے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور عورت ایک قیمتی مشین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جس سے پورا کام لیکر ملک کو فائدہ پہنچانا چاہئیے جیسا کہ آجکل بعض سوشلسٹ حلقوں کا اور خصوصاً بولشویک حلقوں کا خیال ہے ✣

جب فحش کی یہ حالت ہو۔ تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ ولد الزنا کس کثرت سے ہونگے کیونکہ جب تک ملک میں زنا ایک عیب سمجھا جائے۔ لوگ ایسی اولاد پیچھے چھوڑنا پسند نہیں کرتے جسے ولد الزنا ہونے کا طعنہ دیا جائے۔ لیکن جس سوسائٹی میں زنا کے وجود سے ہی انکار ہو جائے۔ اور نکاح کو مذہب کی بے جا دست اندازی تصور کیا جائے۔ اس میں ایسی اولاد سے کیا شرم ہو سکتی ہے۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ ایسی سوسائٹی میں ایسی اولاد کے سوا دوسری اولاد مل ہی کہاں سکتی ہے۔ چنانچہ اوپر کے بیان کردہ خیالات کے لوگوں میں ایسی ہی اولادیں پیدا کی جاتی ہیں۔ اور اسے کچھ عیب نہیں سمجھا جاتا ✣

مگر ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو نکاح کو کم سے کم ایک قدیم رسم خیال کر کے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ ان میں بھی ولد الزنا اولاد کی تائید میں اسوقت اس قسم کا جوش پایا جاتا ہے کہ بڑے بڑے فلاسفر ان کو ملک کے لئے ایک نعمت اور ذریعہ حفاظت قرار دے رہے ہیں۔ اور ایسی اولادوں کو والدین کا وارث بنانے کی تائید میں بڑے زور سے تحریک کر رہے ہیں۔ اور بصورت دیگر حکومت کو انہیں اپنا بچہ تصور کر کے انکی خاص غور و پرداخت کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ جب حالات یہ ہوں۔ تو اولاد الزنا کی ان علاقوں میں جو کچھ کثرت ہو سکتی ہے اسکی مثال تو پہلے زمانوں میں ملنی مشکل ہے۔ یہ بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ پہلے زمانوں کے لوگ اس قسم کی حالت کا تصور بھی کر سکتے تھے ✣

ایک تغیر اس زمانہ کی اخلاقی حالت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اسوقت شراب کا استعمال بہت بڑھ جائے گا۔ چنانچہ انس بن مالک سے مسلم میں روایت ہے کہ اشراط ساعت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یشرب الخمر شراب بہت پی جاویگی۔ اور ابو نعیم نے حلیہ میں حذیفہ بن الیمان رض سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشراط ساعت میں سے ایک یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ اسوقت راستوں میں شراب پی جائیگی۔ شراب کی جو کثرت اس زمانہ میں ہے۔ وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ یورپ میں شراب جس قدر پی جاتی ہے اس قدر پانی نہیں پیا جاتا۔ پہلے زمانوں میں بھی لوگ شراب پیتے تھے۔ مگر بطور نعیش کے یا دوا کے لیکن آج کل دنیا کے ایک بڑے حصہ میں شراب بطور غذا اور پانی کے پی جاتی ہے۔ خصوصاً یہ علامت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ راستوں میں شراب پی جائیگی۔ یہ اس زمانہ کو پہلے زمانوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ پہلے زمانہ میں چونکہ شراب سامان تعیش میں سے سمجھی جاتی تھی اور اسکے مہیا کرنے کے لئے وہ کوشش نہ کی جاتی تھی۔ جو اب کی جاتی ہے۔ خاص خاص مقامات پر دوکانیں ہوتی تھیں۔ جہاں سے لوگ شراب خرید لیتے تھے۔ مگر اب تو یہ حال ہے کہ شراب پانی کی جگہ استعمال ہوتی ہے اس لئے اس کا قریب قریب کے فاصلہ پر سڑکوں پر مہیا کرنا ضروری ہو گیا ہے چنانچہ یورپ میں سڑکوں کے کنارے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر شراب کی دوکانیں کھلی ہیں۔ تاکہ مسافروں کا حلق سوکھا نہ رہ جائے۔ اور ریلوں کے ساتھ شراب کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور خواہ کھانے کا انتظام ہو یا نہ ہو۔ مگر انتظار کے کمروں میں شراب ضرور تیار رکھی جاتی ہے۔ لنڈن جیسے شہروں میں تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر شراب اور پانی کے گلاس ایک قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ مگر پانی پینے کی غرض سے نہیں۔ بلکہ دیگر حاجات پوری کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے کثرتِ شراب کی حالت کا نقشہ اس قصہ سے اچھی طرح ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ جو ہماری جماعت کے ایک مبلغ کو جو انگلستان برائے تبلیغ گئے تھے پیش آیا۔ اُن کا صاحبِ مکان ان کی نیک چلنی اور خوش معاملگی کو دیکھ کر اس قدر خوش ہُوا۔ کہ اس نے ایک دن بڑی محبت سے انہیں کہا کہ میں آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں جسے آپ خوب یاد رکھیں۔ اس سے آپکی صحت بہت اچھی رہیگی۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ اس ملک میں پانی بالکل نہ پئیں۔ میرے باپ نے

ساری عمر میں ایک دفعہ پانی پیا تھا۔ اور وہ اُسی دن مرگیا۔ اور میں نے اب تک کبھی پانی نہیں پیا جب ہمارے مبلغ نے کہا کہ وہ تو شراب کا ایک قطرہ نہیں پیتے۔ بلکہ پانی ہی پیتے ہیں۔ تو وہ نہایت حیران ہُوا۔ اور اس بات کا ماننا اُسے بہت مشکل معلوم ہُوا ❊

ایک اخلاقی تغیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے متعلق یہ بیان فرمایا ہے کہ اسوقت جوئے کی کثرت ہوگی۔ چنانچہ حضرت علی رض سے دیلمی میں مروی ہے کہ قیامت کے قرب کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ اسوقت لعب بیسر زیادہ ہو جائے گا۔ یہ تغیر اس وقت جس حد تک رونما ہو رہا ہے۔ اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ جوئے بازی یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا نہ صرف مشغلہ ہے۔ بلکہ اُن کے تمدن کا ایک جزو لاینفک ہو گیا ہے۔ ہر ایک زندگی کے شعبہ میں جوئے کا کسی نہ کسی صورت سے دخل ہے۔ معمولی طریق جوئے کا تو مجالس طعام کے بعد کا ایک معمولی مشغلہ ہے ہی۔ لیکن اس کے سوا بھی لاٹریوں کی وہ کثرت ہے کہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ تجارت کا بھی ایک چوتھائی حصہ جوئے کی نذر ہو رہا ہے۔ ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک سب لوگ جوا کھیلتے ہیں۔ اور کبھی کبھی نہیں قریباً روزانہ اور جوئے کی کلبیں شاید سب کلبوں سے زیادہ امیر ہیں۔ اٹلی کی کلب مانٹی کارلو جو اُمراء کے جوئے کا مقام ہے۔ اس میں بعض اوقات ایک ایک دن میں کروڑوں روپیہ بعض ہاتھوں سے نکلکر جوئے کے ذریعہ سے بعض دوسرے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ غرض اس قدر کثرت جوئے کی ہے۔ کہ یہ کہنا نادرست نہ ہوگا کہ تمدن جدید میں سے جوئے کو نکال کر اس قدر عظیم الشان خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ اسے کسی اور چیز سے پُر نہیں کیا جا سکتا۔ بلا خوف انکار و تردید کہا جا سکتا ہے کہ پہلے زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی لے لیا جائے۔ اس کی ایک سال کی جوئے بازی اس زمانہ کی ایک دن کی جوئے بازی سے بھی ہزاروں حصہ کم رہے گی۔ لائف انشورنس۔ فائر انشورنس۔ تھفٹ انشورنس بیسیوں قسم کے بیمے ہی ہیں۔ جن کے بغیر آجکل لوگوں کا کام نہیں چل سکتا۔ اور جن کے نام سے بھی پہلے لوگ ناواقف تھے ❊

ایک تغیر اخلاقی حالت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا تھا کہ اسوقت نفس زکیہ مارا جائیگا (نعیم بن حماد عن عمار بن یاسر حجج الکرامہ) لوگ اس کی مختلف تاویلیں کرتے

ہیں۔ مگر بات صاف ہے۔ کہ اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اسوقت پاک نفس انسان کا تلاش کرنا ناممکن ہو جائیگا۔ اب اس امر کو دیکھ لیجیئے۔ مسیح موعود کے اثر کو الگ کر کے کل دُنیا پر نظر ڈال جائیں۔ نفس زکیہ کہیں نہ ملیگا۔ یا تو مسلمانوں میں ایک ایک وقت لاکھوں با خدا انسان ہوتے تھے یا اس ضرورت اور مصیبت کے وقت ایک اہل اللہ کا ملنا ناممکن ہی۔ بیشک بڑے بڑے گدی نشین اور علماء اور مشائخ اور متصوف موجود ہیں۔ جن کے ہزاروں لاکھوں مرید ہیں۔ لیکن نفس زکیہ کوئی نہیں۔ ان میں سے ایک کا بھی خدا تعالیٰ سے تعلق نہیں۔ اپنی طرف سے درود اور وظائف کرنے تو پاکیزگی کی علامت نہیں ہیں۔ پاکیزگی کی تو یہ علامت ہے۔ کہ ایسے لوگ خدا تعالےٰ کی محبت کو جذب کر لیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنی محبت کا اظہار کرے۔ اور اپنی غیرت کو انکے لئے جوش میں لائے۔ اور انکی نیتوں اور ارادوں کو پورا کرے۔ اور اپنے کلام کے اسرار ان پر کھولے اور عرفان کا دریا ان کے سینہ میں بہادے۔ اور وہ مصائب اسلام کے دُور کرنیوالے اور مسلمانوں کے بیچے امراض کے دُور کرنیوالے ہوں۔ مگر ایسا ایک شخص بھی ان لوگوں میں نہیں پایا جاتا جو مشائخ اور صوفیاء اور اقطاب اور ابدال اور علماء اور فضلاء کہلاتے ہیں۔ پس نفس زکیہ کو آج دُنیا نے مار دیا ہے اور نفس آمارہ کو زندہ کر دیا ہے۔ اور وہی ان کا مطلوب بن رہا ہے +

ایک علامت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کی یہ بتائی ہے۔ کہ اس وقت امانت اُٹھ جائیگی۔ چنانچہ دیلمی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ قُربِ قیامت کی علامتوں میں سے ایک ضاعت امانت بھی ہے (کنز العمال) امانت کے اُٹھ جانے اور اُسکی جگہ خیانت کے لے لینے کا جو نظارہ نظر آ رہا ہے۔ اسکی زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہر گاؤں اور ہر محلہ اور ہر گھر کے لوگ اس تغیر کے تلخ اثر کو محسوس کر رہے ہیں +

ایک تغیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کی اخلاقی حالت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ اسوقت لوگ ماں باپ سے تو حسن سلوک نہ کرینگے۔ لیکن دوستوں سے سلوک کریں گے چنانچہ ابونعیم نے حلیہ میں حذیفہ بن الیمان رضؓ سے روایت کی ہے کہ اسوقت لڑکا اپنے باپ کی تو نافرمانی کریگا۔ اور اپنے دوست سے احسان کریگا۔ یہ تغیر بھی اس شدت کے ساتھ پیدا ہو رہا ہی کہ ہر شریف آدمی کا دل اس کو دیکھ کر موم کیطرح پگھل جاتا ہے۔ مغربی تمدن کے دلدادہ اور تعلیم جدید سے

روشنی حاصل کرنیوالے لوگ اپنے بزرگوں کو پاگل سمجھتے۔ اور اُنکی صحبت سے احتراز کرتے ہیں اور اپنے ہمخیال نوجوانوں کی مجالس حیا سوز میں اپنے اوقات کو صرف کرنے کو راحت سمجھتے ہیں دوستوں کی دعوتوں اور انکی خاطر مدارات وغیرہ پر خرچ کرنے کے لئے ان کے پاس روپیہ نکل آتا ہے لیکن غریب ماں باپ کی ضروریات کو پورا کرنے کی طرف انہیں کبھی توجہ نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں ہزاروں مثالیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ ماں باپ نے بھوکے پیاسے رہ کر اور رات دن محنت کر کے بچّوں کو پڑھایا لیکن جب اولاد صاحب علم ہو کر برسرکار ہوئی۔ تو اُس نے اپنے ماں یا باپ کو اپنے برابر بیٹھانا بھی عار سمجھا اور انکے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ ایک اجنبی آدمی ان کو خادم ہی سمجھ سکتا ہے۔ اب تو اس قسم کی ہزاروں مثالیں ہیں لیکن پہلے زمانوں میں اس قسم کی ایک مثال بھی ملنی مشکل ہے +

علمی حالت۔ جس طرح مسیح موعودؑ کے زمانے کی اخلاقی حالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح آپ نے اس زمانہ کی علمی حالت بھی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اشراطِ ساعت میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ یرفع العلم ویظھر الجھل۔ علم اُٹھ جائے گا۔ اور جہل ظاہر ہو جائیگا۔ اسی مضمون کی روایت بخاری نے بھی بفرق قلیل انسؓ سے بیان کی ہے۔ یہ تغیر بھی پیدا ہو چکا ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی عورتیں بھی فقیہہ تھیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی عمر سے زیادہ قرآن جانتی ہیں۔ جس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ بچہ بچہ قرآن کریم سے ایسا واقف ہے کہ وہ بڑے سے بڑے عالم کے فتوےٰ پر جرح کر سکتا ہے۔ اور نادانی یا جہالت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ دلائل کی بنا پر۔ حضرت عائشہؓ کا علم اور آپ کی فقاہت کا کون انکار کر سکتا ہے۔ مگر آج علم دین کا یہ حال ہے۔ کہ سوائے ایسے لوگوں کے جو دوسرے علوم سیکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ اسکی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتا۔ اور جو علم صرف اس لئے پڑھایا جائے کہ اس کے پڑھنے میں کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ بلکہ مُفت میں روٹیاں مل جاتی ہیں۔ اس میں کیا برکت ہو سکتی ہے اور اس نیت سے پڑھنے والے دنیا کو کیا نفع پہنچا سکتے ہیں +

اس حدیث کی تائید اور بہت سی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس کا یہ مطلب ہرگز

نہیں کہ اسوقت سب قسم کے علم اُٹھ جائینگے بلکہ اس سے مُراد صرف علوم دینیہ ہیں۔ ورنہ علوم دُنیاوی کی زیادتی احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ ابوہریرہ رضؓ سے ترمذی میں روایت ہے کہ آخری زمانہ میں دینی اغراض کے سوا اور اغراض کے لئے علوم سیکھے جائینگے (باب ماجاء فی حلول المسیح ابواب الفتن) اور یہی حالت اسوقت پیدا ہے۔ علوم دنیاوی اسقدر ترقی کر گئے ہیں کہ ایک عالم اُن کی ترقی پر حیرت میں ہے۔ اور علوم مذہبی اسقدر بے توجہی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کہ جہال علماء کہلا رہے ہیں +

مسیح موعودؑ کے زمانہ کی تمدنی حالت۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے زمانہ کی تمدنی حالت کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔ اور بہت سی علامات ایسی بیان فرمائی ہیں جن سے اسوقت کے تمدن کا پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ چنانچہ ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ اسوقت اسلام کا طریق بدلا ہوا ہوگا۔ امام احمدؒ معاذ بن انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اس اُمت کی خرابی اور بربادی کے زمانہ کی ایک یہ علامت ہوگی (اور یہی زمانہ مسیح موعودؑ کا ہے) کہ لوگ آپس میں ملتے ہوئے ایک دوسرے پر لعنت کرینگے۔ گو شراح اس حدیث کے یہ معنے کرتے ہیں کہ اس سے مراد سفلہ لوگوں کا ملتے وقت ایک دوسرے کو گالیاں دینا ہے۔ مگر درحقیقت اس میں اس سے بھی بڑھ کر ایک اور تغیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو سفلوں میں نہیں۔ بلکہ بعض علاقوں کے مسلمانوں کے شرفاء میں بھی پایا جاتا ہے۔ اور وہ بندگی اور تسلیم کا رواج ہے۔ ہندوستان میں بڑے لوگ آپس میں سلام کہنا ہتک خیال کرتے ہیں۔ اور اسکی بجائے آداب اور تسلیم کہتے ہیں۔ بلکہ ہندوؤں کی نقل میں بندگی تک کہدیتے ہیں۔ جسکے یہ معنے ہیں کہ میں آپ کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار کرتا ہوں۔ اور یہ الفاظ اس لفظ کی جگہ استعمال کرتے جسکے معنے سلامتی اور حفاظت کے ہیں۔ درحقیقت ملاعن ہی ہے کیونکہ جب کوئی شخص شرک کے کلمات کہتا ہے یا خدا کے لئے جس فرمانبرداری کا اظہار مخصوص ہے۔ اس کا اظہار بندوں کے لئے کرتا ہے۔ وہ خدا کی لعنت ایک دوسرے پر ڈالتا ہے۔ لفظ آداب جس کا مسلمانوں میں رواج زیادہ ہے۔ اس کا بھی درحقیقت یہی مطلب ہے کہ ہم بندگی اور تسلیم کہتے ہیں اور یہ لفظ اسلئے اختیار کر لیا گیا ہے۔ تاکہ اُسے مشرکانہ الفاظ بار بار استعمال کرنے سے جو دل میں ملامت پیدا

ہوتی ہے اس کے اثر سے محفوظ ہو جائیں +

ایک تمدنی تغیر آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اسوقت مُسلمانوں میں عزت بوجہ دین کے نہ ہوگی بلکہ بوجہ مال اور سیاسی اعمال وغیرہ کے ہوگی۔ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اشراط ساعت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس وقت صاحبِ مال کی تعظیم ہوگی۔ یہ حالت بھی اب پیدا ہے۔ وہ قدیم دستور جو خاندانی وجاہت کو سب بواعث عزت پر مقدم کئے ہوئے تھا۔ اب بالکل مٹ گیا ہے۔ اور عزت کا ایک ہی معیار ہے کہ انسان صاحبِ مال ہو۔ پہلے مالدار اور دولتمند لوگ علماء کی مجالس میں حاضر ہوتے تھے اور اب علماء اس امر میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ انہیں کسی امیر کی دوستی کا فخر حاصل ہے یا یوں کہو کہ اسکی ڈیوڑھی پر جبہ سائی کی عزت نصیب ہے +

اسی طرح حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں پر ایسا آنیوالا ہے کہ ایک شخص کی تعریف کی جائیگی کہ ما اجلدہ وما اظرفہ وما اعقلہ ومافی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان (ترمذی) یعنی کہا جائے گا۔ کہ فلاں شخص کیا ہی بہادر ہے۔ کیا ہی خوش طبع ہے۔ اور نیک اخلاق ہے۔ اور کیا ہی عقلمند ہے۔ حالانکہ اس شخص کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ یہ حالت بھی اس وقت پیدا ہے۔ کوئی شخص خواہ کس قدر ہی بے دین ہو۔ مسلمانوں کے حقوق کا نام لے کر کھڑا ہو جائے۔ جھٹ مُسلمانوں کا لیڈر بن جائے گا کوئی نہیں پُوچھے گا۔ کہ یہ شخص اسلام پر تو قائم نہیں۔ اسلام کا لیڈر اسے اللہ تعالیٰ نے کیونکر بنا دیا اتنا ہی کافی سمجھا جائے گا۔ کہ یہ عمدہ لیکچرار ہے یا خوب دانائی سے اپنے حریف کا مقابلہ کر سکتا ہے یا سیاسی ضرورت کے پُورا کرنے کے لئے اپنی جان دینے کے لئے تیار ہے +

ایک تغیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت مومن ذلیل ہونگے اور لوگوں کے ڈر سے چھپتے پھریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے ابن مردویہ نے روایت کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشراطِ ساعت میں سے ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ مومن لونڈی سے بھی زیادہ ذلیل سمجھا جائے گا جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ لونڈی سے بھی لوگ رشتہ محبت قائم کر لیتے ہیں۔ اور اس سے شادی کر لیتے ہیں۔ لیکن مومن سے تعلق پیدا کرنا ان دنوں کوئی پسند

نہیں کرے گا۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے دیلمی نے روایت کی ہے کہ ان دنوں نیک چھپ چھپکر
پھرینگے۔ یہ حالت بھی ایک عرصہ سے پیدا ہے۔ مومنوں سے تعلق کو ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ جو
بھی سچا متبع قرآن مجید اور سنّت رسول کریمؐ کا ہو۔ اس سے بدتر انسان مسلمانوں میں کوئی
نہیں سمجھا جاتا۔ حتی کہ مسیح موعود کی آمد کے بعد تو یہ علامت ایسی ظاہر ہوگئی ہے۔ کہ فاحشہ
عورتوں اور بے نمازوں اور خائنوں اور جھوٹ بولنے والوں اور خدا اور رسول کو بُرا کہنے
والوں سے ملنا اور اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا تو جائز سمجھا جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے
آسمانی آواز پر لبیک کہا ہے۔ انکو دھتکارا جاتا ہے۔ اور ان سے دشمنی رکھی جاتی ہے ٭

ایک علامت اس زمانہ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اُسوقت
مسلمانوں میں عربی زبان کا چرچا کم ہو جائیگا۔ چنانچہ ابن عباسؓ سے ابن مردویہ نے روایت کی
ہے کہ آپ نے اشراط ساعت میں سے ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ اسوقت صفوف
تو بڑی لمبی ہونگی لیکن زبانیں مختلف ہونگی۔ اور یہ نقشہ حج کے ایام میں خوب نظر آتا ہے۔ حج کی
بڑی اغراض میں سے ایک غرض یہی تھی۔ کہ اسکے ذریعہ سے اجتماع اسلامی قائم رہے لیکن عربی
زبان کو ترک کر دینے کے سبب وہاں لوگ جمع ہو کر بھی فریضہ کے ادا کرنے کے سوا کوئی اجتماعی یا ملی
فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر مسلمان عربی زبان کو زندہ رکھتے۔ تو یہ زبان دُنیا کے چاروں گوشوں
کے لوگوں کو ایک ایسی مضبوط رسی میں باندھ دیتی۔ جو کسی دشمن کے حملہ سے نہ ٹوٹتی ٭

ایک حالت اسوقت کے تمدن کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اسوقت
عورتیں باوجود لباس کے ننگی ہونگی (عن ابن عمر مسند احمد حنبل) یہ حالت بھی اس وقت دو طرح
پیدا ہو رہی ہے۔ ایک تو اعلیٰ کپڑا اس قدر سستا ہو گیا ہے کہ عام طور پر لوگ وہ کپڑا پہن سکتے
ہیں۔ جو پہلے اُمراء تک محدود تھا۔ اور کپڑے بھی ایسے باریک تیار ہونے لگ گئے
ہیں کہ ان کا لباس پہننے سے ایک خیالی زینت تو شاید پیدا ہو جاتی ہوگی۔ مگر پردہ یقیناً نہیں ہوتا
اور اکثر حصہ دنیا کا ان لباسوں کا شیدا ہو رہا ہے۔ اور ایسے عورتوں کے لئے زینت خیال کر رہا
ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اب یورپ و امریکہ کی عورتوں کے لباس کا طریق ایسا ہو گیا ہے کہ
بعض قابل ستر حصے ننگے رہتے ہیں۔ مثلاً عام طور پر وہ اپنی چھاتیاں ننگی رکھتی ہیں۔ کہنیوں

تک بازو ننگے رکھتی ہیں۔ پس باوجود لباس کے وہ ننگی ہوتی ہیں۔ غرض دو طرح اس علامت
کا ظہور ہو رہا ہے۔ مسلمانوں میں باریک کپڑے کے استعمال سے اور مسیحیوں میں سینہ اور سر اور
بازوؤں کے ننگے رکھنے سے ٭

ایک علامت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کی جو مسیح موعودؑ کے ظہور کا
زمانہ ہے یہ بیان فرمائی ہے کہ عورتیں اسوقت اونٹ کے کوہان کی طرح سر کے بالوں کو رکھینگی
(عن ابن عمر مسند احمد حنبل) چنانچہ یورپ کی عورتوں کا یہی طریق ہے۔ وہ سر کو گوندھنا ناپسند
کرتی ہیں۔ اور بال پھلا کر اس طرح رکھتی ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا سر پر کچھ اور چیز بھی
ہے۔ دوسری اقوام بھی انکے اقتدار سے متأثر ہو کر انکی نقل کر رہی ہیں اور جس طرح لوگ انکے
باقی اقوال و افعال کو وحی آسمانی سے زیادہ قدر و منزلت کی نگہ سے دیکھتے ہیں۔ اس امر میں
بھی انکی اتباع میں تہذیب کی ترقی دیکھتے ہیں ٭

ایک علامت اس زمانہ کی حضرت ابن عباسؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ
روایت کی ہے کہ اسوقت عورت اپنے خاوند کے ساتھ ملکر تجارت کریگی (حجج الکرامہ بحوالہ ابن مردویہ)
یہ علامت بھی ظاہر ہو چکی ہے بلکہ اس کا اس قدر زور ہے کہ عورتوں کے بغیر تجارت کامیاب ہی
نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس سے بھی زیادہ اب یہ حالت پیدا ہو رہی ہے کہ یورپ کے بعض شہروں
میں دوکانوں پر بعض خوبصورت عورتیں صرف اس غرض کے لئے رکھی جاتی ہیں کہ وہ گاہکوں سے
ملکر انکے دل لبھانے کی کوشش کیا کریں۔ تاکہ وہ ضرور سودا وہیں سے خریدیں اور خالی نہ لوٹ جاویں۔

ایک علامت اس زمانہ کے تمدن کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان
فرمائی ہے کہ اسوقت عورتیں اسقدر آزاد ہونگی کہ وہ مردوں کا لباس پہنینگی۔ اور گھوڑوں پر سوار ہونگی
بلکہ مردوں پر حکمران ہونگی (عن ابن عباس ابن مردویہ) تمدن موجودہ میں یہ تغیر بھی پیدا ہو چکا ہے
اور امریکہ اور دیگر مسیحی ممالک میں اور انکی دیکھا دیکھی دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں بھی
عورتوں کی آزادی کا ایک غلط مفہوم لیا جانے لگا ہے کہ سُنکر حیرت ہوتی ہے۔ اور ان خیالات
کے اثر سے موجودہ تمدن پچھلے تمدن سے بالکل بدل گیا ہے۔ عورتیں کثرت سے مردوں کے ساتھ
ملکر گھوڑوں پر سوار ہو کر شکار اور گھوڑ دوڑوں میں شامل ہوتی ہیں۔ بلکہ سرکس میں تماشے

دکھاتی ہیں۔ اور مردوں کا لباس پہننے کا رواج بھی مسیحی ممالک میں کثرت سے ہے علی الخصوص جنگ کے بعد سے تو لاکھوں عورتوں نے بالکل مردانہ لباس پہننا شروع کر دیا ہے۔ برجس اور چھوٹا کوٹ بھی ان میں ایک فیشن کی صورت اختیار کر گیا ہے +

عورتوں کو جو حکومت مردوں پر حاصل ہو چکی ہے۔ وہ بھی اپنی نوعیت میں نرالی ہے۔ درحقیقت اس امر میں یورپ کے تمدن اور اس کے اثر سے دیگر بلاد کے تمدن میں ایسا فرق آگیا ہے کہ اسکے بدنتائج اگر اللہ تعالے کے فضل سے دور نہ ہوئے تو انکے دور ہونیکی اور کوئی صورت نہیں۔ یا ان کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کوئی خطرناک فساد پھوٹے گا یا شادی کا رواج بالکل بند ہو جائے گا اور نسل انسانی کی ترقی کو ایک ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچے گا +

ایک علامت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسوقت کے تمدن کی یہ بتائی ہے کہ اسوقت مرد عورتوں کیطرح زینت کرینگے۔ اور انکی شکلیں اختیار کرینگے (حذیفۃ بن الیمانؓ حلیۃ ابونعیم) یہ تغیرات بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ دنیا کا اکثر حصہ داڑھیاں منڈا کر عورتوں سے مشابہت اختیار کر رہا ہے کسی وقت داڑھی مرد کے لئے زینت سمجھی جاتی تھی۔ اور مسلمانوں کے لئے تو باتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی شعار تھی۔ وہ اب اکثر چہروں پر سے غائب نظر آتی ہے۔ بلکہ ایسے لوگ بھی جنکو عالم اسلام میں بہت کچھ دینی وقعت دیجاتی ہے اسکے مونڈ دینے ہی میں اپنے چہروں کی زینت پاتے ہیں +

دوسرا تغیر اس پیشگوئی کے ماتحت مخنثوں کی کثرت ہے کہ ان میں کثرت سے مرد عورتوں کا اور عورتیں مردوں کا بھیس بدلکر تماشا کرتے ہیں۔ اور گاتے اور ناچتے ہیں۔ اسی طرح یورپ و امریکہ میں مرد جس قدر اپنے سر کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں۔ اور جس طرح انکی زینت کیطرف توجہ کرتے ہیں۔ وہ اس زمانہ کی عورتوں سے تو نہیں۔ مگر پرانے زمانے کی عورتوں سے ضرور بڑھ کر ہے +

جسمانی حالت:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے زمانہ کے لوگوں کی جسمانی اور صحت کی حالت بھی بیان فرما دی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے ترمذی میں روایت ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا۔ اور مدینہ کیطرف رُخ کریگا۔ تو اسوقت طاعون بھی پڑیگی۔ اور اللہ تعالے

طاعون اور دجال دونوں سے مدینہ کو بچائے گا۔ یہ حالت بھی پیدا ہو چکی ہے پچیس سال سے دنیا میں طاعون اس شدت سے نمودار ہے کہ الامان لاکھوں گھر ویران ہو گئے سینکڑوں قصبات اور دیہات اُجڑ گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مقامات مقدسہ کو کسی بڑے حملے سے بالکل بچائے رکھا ہے۔ اور ظاہری سبب اس کا یہ بنا دیا ہے کہ مختلف جہات میں قوارنٹین قائم ہو چکے ہوئے ہیں۔ جنکے ذریعہ سے اسکے زہر کو دور رکھا جاتا ہے۔ طاعون کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف الفاظ میں خبر دی ہے۔ بعض جگہ اسے دابہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ یہ مرض ایک کیڑے سے پیدا ہوتی ہے جو زمین سے انسان کے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کا یہی نام ہے یہ طاعون کوئی معمولی وبا نہیں ہے بلکہ اس وبا نے دنیا کے اکثر حصوں میں اپنی ہلاکت کا جال بچھایا ہے اور ہندوستان میں تو چھبیس سال سے اب تک ڈیرہ لگائے ہوئے ہے +

اس دابہ کے خروج کی پیشگوئی میں صرف طاعون ہی کی خبر نہیں ہے۔ بلکہ اس میں یہ بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسوقت کئی ایسی بیماریاں پیدا ہو جائینگی۔ جن کا اثر خوردبینی کیڑوں کے ذریعہ سے پھیلے گا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں کئی ایسی بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جو خوردبینی اجسام کے ذریعہ پھیلتی ہیں۔ اور جو اس سے پہلے یا تو تھی ہی نہیں یا اس شکل میں کبھی نمودار نہ ہوئی تھیں۔ اس قرآنی اور نبی کریم کی بتائی ہوئی پیشگوئی میں درحقیقت خوردبین کی ایجاد اور اسکے اثر کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر دنیا کو کیونکر معلوم ہو سکتا تھا کہ ان بیماریوں کا باعث ایک دابہ ہے۔ پہلے تو لوگ بلغم صفرا سودا اور دم پر ہی سب بیماریوں کے بواعث کی زنجیر کو ختم کر دیتے تھے +

مسیح موعودؑ کے زمانہ میں صحت عامہ کی حالت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی نشانات بیان فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اسوقت مرگ مفاجاۃ ظاہر ہوگی (ابن ابی شیبہ عن مجاہد حجج الکرامہ) یعنی کثرت سے اسکی مثالیں پائی جائینگی۔ ورنہ ایک دو تو ہمیشہ ہوتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ بمطابق پیشگوئی اس زمانہ میں مرگ مفاجاۃ کی بھی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ اور اسکی ایک وجہ تو شراب کی کثرت ہے۔ اور دوسری علوم کی کثرت۔ شراب سے دل اور دماغ ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اور کثرت مطالعہ اور کثرتِ کار سے اعصاب کی طاقت کمزور ہو جاتی

ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اس وقت اپنے زور پر ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شراب خور قوموں میں مرگِ مفاجات اس کثرت سے ہے کہ الامان! ہر سال ہزاروں آدمی آناً فاناً دل کی بیماریوں سے کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے مر جاتے ہیں۔ جسکی مثال پہلے زمانوں میں نہیں پائی جاتی +

صحتِ عامہ کے متعلق ایک یہ بات بھی رسُول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ اس وقت ایک بیماری ہوگی۔ جو ناک سے تعلق رکھے گی۔ جس سے کثرت سے لوگ مر جائینگے یہ بیماری بھی پیدا ہو چکی ہے جسے طبّی اصطلاح میں انفلوئنزا کہتے ہیں۔ اس بیماری سے ۱۹۱۸ء میں دو کروڑ آدمی دُنیا بھر میں مر گئے۔ حالانکہ پانچ سالہ جنگ عالمگیر میں صرف ساٹھ لاکھ کے قریب آدمی مرا تھا۔ گویا کل دُنیا کی آبادی کا ڈیڑھ فیصدی حصہ اس بیماری سے فنا ہو گیا اور دُنیا کو یہ بیماری قیامت کا یقین دلا گئی کیونکہ لوگوں نے دیکھ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے لئے دنیا کا خاتمہ کر دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے +

نسلی تناسب:۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم نے اس زمانہ کے نسلی تناسب کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں عورتیں مردوں سے زیادہ ہو جائینگی حتیٰ کہ پچاس عورت کا ایک مرد نگران ہوگا۔ یہ پیشگوئی بھی پُوری ہو چکی ہے۔ اسوقت دنیا میں عورتیں زیادہ ہیں۔ اور یورپ کے بعض ممالک میں بوجہ جنگ میں مردوں کے مارے جانے کے عورتوں کی وہ کثرت ہو گئی ہے۔ کہ وہ قومیں جو اسلام پر کثرت ازدواج کے مسئلہ کی وجہ سے ہنسا کرتی تھیں۔ اب خود نہایت سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کر رہی ہیں۔ کہ موجودہ ابتری کا علاج سوائے کثرت ازدواج کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور بڑے بڑے فلاسفر اس امر پر مضمون لکھ رہے ہیں کہ اسوقت حکومتوں کو تباہی سے بچانے کے لئے اور نظام تمدن کو قائم رکھنے کیلئے یا تو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت ہونی چاہیئے یا زنا کو ظاہر طور پر جس قدر بُرا سمجھا جاتا ہے اس پردہ کو بھی اُٹھا دینا چاہیئے لیکن اس بات کی طرف تو اکثر لوگ مائل ہیں کہ ایسے لوگوں کو جو ایک سے زیادہ بیویاں کرتے ہیں۔ عدالتوں میں نہیں گھسیٹنا چاہیئے۔ اور انکے اس فعل پر چشم پوشی کرنی چاہیئے۔ اور یہ خیالات کا تغیر عورتوں کی زیادتی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کچھ ہی مدت

پہلے یورپ کے لوگوں کی نظر میں کثرت ازدواج نہایت سخت جُرموں میں سے گنا جاتا تھا۔ اور اسکی تائیداشارتاً بھی کوئی مسیحی نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ انکی نفرت کو دیکھ کر مسلمان بھی اسلام کیطرف سے کثرت ازدواج کی اجازت دینے پر معذرت کرنے لگ گئے تھے +

تعلقات مابین:۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اسوقت اقوام کے تعلقات کس طرح کے ہونگے۔ آپ نے خبر دی ہے کہ اسوقت ایسے سامان نکل آوینگے کہ لوگ پُرانی سواریوں کو چھوڑ دینگے۔ اور نئی سواریوں پر چڑھینگے۔ خشکی اور پانی دونوں پر نئی قسم کی سواریاں چلینگی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ولیترکن القلاص فلا یسعٰی علیہا۔ اس زمانہ میں سواری کی اونٹنیاں ترک کر دی جائینگی۔ اور لوگ انکی طرف توجہ نہیں کرینگے۔ چنانچہ اسوقت یہی ہو رہا ہے۔ اکثر ممالک میں ریل کی سواری کی وجہ سے قدیم سواریاں بیکار ہوتی جاتی ہیں۔ پہلے خالی ریل تھی۔ تو دوسری سڑکوں پر سفر کرنے کے لئے پھر بھی لوگ اونٹ وغیرہ کے محتاج ہوتے تھے لیکن جب سے موٹر نکل آیا ہے۔ اسوقت سے تو اسقدر ضرورت بھی گھوڑوں وغیرہ کی نہیں رہی۔ اور جُوں جُوں ان سواریوں کی ترقی ہوگی۔ پُرانے سواری کے جانور متروک ہوتے چلے جائیں گے +

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے متعلق یہ خبر بھی دی تھی کہ اسوقت ریلوں کے علاوہ دُخانی جہاز بھی نکل آوینگے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ دجال کا گدھا پانی پر بھی چلے گا۔ اور جب وہ چلے گا۔ تو اُسکے آگے اور پیچھے بادل ہوگا۔ اور اس سے مُراد آپ کی ریل اور دُخانی جہاز ہی ہیں۔ کیونکہ یہی گدھا ہے جو خشکی اور پانی پر چلتا ہے اور اس سے کلیسیا نے جسقدر کام لیا ہے اور کسی قوم نے نہیں لیا۔ اسکے ذریعہ سے پادری انجیلیں بغل میں دبا کر دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئے ہیں۔ اور سارے جہان کو اپنے دجل کے جال میں پھانس لیا ہے اور ریل اور جہاز کے کبھی آگے اور پیچھے دھوئیں کا بادل ہوتا ہے۔ جو کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اور ان دونوں سواریوں کی خوراک بھی پتھر ہے (یعنی پتھر کا کوئلہ) جو خوراک کہ دجّال کے گدھے کی حدیثوں میں بیان ہوئی ہے۔ ان سواریوں نے تعلقات اقوام کی نوعیت ہی بالکل بدل دی ہے +

مسیح موعود کے زمانہ کی مالی حالت۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے زمانہ کی مالی حالت کا بھی نقشہ کھینچکر بتایا ہے۔ حذیفہ بن الیمان رضؓ سے ابونعیم نے حُلیہ میں روایت کی ہے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اسوقت سونا زیادہ ہو جائے گا۔ اور چاندی لوگوں کا مطلوب ہو جائے گی (حجج الکرامہ) یہ حالت بھی اب پیدا ہے۔ سونے کی وہ کثرت ہوگئی ہے کہ اس کا دسواں حصّہ بھی پہلے نہ تھی۔ سینکڑوں سونے اور چاندی کی نئی دُکانیں نکل آئی ہیں۔ اور پھر سونے اور چاندی کے نکالنے کے جدید ذریعے معلوم کئے گئے ہیں جنکی وجہ سے دنیا میں سونے کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ اگر صرف انگلستان کا ہی سونا لیا جائے۔ تو شاید پچھلے زمانے کے ساری دنیا کے سونے سے زیادہ نکلے۔ چنانچہ ایک اثر اس کا نمایاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تجارت نہایت ترقی کر گئی ہے اور سب تجارت سونے اور چاندی کے ساتھ ہوتی ہے پہلے زمانوں میں پیسوں اور کوڑیوں پر خرید و فروخت کا مدار تھا۔ اب کوڑیوں کو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ اور بعض ملکوں میں پیسوں کو بھی کوئی نہیں جانتا۔ جیسے انگلستان ہیں کہ وہاں سب سے چھوٹا مروج سکّہ آنے کا سکہ ہے۔ اور امریکہ میں سب سے چھوٹا مروج سکہ دو پیسہ کا ہے۔ اور اکثر کام ان ممالک میں تو سونے کے سکّوں سے ہی ہوتا ہے ؛

اسوقت کی مالی حالت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ اس وقت سُود بہت بڑھ جائے گا۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے دیلمی نے روایت کی ہے کہ قُربِ قیامت کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ اسوقت سودخوری زیادہ ہو جائے گی۔ اور یہ بات بھی پیدا ہو چکی ہے اسوقت جسقدر سُود کو ترقی حاصل ہے۔ اس کا لاکھواں بلکہ کروڑواں حصّہ بھی پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ شاذ و نادر کو مستثنیٰ کرکے سب تجارتیں سُود پر چلتی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اگر سود نہ لیں۔ تو کام چل ہی نہیں سکتا۔ بنکوں کی وہ کثرت ہے کہ ہزاروں کے شمار سے بھی بڑھ گئے ہیں۔ حکومتیں سُود لیتی اور دیتی ہیں۔ تاجر سُود لیتے اور دیتے ہیں۔ صناع سُود لیتے اور دیتے ہیں۔ اُمراء سود لیتے اور دیتے ہیں۔ غرض ہر قوم کے لوگ سود پر اپنا کام چلا رہے ہیں۔ اور یُوں کہنا چاہئے کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں ہر شخص نے عہد کر لیا ہے کہ وہ دوسرے کے روپیہ پر

اپنا کام چلائے گا۔ اور اپنا روپیہ دوسرے کو کام چلانے کے لئے دیدیگا۔ اگر ایک کروڑ کی تجارت ہو رہی ہو۔ تو اس میں شاید چند ہزار روپیہ سود کی زد سے باہر رہیگا۔ باقی سب کا سب سود کے چکر میں آیا ہوا ہوگا۔ مسلمان جنھیں کہا گیا تھا۔ کہ اگر سُود لینے سے تم باز نہیں آتے تو فاذنوا بحرب من اللہ۔ اللہ تعالےٰ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ان کا بھی یہ حال ہے کہ اکثر تو سُود کا نام منافع رکھ کر اسے استعمال کر رہے ہیں۔ اور بعض اپنی کمزوری کا اقرار کرکے اس کا لین دین کر رہے ہیں۔ علماء نے عجیب و غریب توجیہیں کرکے بنکوں کے سُود کے جواز کا فتویٰ دیدیا ہے۔ اور یہ کہہ کر کہ کفار کے زیر حکومت ممالک میں سُود لینا جائز ہے۔ کسی قسم کے سُود میں بھی روک نہیں رہنے دی۔ اور آخری شریعت کے بعد ایک نئی شریعت کے بنانے کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ ان سب حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ سود کا حملہ اس زمانہ میں ایسا سخت ہے۔ کہ اس کا مقابلہ سوائے انکے جنکو خدا بچائے۔ کوئی نہیں کر سکتا ؛

آخری زمانہ کی مالی حالت کی ایک خصوصیت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اُس وقت مسیحی لوگ امیر ہونگے اور دوسرے لوگ غریب ہونگے چنانچہ ترمذی نے نواس بن سمعانؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دجّال لوگوں سے کہے گا کہ مجھے مان لو۔ جو لوگ اس کا انکار کرینگے۔ ان کے گھر کا سب مال دجّال کے ساتھ ہی چلا جائے گا۔ اور جو اس پر ایمان لاوینگے۔ وہ خوب مالدار ہو جائینگے۔ وہ ان کے لئے آسمان سے برسوائے گا۔ اور زمین سے اُگلوائے گا۔ چنانچہ یہی حال اب ہے۔ مسیحی اقوام دن رات مال و دولت میں ترقی کر رہی ہیں۔ اور انکی مخالف اقوام روز بروز غریب ہوتی جاتی ہیں۔ اور برابر سو سال سے یہی صورت پیدا ہو رہی ہے ؛

سیاسی حالت۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کے زمانے کی سیاسی حالت کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اسکو پڑھ کر یہ موجودہ زمانہ خود بخود سامنے آجاتا ہے۔ مختلف سیاسی تغیرات جو مسیح موعود کے زمانہ میں پیدا ہونے ضروری ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :-

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حذیفہ بن الیمان رضؓ نے روایت کی ہے۔ اور ابونعیم نے حُلیہ میں اسے بیان کیا ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی

ہے۔ کہ اسوقت مسلمانوں پر اس قدر مصائب آئینگی کہ وہ مثل یہود کے ہوجائینگے۔ جس سے آپکی یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کی حکومتیں اور ان کا اقتدار جاتا رہے گا۔ اور یہود کیطرح دوسروں کے رحم پر انکی زندگی کا انحصار ہوگا۔ یہ علامت بھی پوری ہوچکی ہے۔ اسلامی حکومتیں مٹ گئی ہیں اور نہایت قلیل نشان انکے باقی ہیں یا تو دنیا پر اسلامی جھنڈا ہی لہراتا نظر آتا تھا۔ یا اب اس جھنڈے کو لہرانے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ مسلمان اپنی حکومتوں کے قائم رکھنے کے لئے بھی کسی نہ کسی مسیحی حکومت کی مدد کے محتاج ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

ایک سیاسی تغیر زمانہ مسیح موعود کے وقت کا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ شام اور عراق اور مصر اسوقت کے بادشاہ کے ہاتھ سے نکل جاوینگے اور عرب کے لوگوں کی حالت پھر طوائف الملوکی کی ہوجائیگی۔ چنانچہ ابوہریرہ رض سے مسلم میں روایت ہے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عراق اپنے درہم اور غلہ روک دیگا۔ اور شام اپنے دینار اور غلہ کو روک دے گا۔ اور مصر اپنے غلہ کو روک دیگا۔ اور تم پھر ویسے کے ویسے ہوجاؤ گے۔ جیسے کہ پہلے تھے یعنی عرب میں طوائف الملوکی پیدا ہوجائیگی۔ یہ علامت بھی پوری ہوگئی ہے۔ عراق اور شام اور مصر سلطان کے قبضہ سے نکل گئے ہیں۔ اور ترکی حکومت کو کسی قسم کا خراج اور مدد نہیں دیتے۔ اور عرب پھر طوائف الملوکی کی حالت میں ہوگیا ہے۔ گو حجاز میں ایک حکومت قائم ہے۔ مگر ابھی تک اسکی حالت بوجہ کثرتِ اعداء و قلت مال کے محفوظ نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر علاقہ جات عرب تو بالکل بے انتظام حالت میں ہیں۔ اور وہاں کی حکومتیں متمدن حکومتیں نہیں ہیں +

ایک سیاسی تغیر اس زمانہ کا آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اسوقت یاجوج اور ماجوج کو ایسی طاقت حاصل ہوگی کہ دوسری اقوام کو ان سے مقابلہ کی بالکل مقدرت نہ ہوگی۔ چنانچہ نواس بن سمعان کی روایت مسلم اور ترمذی میں ہے۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ انکو وحی کرے گا کہ حرز عبادی الی الطور فانی قد انزلت عبادا لی لا یدان لاحد بقتالھم قال و یبعث اللہ یاجوج وماجوج۔ یہ علامت بھی پوری ہوچکی ہے۔ یاجوج اور ماجوج ظاہر ہوچکے ہیں۔ اور ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت کسی میں نہیں ہے۔ یاجوج اور ماجوج سے مراد روس اور انگریزوں کی حکومت اور انکی اتحادی حکومتیں ہیں۔ جیسا بائبل میں لکھا ہے کہ اے جوج روس اور توبالسک

کے بادشاہ اور ماجوج جو جزیروں میں امن سے حکومت کرتے ہو۔ یہ دونوں قومیں مع اپنے حلیفوں کے اپنے عروج کو پہنچ چکی ہیں اور ان کا عروج جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ نزول مسیح موعود کے بعد مقدر تھا۔ پس ان کا عروج اپنی ذات میں بھی دلالت کر رہا ہے کہ مسیح موعود نازل ہوچکا ہے +

ایک تغیر اس زمانہ کی سیاسی حالت میں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ اس وقت مزدوروں کی طاقت بہت بڑھ جائیگی۔ جیسا کہ حذیفہ بن الیمان رض کی روایت میں جو ابونعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے۔ مذکور ہے کہ اشراط ساعت میں سے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ اس وقت غریب برہنہ لوگ بادشاہ ہوجائیں گے۔ اور برہنہ سے مراد اس جگہ نسبتی طور پر برہنہ ہے۔ اور اُمراء کے مقابلہ میں غربا اپنے لباس کی کمی کی وجہ سے برہنہ ہی کہلاتے ہیں۔ یہ علامت بھی پوری ہوچکی ہے۔ نیابتی حکومت کی ترقی کے ساتھ ساتھ غرباء کی حکومت بڑھتی جاتی ہے۔ اور وہ بادشاہ بن رہے ہیں۔ مزدور جماعت کی طاقت کے آگے بادشاہوں کے دل کانپ رہے ہیں۔ اور کوئی جماعت خواہ کس قدر ہی مضبوط کیوں نہ ہو اپنے قیام کو ان سے صلح رکھے بغیر معرض خطر میں پاتی ہے۔ اور بعض علاقوں میں تو انہی کو کامل حکومت حاصل ہے۔ جیسے روس میں اور سوئٹزرلینڈ میں اور بعض حصص آسٹریلیا میں اور روز بروز یہ جماعت طاقت پکڑتی جاتی ہے +

مسیح موعودؑ کے زمانہ کی سیاسی حالت کی ایک خصوصیت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اسوقت حکام کی کثرت ہوگی۔ حذیفہ بن الیمان رض روایت کرتے ہیں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اشراط ساعت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسوقت شُرَط زیادہ ہوجائینگے (حلیہ ابونعیم) اور شرط والی اور حاکم کے مددگاروں اور نائبوں کو کہتے ہیں۔ یہ علامت بھی اسوقت پوری ہوچکی ہے۔ پہلے جو نظام حکومت ہوا کرتا تھا۔ اسمیں اسقدر مددگاروں کی حاکموں کو ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ ہر علاقہ میں ایک دو حاکم کافی سمجھے جایا کرتے تھے لیکن اس زمانہ میں انتظام کا طریق اس طرح بدل گیا ہے۔ اور حکومت کی ذمہ واری کی اس قدر شاخیں نکل آئی ہیں کہ پہلے سے سینکڑوں گنے مددگار افسروں کے رکھنے پڑتے ہیں

پولیس اور صحت عامہ اور رجسٹریشن اور تعمیر عامہ اور ڈاک خانہ اور ریل اور تار اور انہار اور نگرانی مخدرات و مسکرات اور پڑتال وغیرہا محکمے اسقدر وسیع ہوگئے ہیں کہ پہلے اسقدر وسیع نہ تھے۔ اس لئے گورنمنٹ کو ہر حاکم کے ساتھ ایک وسیع عملہ رکھنا پڑتا ہے ÷

ایک تغیر مسیح موعود کے زمانہ کی سیاست میں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اسوقت حدود ترک کی جائینگی۔ حضرت علیؓ سے دیلمی نے روایت کی ہے کہ آخری زمانہ کی علامتوں میں سے ایک ترک حدود بھی ہے (حجج الکرامہ) یہ علامت بھی پُوری ہوچکی ہے اسلامی حکومتوں میں اسوقت حدود ترک ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ ترکوں کی حکومت میں عرب میں مصر میں ایران میں بلکہ خود جناب ہی کے بلاد میں زانی کو رجم کی اور چور کو قطع ید کی سزا نہیں دیجاتی۔ بلکہ بعض اسلامی حکومتیں تو بذریعہ معاہدات ان سزاؤں کے دینے سے باز رکھی گئی ہیں۔ یہ علامت ایسی واضح ہے کہ اسلامی اقتدار کے زمانہ میں اس امر کا کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسلامی احکام کو اس طرح کبھی پس پشت ڈالا جائیگا۔ اور مسلمان حکومتیں اگر خواہش بھی رکھیں گی۔ تو حدود اسلامیہ کو جاری نہیں کر سکیں گی ÷

علاوہ ان علامات کے بتانے کے جو انسان کی مذہبی۔ اخلاقی۔ علمی۔ جسمانی۔ سیاسی۔ نسلی۔ تمدنی وغیرہا زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق بعض ایسی علامات بھی بیان فرمائی ہیں۔ جو تغیرات مکانی سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً آپؐ نے اسوقت کی زمینی اور آسمانی حالتوں کو بھی بیان فرمایا ہے۔ جن میں سے بعض میں اسجگہ بیان کرتا ہوں ÷

زمینی تغیرات:۔ زمین کی اندرونی حالت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حذیفہ بن الیمانؓ نے یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشراط میں سے بہت سی بیان فرما کر فرمایا کہ جب یہ علامات پُوری ہوجائیں تو تم بعض بلاؤں کے منتظر رہو۔ جن میں سے ایک آپؐ نے خسف بیان فرمائی۔ اور خسف جیسا کہ علم طبعیات سے ثابت ہے زلزلہ کے سبب سے ہوتا ہے۔ پس خسف سے مُراد جناب سرور کائنات کی زلازل سے ہے اور یہ زمین کے اندر کا تغیر بھی جس کے سبب سے کثرت سے زلزلے آویں۔ پیدا ہوچکا ہے۔ اور

پچھلے بیس۲۰ سال میں دُنیا میں اسقدر زلزلے آئے ہیں کہ ان سے پہلے تین سو سال میں بھی اسقدر زلزلے نہیں آئے تھے۔ اور اسقدر موتیں ان سالوں میں زلزلوں کے ذریعہ سے ہوئی ہیں کہ پچھلی کئی صدیوں میں بھی اسقدر موتیں زلزلوں سے نہیں ہوئیں ÷

فلکی علامات:۔ علاوہ زمینی تغیرات کے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے زمانے کے بعض فلکی حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اسوقت سورج اور چاند کو رمضان کے مہینہ میں خاص تاریخوں میں گرہن لگے گا۔ اور اس علامت پر اسقدر زور دیا گیا ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جب سے زمین آسمان پیدا ہوئے ہیں۔ یہ دونوں علامتیں کسی اور نبی کی تصدیق کیلئے ظاہر نہیں ہوئیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ اِنّ لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوات والارض ینکسف القمر لاوّل لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی النّصف منہ ولم تکونا منذ خلق اللہ السّمٰوٰت والارض (دار قطنی صفحہ ۱۸۸) یعنی محمدؐ بن علی نے روایت کی ہے کہ ہمارے مہدی کے دو نشان ہیں۔ یہ نشان آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے لے کر اب تک کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔ ایک تو یہ کہ قمر (چاند) کو رمضان میں پہلی تاریخ کو گرہن لگے گا اور دوسرا یہ کہ سُورج کو اسی رمضان کی درمیانی رات میں گرہن لگے گا۔ اور یہ دونوں باتیں آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے نہیں ہوئیں۔ یہ نشان اپنے اندر کئی خصوصیات رکھتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ سوائے مہدی کے کسی مدعی کے لئے یہ نشان کبھی ظاہر نہیں ہُوا۔ دوسرے یہ کہ اس نشان پر کتب اہل سنت و شیعہ متفق ہیں۔ کیونکہ دونوں کی کتب حدیث میں اس کا ذکر ہے پس اس میں شبہ تدلیس وغیرہ کا نہیں کیا جا سکتا۔ تیسری خصوصیت اس نشان میں یہ ہے کہ جو علامتیں اس میں بتائی گئی ہیں پہلی کتب میں بھی انہی علامتوں کے ساتھ مسیح کی آمد ثانی کی خبر دیگئی ہے۔ چنانچہ انجیل میں آتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے اپنی آمد کی نشانیوں میں سے ایک یہ علامت بھی بتائی ہے کہ اسوقت ”سُورج تاریک ہوجائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔“ متی باب ۲۴۔ آیت ۳۰۔ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ سُورج اور چاند کو اس کے زمانہ میں گرہن لگے گا ÷

گو میں ان پیشگوئیوں کو بیان کر رہا ہوں۔ جن کا احادیث میں ذکر آتا ہے۔ مگر میں اسجگہ اس بات کا ذکر کرنا غیر محل نہیں سمجھتا کہ قرآن کریم میں بھی قُرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت

سورج اور چاند گرہن کو بیان کیا گیا ہے۔ سورہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یسئل ایان یوم القیامۃ فاذا برق البصر وخسف القمر وجمع الشمس و القمر (رکوع ۱) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے۔ ہم اسکی علامتیں بتاتے ہیں۔ وہ تب ہوگی جب آنکھیں متحیر رہ جائینگی۔ یعنے ایسے حادثات ہونگے کہ انسان کو حیرت میں ڈالدینگے۔ اور چاند کو گرہن لگیگا۔ اور پھر سورج اور چاند جمع کر دیئے جائینگے۔ یعنی اسی ماہ میں چاند گرہن کے بعد سورج گرہن ہوگا چونکہ مسیح کی آمد بھی قیامت کے قریب زمانہ میں بتائی گئی ہے۔ اس لئے قرآن کریم سے بھی مذکورہ بالا حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے +

غرض جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے یہ پیشگوئی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ۱۳۱۱ھ اور ۱۸۹۴ء میں یہ پیشگوئی بعینہ انہی الفاظ میں پوری ہوگئی ہے۔ جن الفاظ میں کہ احادیث میں اسے بیان کیا گیا تھا۔ یعنی اس سن کے رمضان میں چاند گرہن کی تاریخوں میں سے پہلی یعنی تیرھویں (۱۳) تاریخ کو چاند گرہن لگا۔ اور سورج کی گرہن کی تاریخوں میں سے درمیانی یعنی اٹھائیسویں تاریخ کو سورج کو گرہن لگا۔ اور ایک ایسے آدمی کے زمانہ میں لگا جس نے مہدویت کا دعویٰ کیا ہوا تھا پس ہر ایک مسلمان کہلانے والے کے لئے دو راستوں میں سے ایک کا اختیار کرنا فرض ہو گیا یا تو وہ اس کلام نبوی پر ایمان لاوے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ نشان کہ اس کے زمانہ میں چاند اور سورج کو ان کی پہلی اور درمیانی راتوں میں گرہن لگے۔ سوائے مہدی کے اور کسی کے لئے ظاہر نہیں کیا گیا۔ اور جسکی تائید قرآن کریم اور پہلے انبیاء کی کتب سے بھی ہوتی ہے اور اس شخص کو قبول کرے جس کے دعوئے مہدویت کے بعد اللہ تعالےٰ نے یہ نشان ظاہر کیا یا پھر خدا اور اُس کے رسول کو چھوڑدے۔ کہ انھوں نے ایک ایسی علامت مہدی کی بتائی جو درحقیقت کوئی علامت نہیں تھی۔ اور جس سے کسی مدعی کے دعویٰ کی صداقت ثابت کرنا خلافِ عقل تھا +

بعض لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ پیشگوئی میں چاند کو پہلی تاریخ اور سورج کو درمیانی تاریخ میں گرہن لگنے کی خبر دیگئی ہے لیکن جس گرہن کا تم ذکر کرتے ہو۔ وہ تیرھویں اور اٹھائیسویں تاریخ کو ہوا ہے۔ لیکن یہ اعتراض ایک ذرا سے تدبر سے نہایت غلط اور الفاظ حدیث

کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس امر کو نہیں دیکھتے کہ چاند اور سورج کو خاص تاریخوں میں گرہن لگا کرتا ہے۔ اور اس قاعدہ میں فرق نہیں پڑسکتا جب تک کائنات عالم کو تہ و بالا نہ کردیا جائے پس اگر وہ معنی درست ہیں۔ جو یہ لوگ کرتے ہیں تو یہ نشان قیامت کی علامت تو ہو سکتا ہے مگر قرب قیامت اور زمانہ مہدی کی علامت نہیں ہو سکتا +

علاوہ ازیں یہ لوگ پہلی اور درمیانی کے الفاظ کو تو دیکھتے ہیں لیکن قمر کے لفظ کو نہیں دیکھتے پہلی تاریخ کا چاند عربی زبان میں ہلال کہلاتا ہے۔ قمر تو چوتھی تاریخ سے اس کا نام ہوتا ہے لغت میں لکھا ہے۔ وھو قمرٌ بعد ثلاث لیالٍ الیٰ اٰخر الشھر واما قبل ذٰلک فھو ھلالٌ (اقرب الموارد جلد دوم) یعنی چاند تین راتوں کے بعد قمر بنتا ہے۔ اور مہینہ کے آخر تک قمر رہتا ہے مگر پہلی تین راتوں میں وہ ہلال ہوتا ہے۔ پس باوجود حدیث میں قمر کا لفظ استعمال ہونیکے اور باوجود اس قانون قدرت کے کہ چاند کو تیرہ (۱۳)۔ چودہ (۱۴)۔ پندرہ (۱۵) کو گرہن لگتا ہے نہ کہ پہلی تاریخ کو پہلی تاریخ سے مہینہ کی پہلی تاریخ مراد لینا اور چاند گرہن کی تاریخوں میں سے پہلی تاریخ مراد لینا بالکل خلاف عقل و خلاف انصاف ہے۔ اور اسکی غرض سوائے اسکے کچھ معلوم نہیں دیتی کہ خدا اور اسکے رسول کا کلام جھوٹا ہو۔ اور آسمان سے آنیوالے پر لوگ ایمان نہ لے آئیں +

یہ وہ علامات ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے زمانہ مسیح موعود کے متعلق بیان فرمائی ہیں اور گو ان میں سے بعض ایک ایک بھی مسیح موعود کے زمانہ کی علامت ہے۔ اور اسکے لئے نشان ہے لیکن درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان علامات کے بیان کرنے سے مسیح موعود کے زمانے کے حالات کو مجموعی طور پر لوگوں کے سامنے اس صورت میں لانا تھا کہ کسی کو شک و شبہ کی گنجایش نہ رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون پہلے زمانوں میں بھی پڑتی رہی ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ زلزلے پہلے بھی آتے رہے ہیں۔ اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ جوئے کی زیادتی پہلے بھی ہوتی رہی ہے۔ اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ اخلاق لوگوں کے پہلے بھی بگڑتے رہے ہیں مسیحیوں کو بھی ایک زمانہ میں ایک معتدبہ حصہ عالم پر اقتدار حاصل رہ چکا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا کبھی یہ سب حالات جو مسیح موعود کے زمانے کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ کبھی کسی وقت دنیا میں جمع ہوئے ؟ یا اُن کا کسی اور زمانہ میں جمع ہونا ممکن ہے ؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر ایک شخص کو جسے اس زمانہ کی حالت معلوم نہ ہو پہلے اخبار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقف کیا جائے۔ پھر اسے دنیا کی تاریخ کی کتب دیدی جاویں کہ انکو پڑھکر بتاؤ کہ مسیح موعود کس زمانہ میں ظاہر ہوا ہے۔ تو وہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع کر کے اس زمانہ کے شروع ہونے تک کسی ایک زمانہ کو بھی مسیح موعود کا زمانہ قرار نہیں دے گا۔ لیکن جونہی وہ اس زمانہ کے حالات کو پڑھے گا بے اختیار بول اٹھے گا۔ کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا تھا۔ سچا تھا۔ تو مسیح موعود کے ظاہر ہونے کا یہ زمانہ ہے کیونکہ وہ ایک طرف دین سے بے توجہی کو دیکھے گا۔ دوسری طرف علوم دنیاوی کی ترقی کو دیکھے گا۔ مسلمانوں کی حکومت کو بعد اقتدار کے ضعیف پائے گا۔ مسیحیت کو تنزل کے بعد ترقی کی طرف قدم مارتا ہوا دیکھے گا۔ مسیحیت کے ماننے والوں کو ساری دولت پر قابض۔ مگر اسکے مخالفوں کو غریب پائیگا۔ باوجود طب اور سائنس کی ترقی کے طاعون اور انفلوئنزا کی اجاڑ دینے والی تباہی کا نقشہ اسکی آنکھوں کے سامنے آجائیگا۔ بیماریوں کو اس زمانہ میں کیڑوں کیطرف منسوب کئے جانے کا حال اسے معلوم ہوگا۔ رسوم اور بدعات میں لوگوں کو مبتلا پائے گا۔ ریل اور دخانی جہازوں کی خبر پڑھے گا۔ بنکوں کی گرم بازاری کا نقشہ دیکھے گا۔ زلزلوں کی کثرت معلوم کریگا۔ یاجوج اور ماجوج کی حکومت کا دور دورہ پائیگا۔ آسمان پر چاند اور سورج کا گرہن اسکی آنکھوں کو کھولیگا۔ تو زمین پر دولت کی کثرت مزدوروں کی یہ ترقی اسکی توجہ کو اپنی طرف پھیریگی غرض ایک ایک صفحہ اس زمانہ کی تاریخ کا اور اس صدی کے واقعات کا اسکو اس امر کیطرف توجہ دلائیگا۔ کہ یہ زمانہ مسیح موعود کا ہے۔ وہ ایک ایک چیز پر نظر نہیں ڈالے گا۔ بلکہ مجموعی طور پر سب نشانات پر غور کرے گا۔ تو اس کے ہاتھ کانپ جائینگے۔ اور اس کا دل دھڑکنے لگے گا۔ اور وہ بے اختیار کتاب کو بند کر دے گا۔ اور بول اٹھے گا کہ میرا کام ختم ہوگیا۔ آگے پڑھنا فضول ہے۔ مسیح موعود یا تو اسی زمانہ میں نازل ہوا ہے یا پھر وہ کبھی نازل نہ ہوگا +

٥٧ میں اس جگہ ایک اعتراض کا ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں جسے مخالف اپنے زعم میں ایک زبردست اعتراض سمجھتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسیح موعود کی آمد سے پہلے دجّال کی آمد کی خبر دی گئی ہے وہ چونکہ اب تک نہیں آیا۔ اسلئے مسیح موعود نہیں آسکتا +

اگر دجّال کی خبر ایک پیشگوئی نہ ہوتی۔ تو یہ اعتراض کچھ حقیقت بھی رکھتا لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ دجّال کی آمد بطور پیشگوئی ہے۔ اور پیشگوئیاں تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ اس اعتراض کی کچھ بھی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

تیسری دلیل

نفس ناطقہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اس بات کے ثابت کرنے کے بعد کہ زمانہ پکار پکار کر اسوقت ایک مصلح کو طلب کر رہا ہے اور یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کا مصلح مسیح موعود اور مہدی مسعود کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور یہ کہ چونکہ مسیح موعود ہونے کے مدعی صرف بانی سلسلہ احمدیہ ہیں۔ اس لئے ان کے دعویٰ کو رد کرنا گویا خدا تعالیٰ کی سنت کا ابطال اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی ہتک ہے۔ اب میں جناب کے سامنے ان دلائل کو پیش کرتا ہوں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعویٰ میں راستباز تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور اور مرسل تھے۔ اور ان دلائل میں سے سب سے پہلے میں نفس ناطقہ کی دلیل بیان کرتا ہوں +

میری مراد اس جگہ نفس ناطقہ سے وہ نہیں جو پہلی کتب میں لی جاتی ہے۔ بلکہ نفس ناطقہ سے مراد وہ نفس ہے کہ جسے قرآن کریم نے اپنی صداقت کی آپ دلیل قرار دیا ہے +

بقیہ حاشیہ۔ ایک مسلمان قرآن کریم میں والشمس والقمر رأیتہم لی ساجدین (یوسف ع ١) پڑھتے ہوئے اور انی اریٰ فی المنام انی اذبحک (صافات ع ٣) کی تلاوت کرتے ہوئے پھر ایک غیر معمولی قسم کے دجّال کی تلاش میں لگا ہے تو اسپر ضرور افسوس ہے + افسوس ہے کہ دجّال کی پیشگوئی کو سمجھنے کے لئے دوسری احادیث اور سنت اللہ پر بالکل غور نہیں کیا گیا۔ جبکہ یہ بات احادیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود کی آمد سے پہلے دجّال کا خروج ہوگا۔ اور یہ بھی کہ اسوقت مسیحیت کا بھی سخت زور ہوگا۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دجّال سے مراد مسیحیت ہی ہے کیونکہ ایک ہی وقت میں دجّال اور مسیحیت کس طرح دنیا پر غالب آسکتے ہیں۔ دونوں کا ایک ہی وقت دنیا پر غلبہ بتاتا ہے کہ درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں + ایک اور بات سے معلوم ہوتا ہے کہ دجّال اور مسیحی فتنہ ایک ہی شئے ہے۔ اور وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ

سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ واذا تتلیٰ علیھم ایاتنا بیّنات قال الذین لایرجون لقآءنا ائت بقراٰن غیر ھٰذا اوبدّلہ۔ قل مایکون لی ان ابدّلہ من تلقآءِ نفسی ان اتبع الّا مایوحیٰ الیّ انّی اخاف ان عصیت ربّی عذاب یومٍ عظیم۰ قل لو شاء اللّٰہ ماتلوتہ علیکم ولا ادرٰکم بہٖ فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہٖ افلا تعقلون (ع ۲) اور جب پڑھے جاتے ہیں انکے سامنے ہمارے کُھلے کُھلے احکام تو وہ لوگ جو قیامت کے مُنکر ہیں کہتے ہیں کہ یا تو اسکے سوا کوئی اور قرآن لے آ۔ یا اس میں سے قابلِ اعتراض حصہ بدل دے۔ تو کہدے کہ میرا کیا حق ہے کہ میں اپنی طرف سے اس کلام کو بدل دوں میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نافرمانی کروں۔ تو اس بڑے ہیبت ناک دن کے عذاب میں مُبتلا ہو جاؤنگا۔ تو کہدے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں یہ کلام تمہارے سامنے پیش نہ کرتا۔ بلکہ اسکے متعلق تمہارے آگے اشارہ بھی نہ کرتا۔ چنانچہ اس سے پہلے میں نے تمہارے اندر ایک عمر گذاری ہے۔ کیا تم اسپر نظر کرتے ہوئے اس بات کو نہیں سمجھ سکتے کہ میرے جیسا انسان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بلکہ جو کچھ کہہ رہا ہے سچ کہہ رہا ہے ۞

بقیہ حاشیہ۔ علیہ وسلم نے دجّال کے فتنہ سے بچنے کا علاج فواتح سورہ کہف پڑھنا بتایا ہے۔ اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات میں مسیحیت کا رد ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وینذر الذین قالوا اتخذ اللّٰہ ولدًا یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تا اسکے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایا جائے جو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایک بیٹا بنالیا۔ پس ثابت ہوا کہ دجّال کا فتنہ اور مسیحی فتنہ ایک ہی شے ہے کیونکہ علاج بیماری کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر دجّالی فتنہ مسیحی فتنہ سے علیحدہ شے ہوتا۔ تو ممکن نہ تھا کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا حکیم انسان اس سے بچنے کے لئے ان آیات کی تلاوت کا حکم دیتا۔ جن میں دجّال کا تو ذکر تک نہیں۔ ہاں مسیحیت کا رد بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا ان آیات کو دجّال کے فتنہ سے بچنے کے لئے تلاوت کرنے کا ارشاد فرمانا بتاتا ہے کہ آپکے نزدیک دجّال سے مُراد مسیحیت کی اشاعت کرنے والے لوگ ہی تھے ۞

درحقیقت دجّال کے پہچاننے میں لوگوں کو سب سے بڑی ٹھوکر یہ لگی ہے کہ وہ اُسے ایک آدمی سمجھتے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک آدمی نہیں ہے کتب لغت میں دجّال کے معنے یہ لکھے ہیں۔ او من الدجّال

یہ ایک دلیل ہے۔ جو قرآن کریم نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دی ہے۔ اور یہ دلیل ہر راستباز کے دعویٰ کو سچا پرکھنے کے لئے ایک زبردست ہتھیار ہے۔ سُورج کی دلیل اس سے زبردست اور کچھ نہیں کہ خود سُورج موجود ہے۔ اسی طرح صادق اور راستباز کی صداقت کے دلائل میں سے ایک زبردست دلیل اس کا اپنا نفس ہی جو پکار پکار کر کہتا ہی مخالفوں اور موافقوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ ناواقفوں اور واقفوں کو کہتا ہے۔ اجنبیوں اور رازداروں کو کہتا ہے کہ مجھے دیکھو اور مجھے جھوٹا کہنے سے پہلے سوچ لو کہ کیا تم مجھے جھوٹا کہہ سکتے ہو؟ کیا مجھے جھوٹا کہہ کر تمہارے ہاتھ سے وہ تمام ذرائع نہیں نکل جائینگے۔ جن کے ساتھ تم کسی چیز کی حقیقت معلوم کیا کرتے ہو؟ اور کیا مجھے مفتری قرار دیکر تم پر وہ سب دروازے بند نہیں ہو جائینگے جنمیں سے گزر کر تم شاہد مقصود کو پایا کرتے ہو؟ دنیا کی ہر چیز تسلسل چاہتی ہے۔ اور ہر شئے مدارج رکھتی ہے نہ نیکی درمیانی مدارج کو ترک کر کے اپنے کمال تک پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ بدی درمیانی منازل کو چھوڑ کر اپنی انتہاء کو پاسکتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ مغرب کی طرف دوڑنے والا اچانک اپنے آپ کو مشرق کے دور کنارہ پر پائے؟ اور جنوب کی طرف جانے والا اُفق شمال میں اپنے آپ کو کھڑا پائے؟

بقیہ حاشیہ۔ بالتشدید للرفقۃ العظیمۃ تغطی الارض بکثرۃ اھلھا وقیل ھی الرفقۃ تحمل المتاع للتجارۃ (تاج) الدجّال۔ الرفقۃ العظیمۃ (اقرب) یعنی دجّال ایک بڑی جماعت کو کہتے ہیں۔ جو زمین کو اپنی کثرت سے ڈھانک دے۔ اور بعض لوگ اسکے یہ معنے کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی جماعت کا نام ہی جو اسباب تجارت دنیا میں لئے پھرے۔ اور یہ تعریف مسیحیت کے منادوں پر پوری طرح چسپاں ہوتی ہی۔ وہ اپنی مذہبی کتب کی تجارت کے علاوہ اپنے مشن کی کامیابی کیلئے ہر قسم کے اسباب اور سامان جو لوگوں کی دلچسپی کا موجب ہوں ساتھ رکھتے ہیں اور کئی قسم کی تجارتیں مشن کے کام کے ساتھ ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح دجّال کے معنے لکھے ہیں۔ المموّہ یعنی ملمع ساز اور مسیحی پادریوں سے زیادہ کون ملمع ساز ہوگا۔ جو ایک انسان کو ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ وہ لوگونکی نظروں میں خدا نظر آنے لگتا ہے ۞

باقی رہیں یہ باتیں کہ دجّال کانا ہوگا۔ اور اس کا ایک گدھا ہوگا جو بڑا قدآور ہوگا۔ اور اسکے آگے پیچھے دھوئیں کا بادل چلے گا۔ سو یہ سب باتیں تعبیر طلب ہیں۔ دجّال کے کانے ہونے سے مُراد اسکی روحانی

مَیں نے اپنی ساری زندگی تم میں گذاری ہے میں چھوٹا تھا۔ اور تمہارے ہاتھوں میں بڑا ہوا۔ میں جوان تھا۔ اور تمہارے ہاتھوں میں ادھیڑ ہوا۔ میری خلوت و جلوت کے واقف بھی تم میں موجود ہیں۔ میرا کوئی کام تم سے پوشیدہ نہیں۔ اور کوئی قول تم سے مخفی نہیں۔ پھر کوئی تم میں سے ہے۔ جو یہ کہہ سکے۔ کہ مینے کبھی جھوٹ بولا ہو یا ظلم کیا ہو یا فریب کیا ہو یا دھوکا دیا ہو یا کسی کا حق مارا ہو یا اپنی بڑائی چاہی ہو یا حکومت حاصل کرنیکی کوشش کی ہو۔ ہر میدان میں تم نے مجھے آزمایا۔ اور ہر حالت میں تم نے مجھے پرکھا۔ مگر ہمیشہ میرے قدم کو جادۂ اعتدال پر دیکھا۔ اور ہر کھوٹ سے مجھے پاک پایا۔ حتّٰی کہ دوست اور دشمن سے مینے امین و صادق کا خطاب پایا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ کل شام تک تو مَیں امین تھا۔ صادق تھا۔ راستباز تھا۔ جھوٹ سے کوسوں دُور تھا۔ راستی پر فدا تھا۔ بلکہ راستی مجھ پر فخر کرتی تھی۔ ہر بات اور ہر معاملہ میں تم مجھ پر اعتبار کرتے تھے۔ اور میرے ہر قول کو تم قبول کرتے تھے۔ مگر آج ایک دن میں ایسا تغیر ہوگیا کہ مَیں بدتر سے بدتر اور گندہ سے گندہ ہوگیا۔ یا تو کبھی آدمیوں پر جھوٹ نہ باندھا تھا۔ یا اب خدا پر جھوٹ باندھنے لگا۔ اسقدر تغیر اور اسقدر تبدیلی کی۔ کیا قانون قدرت میں کہیں بھی مثال ملتی ہے۔ ایک دو دن کی بات ہوتی

بقیہ حاشیہ : کمزوری ہے۔ کیونکہ دائیں طرف ہمیشہ رؤیا میں دین اور یمن پر دلالت کرتی ہے پس دجال کے دائیں آنکھ سے کانے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ رُوحانیت سے بالکل کورا ہوگا۔ اور اسکے گدھے سے مراد یہ ریل ہے جو مسیحی ممالک میں ایجاد ہوئی ہے۔ اسکی رفتار بھی گدھے کے مشابہ ہے۔ اور یہ آگ اور پانی سے چلتی ہے۔ اور اسکے آگے اور پیچھے دھوئیں کے بادل ہوتے ہیں اور مسیحی پادری اسکی فائدہ اُٹھا کر ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں +

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تو تاویلیں ہیں۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے ثابت ہے کہ دجال کے .. .. متعلق جو اخبار ہیں وہ تاویل طلب ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابن صیاد کے دیکھنے کیلئے گئے جسکے متعلق عجیب و غریب خبریں مشہور تھیں۔ اس سے جو باتیں آپنے کیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ اسکو کچھ کچھ شیطانی القاء ہوتے ہیں۔ اسپر حضرت عمرؓ نے تلوار کھینچ لی اور قسم کھا کر کہا کہ یہی دجال ہے۔ اور اُسے قتل کرنا چاہا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کیا۔ اور فرمایا کہ اگر یہ دجال نہیں تو اس کا مارنا درست نہیں۔ اور اگر یہ دجال ہے تو اسکا مارنا مسیح کیلئے مقدر ہے تو

تو تم کہدیتے کہ تکلف سے ایسا بن گیا۔ سال دو سال کا معاملہ ہوتا۔ تو تم کہتے ہمیں دھوکا دینے کو اس نے یہ طریق اختیار کر رکھا تھا۔ مگر ساری کی ساری عمر تم میں گذار چکا ہوں۔ بچپن کو تم نے دیکھ لیا۔ جوانی کو تم نے مشاہدہ کیا۔ کہولت کا زمانہ تمہاری نظروں کے سامنے سے گذرا۔ اسقدر تکلف اور اسقدر بناوٹ کس طرح ممکن تھی۔ بچپن کے زمانہ میں جب اپنے بھلے بُرے کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ مینے بناوٹ کس طرح کی۔ جوانی جو دیوانی کہلاتی ہے۔ اس میں مینے فریب سے اپنی حالت کو کیونکر چھپایا۔ آخر کچھ تو سوچو کہ یہ فریب کب ہوا۔ اور کس نے کیا۔ اور اگر غور و فکر کرکے میری زندگی کو بے عیب اور بے لوث ہی نہ پاؤ بلکہ تم اُسے نیکی کا مجسمہ اور صداقت کی تمثال دیکھو۔ تو پھر سورج کو دیکھتے ہوئے رات کا اعلان نہ کرو۔ اور نور کی موجودگی میں ظلمت کی شکایت نہ کرو۔ تم کو میرے نفس کے سوا اور کس دلیل کی ضرورت ہے؟ اور میرے پچھلے چال چلن کو چھوڑ کر کس اور حجت کی حاجت ہے؟ میرا نفس مجھ پر گواہ ہے۔ اور میری زندگی مجھ پر شاہد ہے۔ اور اگر تم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر دیکھے۔ تو اُس کا دل اور اس کا دماغ

بقیہ حاشیہ : اسے مار نہیں سکتا۔ (مشکوٰۃ باب قصہ ابن صیاد)

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے متعلق جسقدر اخبار ہیں وہ تعبیر طلب ہیں کیونکہ جب حضرت عمرؓ نے ابن صیاد کو دجال قرار دیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو منع نہیں کیا۔ حالانکہ آپنے خود دجال کی یہ علامتیں بتائی تھیں کہ اسکے ماتھے پر کافر لکھا ہوا ہوگا (ترمذی عن انسؓ) اور یہ کہ وہ کانا ہوگا (ترمذی عن انس) اور یہ کہ وہ مدینہ میں نہیں آسکیگا (ترمذی عن ابی سعیدؓ) یہ تینوں باتیں ابن صیاد میں نہیں پائی جاتی تھیں وہ کانا نہ تھا۔ اسکے ماتھے پر کافر لکھا ہوا دوسرے مومنوں کو تو الگ رہا خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نظر نہیں آیا۔ اور وہ مدینہ میں موجود تھا۔ اگر دجال کی نسبت جسقدر اخبار تھیں وہ اپنی شکل میں پوری ہونیوالی تھیں۔ تو کیوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کے معاملہ میں تردد ظاہر کیا۔ اور انہیں بتایا کہ تو نے سنا نہیں کہ مَیں کہہ چکا ہوں کہ دجال کانا ہوگا۔ اسکے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا۔ وہ مدینہ میں داخل نہ ہوسکے گا۔ کیا آپکا حضرت عمرؓ کے قول کو رد نہ کرنا بلکہ تردد کا اظہار کرنا بتاتا نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ دجال کے متعلق جو باتیں بتائی گئی ہیں۔ وہ اصل الفاظ میں پوری نہ ہوں بلکہ کسی اور رنگ میں پوری ہو جائیں۔ اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دجال کے متعلق اخبار کو تعبیر طلب قرار دیتے تھے۔ تو اور کسی کا کیا حق ہے کہ وہ واقعات سے مُنہ موڑ کر الفاظ کو پکڑ کر بیٹھ جائے اور انکے معنوں و مطلب پر غور نہ کرے۔ منہ

بھی اس امر کی شہادت دیگا۔ کہ صداقت اسی سے قائم ہے۔ اور یہ صداقت ہی سے قائم ہے راستی کو اس پر فخر ہے اور اسکو راستی پر فخر ہے۔ یہ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے دوسری چیزوں کا محتاج نہیں اسکی مثال آفتاب آمد دلیل آفتاب کی سی ہے ✣

یہی وہ زبردست دلیل ہے جسنے ابوبکرؓ کے دل کو گھائل کیا۔ اور یہی وہ طاقتور دلیل ہے جو ہمیشہ صداقت پسند لوگوں کے دلوں کو زخمی کرتی چلی جائیگی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوے کیا ہے۔ اسوقت حضرت[1] ابوبکرؓ اپنے ایک دوست کے گھر پر تشریف رکھتے تھے۔ وہیں آپکی ایک آزاد لونڈی نے اطلاع دی کہ تیرے دوست کی بیوی کہتی ہے کہ اس کا خاوند اسی قسم کا نبی ہو گیا ہے جس قسم کا نبی موسیٰ کو بیان کرتے ہیں۔ آپ اسی وقت اٹھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر تشریف لے گئے۔ اور آپسے دریافت کیا۔ آپنے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس بات کو سنتے ہی آپ کے دعوی کو تسلیم کر لیا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپکے ایمان کے متعلق فرماتے ہیں۔ ما دعوتُ احدا الی الاسلام الا کانت عنده کبوةٌ ونظرٌ وتردّدٌ الا ما کان من ابی بکر ما عکم عنہ حین ذکرت له (ابن اسحٰق زرقانی جلد اول) یعنی میں نے کسی کو اسلام کی طرف نہیں بلایا۔ مگر اس کیطرف سے کچھ روک اور فکر اور تردد ظاہر ہوا۔ مگر ابوبکرؓ کے سامنے جب اسلام پیش کیا۔ تو وہ بالکل متردد نہیں ہوا۔ بلکہ اسنے خود اسلام کو قبول کر لیا۔ یہ کیا چیز تھی جسنے حضرت ابوبکر کو بغیر کسی نشان کے دیکھے رسول کریمؐ پر ایمان لانے کے لئے مجبور کر دیا۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفس ناطقہ تھا۔ جو اپنی سچائی کا آپ شاہد تھا ✣

حضرت خدیجہؓ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارث بھی اسی دلیل کو دیکھ کر ایمان لائے۔ بلکہ حضرت خدیجہؓ نے نہایت وضاحت سے اس دلیل کو اپنے ایمان کی وجہ کے طور پر بیان بھی کیا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں فرشتہ نظر آیا۔ اور آپنے آکر حضرت خدیجہؓ سے کل واقعہ بیان کر کے کہا کہ لقد خشیت علی نفسی (صحیح بخاری کتاب بدأ الوحی) کہ میں اپنی جان کے متعلق ڈرتا ہوں۔ تو اسوقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا کلا واللہ لا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (بخاری جلد ۲ زیر آیہ باسم ربک الذی خلق و بخاری جلد ۱ باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

[1] زرقانی جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۰

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم اللہ تجھ کو کبھی رسوا نہیں کریگا۔ تو تو رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا ہے۔ اور بیکس کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ اور وہ اخلاق فاضلہ جو اس زمانہ میں بالکل مفقود تھے تجھ میں پائے جاتے ہیں۔ اور تو مہمان کی مہمانداری کرتا ہے۔ اور لوگوں کی جائز مصائب میں انکی مدد کرتا ہے ✣

غرض نبی کی صداقت کی پہلی اندرونی دلیل اس کا نفس ہوتا ہے۔ جو بزبان حال اسکی سچائی پر گواہ ہوتا ہے۔ اور اسکی گواہی ایسی زبردست ہوتی ہے کہ اسکی موجودگی میں کسی اور معجزہ یا آیت کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اور یہ دلیل حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی سچائی ثابت کرنیکے لئے بھی اللہ تعالےٰ نے اُتاری ہے۔ آپ قادیان کے رہنے والے تھے جس میں ہندوستان کے تینوں مذاہب کے پیرو یعنی ہندو سکھ اور مسلمان بستے ہیں گویا آپ کی زندگی کے نگران تین قوموں کے آدمی تھے۔ آپ کے خاندانی تعلقات ان لوگوں سے ایسے نہ تھے کہ ان کو آپ سے کچھ ہمدردی ہو کیونکہ آپ کی ابتدائی عمر کے ایام میں انگریزوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور ان کی آمد کے ساتھ ہی قادیان کے باشندوں نے جو آپ کے آباء و اجداد کی رعایا میں سے تھے۔ اس انقلاب حکومت سے فائدہ اٹھا کر اپنی آزادی کے لئے جد و جہد شروع کر دی تھی۔ اور آپکے والد کے ساتھ تمام قصبہ کے باشندوں کے تنازعات اور مقدمات شروع ہو گئے تھے ✣

یہی نہیں کہ آپ ان مقدمات سے علیحدہ تھے۔ باوجود آپکی خلوت پسندی کے آپ کے والد صاحب نے حکماً کچھ عرصہ تک کے لئے آپ کو ان مقدمات کی پیروی کے لئے مقرر کر دیا تھا جسکی وجہ سے بظاہر آپ ہی لوگوں کے مدمقابل بنتے تھے ✣

سکھوں کو خاص طور پر آپکے خاندان سے عداوت تھی کیونکہ کچھ عرصہ کے لئے آپکے خاندان کو اس علاقہ سے نکالکر وہی یہاں کے حاکم بن گئے تھے پس اس خاندان کی ترقی ان پر شاق گذرتی تھی اور ایک قسم کی رقابت ان کے دلوں میں تھی ✣

آپ کو ابتدائی عمر سے اسلام کی خدمت کا شوق تھا۔ اور آپ مسیحی ہندو اور سکھ مذاہب کے خلاف تقریراً اور تحریراً مباحثات جاری رکھتے تھے جسکی وجہ سے ان مذاہب کے پیرووں کو طبعاً آپ سے پرخاش تھی ✣

مگر باوجود اسکے کہ سب اہل مذاہب سے آپ کے تعلقات تھے۔ اور سب سے مذہبی دلچسپی کی وجہ

سے مخالفت تھی۔ ہر شخص خواہ ہندو ہو۔ خواہ سکھ۔ خواہ عیسائی۔ خواہ مسلمان اس بات کا مقر ہے کہ آپکی زندگی دعوٰی سے پہلے نہایت بے عیب اور پاک تھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق فاضلہ آپ کو حاصل تھے۔ سچائی کو آپ کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ اور لوگوں کا اعتبار اور یقین آپ پر اسقدر بڑھا ہُوا تھا کہ آپ کے خاندان کے دشمن بعض دفعہ ان حقوق کے تصفیہ کے لئے جن کے متعلق ان کو آپکے خاندان سے اختلاف ہوتا۔ اس امر پر زور دیتے تھے۔ کہ آپ کو منصف مقرر کر دیا جائے جو فیصلہ آپ دیں۔ وہ انکو منظور ہوگا۔ غرض آپکے حالات سے واقف لوگ ہر امر میں آپ پر اعتبار کرتے تھے۔ اور آپکو راستی اور صداقت کا ایک مجسمہ یقین کرتے تھے۔ مسیحی۔ ہندو۔ سکھ گو مذہبی اختلاف آپسے رکھتے تھے۔ مگر اس امر کا اقرار کرتے تھے کہ آپکی زندگی مقدس زندگی ہے +

لوگوں کی جو رائے آپ کی نسبت تھی۔ اس کا ایک نمونہ میں ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلا ہُوا پیش کرتا ہوں۔ جو بعد میں آپ کا سخت مخالف ہوگیا۔ اور آپ کے دعوٰی پر اس نے سب سے پہلے آپکی تکفیر کا فتوٰی دیا۔ یہ صاحب کوئی معمولی شخص نہیں۔ بلکہ اہل حدیث کے لیڈر اور سردار مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں جنھوں نے آپکی ایک کتاب براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں آپ کی نسبت یُوں گواہی دی ہے :۔

”مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلینگے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ سے آجتک ہم میں اُن میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے۔ اسلئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم انکے حالات سے بہت واقف ہیں۔ مبالغہ قرار نہ دیئے جانے کے لائق ہے۔“ (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۶)

یہ بیان تو ان کا اس امر کے متعلق ہے کہ انکی شہادت یُونہی نہیں۔ بلکہ لمبے تجربہ اور صحبت کا نتیجہ ہے۔ اور اُنکی شہادت یہ ہے کہ :۔

”ہماری رائے میں یہ کتاب (حضرت صاحب کی کتاب براہین احمدیہ۔ مؤلف) اس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے جسکی نظیر آجتک اسلام میں تالیف نہیں

ہوئی۔ اور آیندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا۔ اور اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جسکی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم دیکھی جاتی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے۔ تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جسمیں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصًا فرقہ آریہ و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ کیا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے جنھوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھا لیا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعوٰی کیا ہو کہ جسکو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا غیر اقوام کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔“ (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۶)

یہ رائے آپ کے چال چلن اور خدمت اسلام کی نسبت اس شخص کی ہے جس نے آپکے دعوائے مسیحیت پر اُن آنکھوں سے کہ جسطرح جنکی زبانیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امین و صادق کہتے ہوئے خشک ہوتی تھیں۔ نہ صرف آپکے دعوٰی کا انکار کیا۔ بلکہ اپنی باقی عمر آپ کی تکفیر اور تکذیب اور مخالفت میں بسر کر دی۔ مگر دعوٰی کے بعد کی مخالفت کوئی حجت نہیں رکھتی۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص باوجود بنیبس (؟) سالوں میں آئی ہوئی زبان کیطرح مخالفوں اور دشمنوں کے نرغہ میں رہنے کے ہر دوست و دشمن سے اپنی صداقت کا اقرار کروالے۔ اور پھر وہ ایک ہی دن میں خدا پر جھوٹ باندھنے لگے۔ خدا تعالیٰ ظالم نہیں کہ ایسے شخص کو جو اپنی بے عیب زندگی کا دشمن سے بھی اقرار کروا لیتا ہے۔ یہ بدلہ دے کہ ایک ہی دن میں اشر الناس بنا دے۔ اور یا تو بڑی سے بڑی لالچ اور مہیب سے مہیب خطرہ اسے صداقت سے پھیر نہیں سکتا تھا۔ اور یا پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایسا مسخ کر دے کہ وہ اچانک خدا پر جھوٹ باندھنے لگے +

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں کو چیلنج پر چیلنج دیا کہ وہ آپکی پہلی زندگی پر حرف گیری کریں یا بتائیں کہ وہ آپ کو اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا حامل نہیں سمجھتے تھے۔ مگر کوئی شخص آپکے مقابلہ پر نہ آیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوٰی کیا کہ خدا تعالیٰ مجھے

بتاتا ہے کہ کبھی کوئی مخالف تیری سوانح پر کوئی داغ نہیں لگا سکے گا۔ (نزول المسیح صفحہ ۲۱۲) اور پھر اس دعوی کے مطابق متواتر مخالفوں کو چیلنج دیا کہ وہ آپکے مقدس چال چلن کے خلاف کوئی بات پیش کریں یا ثابت کریں کہ وہ آپکے چال چلن کو بچپن سے بڑھاپے تک ایک اعلیٰ اور قابل تقلید نمونہ اور بے عیب نہیں سمجھتے تھے۔ مگر باوجود بار بار مخالفوں کو اکسانے کے کوئی شخص آپکے خلاف نہیں بول سکا۔ اور اب تک بھی وہ لوگ زندہ ہیں۔ جو آپکی جوانی کے حالات کے شاہد ہیں۔ مگر باوجود سخت مخالفت کے وہ اس امر کی گواہی کو نہ چھپا سکتے تھے۔ اور نہ چھپا سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کا چال چلن حیرت انگیز طور پر اعلیٰ تھا۔ اور بقول بہت سے ہندوؤں اور سکھوں اور مسلمانوں کے آپ کی بچپن اور جوانی کی زندگی "اللہ والوں کی" زندگی تھی ٭

پس جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ناطقہ آپکی صداقت کا ایک زبردست ثبوت تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں مخالفوں کے سامنے بطور حجت کے پیش کیا ہے۔ اسی طرح مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی زندگی آپکی صداقت کا ثبوت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا آپکا اپنا نفس ہی آپ کی سچائی کا شاہد ہے ٭

چوتھی دلیل

غلبۂ اسلام بر ادیان باطلہ

چوتھی دلیل یا یوں کہنا چاہیئے کہ چوتھی قسم کے دلائل آپ کی صداقت کے ثبوت میں یہ ہیں کہ آپکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان پیشگوئی کو پورا کیا ہے۔ جسے قرآن کریم میں مسیح موعود کا خاص کام قرار دیا گیا ہے یعنی آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کر کے دکھا دیا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله (توبہ رکوع ۵ و فتح رکوع ۴) خدا ہی ہے جس نے کہ اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کر کے دکھا دے! ور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات زمانہ مسیح موعود میں ہو گی کیونکہ فتنۂ دجال کے

توڑنے اور یاجوج ماجوج کی ہلاکت اور مسیحیت کے [illegible] کا کام آپنے مسیح کے ہی سپرد بیان فرمایا ہے اور یہ فتنے تمام فتنوں سے بڑے بتائے گئے ہیں۔ اور یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ دجال یعنی مسیحیت کے حامی اسوقت سب ادیان پر غالب آجائینگے۔ پس انپر غالب ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ دیگر ادیان پر بھی اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے گا ٭

پس معلوم ہوا کہ لیظهره علی الدین کله سے مراد مسیح موعود کا ہی زمانہ ہے اور یہ استنباط ایسا ہے کہ قریباً تمام مسلمانوں کو اس سے اتفاق ہے۔ چنانچہ تفسیر جامع البیان کی جلد ۲۹ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وذٰلك عند نزول عیسیٰ بن مریم۔ یہ غلبۂ دین عیسیٰ بن مریم کے زمانہ میں ہو گا۔ اور قرائن عقلیہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیونکہ تمام ادیان کا ظہور جیسا اس زمانہ میں ہوا ہے اس سے پہلے نہیں ملتا۔ آپس میں میل جول کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے اور پریس کی ایجاد کے سبب سے کتب کی اشاعت میں سہولت پیدا ہو جانیکے سبب سے تمام ادیان کے پیروؤں میں ایک جوش پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس قدر مذاہب کی کثرت نظر آتی ہے کہ اس سے پہلے اسقدر کثرت نظر نہیں آتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو صرف چار دین ہی اسلام کے مقابلہ میں آئے تھے یعنی مشرکین مکہ کا دین۔ اور نصاریٰ کا دین اور یہود اور مجوس کا دین۔ پس اس زمانہ میں اس پیشگوئی کے ظہور کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ اس کا وقت اب آیا ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام ادیان ظاہر ہو گئے ہیں۔ اور نو ایجاد سواریوں اور تار اور پریس وغیرہا کی ایجاد سے مذاہب کا مقابلہ بہت شدت سے شروع ہو گیا ہے ٭

غرض قرآن کریم اور احادیث اور عقل صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا غلبہ ادیان باطلہ پر ظاہری طور پر مسیح موعود کے زمانہ میں ہی مقدر ہے۔ اور مسیح موعود کا اصل کام یہی ہے اس کام کو اسکے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اس کام کو بجا لائے اسکے مسیح موعود ہونے میں کچھ شک نہیں۔ اور واقعات سے ثابت ہے کہ یہ کام اللہ تعالےٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے ہاتھوں سے پورا کرا دیا ہے۔ پس آپ ہی مسیح موعود ہیں ٭

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے دعویٰ سے پہلے اسلام کی حالت ایسی نازک ہو چکی تھی کہ خود مسلمانوں میں سمجھدار اور زمانہ کی حالت سے آگاہ لوگ یہ پیشگوئیاں کرنے لگے تھے کہ چند دنوں

میں اسلام بالکل مٹ جائیگا۔ اور حالات اس امر کی طرف اشارہ بھی کر رہے تھے کیونکہ مسیحیت اس سرعت کے ساتھ اسلام کو کھاتی چلی جا رہی تھی۔ کہ ایک صدی تک اسلام کے بالکل مٹ جانے کا خطرہ تھا مسلمان مسیحیوں کے مقابلہ میں اس قدر زک پر زک اٹھا رہے تھے۔ کہ نومسلم اقوام تو الگ رہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یعنی سادات میں سے ہزاروں اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہوگئے تھے۔ اور نہ صرف عیسائی ہوگئے تھے۔ بلکہ اسلام اور بانی اسلام کے خلاف سخت گندہ لٹریچر شائع کر رہے تھے۔ اور منبروں پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پر ایسے دل آزار اتہام لگائے جاتے تھے کہ ایک مسلمان کا کلیجہ انکو سنکر چھلنی ہو جاتا تھا مسلمانوں کی کمزوری اسقدر بڑھ گئی تھی کہ وہ مُردہ قوم ہنود کی جسکو تبلیغ کے میدان میں کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اور جو ہمیشہ اپنے گھر کی حفاظت ہی کی کوشش اور وہ بھی ناکام کوشش کرتی رہی ہے۔ اسے بھی جرأت پیدا ہوگئی۔ اور اس میں سے بھی ایک فرقہ آریوں کا کھڑا ہو گیا۔ جس نے اپنا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا قرار دیا۔ اور اس کے لئے عملی طور پر جدوجہد بھی شروع کر دی۔ یہ نظارہ بالکل ایسا ہی تھا۔ جیسے کہ ایک بے خطا نشانچی کی نعش پر گدھ جمع ہو جاتے ہیں۔ یا تو وہ اس کے زور بازو سے ڈر کر اسکے قریب بھی نہ پھٹکا کرتے تھے یا اسکی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھانے لگتے ہیں۔ اور اسی کی ہڈیوں پر بیٹھ کر اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ بعض مسلمان مصنف تک جو اسلام کی تائید کے لئے کھڑے ہوتے تھے بجائے اسکی تعلیم کی خوبی ثابت کرنیکے اس امر کا اقرار کرنے لگ گئے تھے کہ اسلام کے احکام زمانہ جاہلیت کے مناسب حال تھے۔ اس لئے موجودہ زمانہ کی روشنی کے مطابق انپر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے +

اس اندرونی مایوسی اور بیرونی حملہ کے وقت حضرت اقدس مرزا غلام احمدؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی حفاظت کا کام شروع کیا۔ اور سب سے پہلا حملہ ہی ایسا زبردست کیا کہ دشمنوں کے ہوش و حواس گم ہوگئے۔ آپنے ایک کتاب براہین احمدیہ لکھی جس میں اسلام کی صداقت کے دلائل کو بوضاحت بیان فرمایا۔ اور دشمنان اسلام کو چیلنج دیا کہ اگر وہ اپنے مذاہب کے پانچواں حصہ دلائل بھی نکال دینگے تو آپ انکو دس ہزار روپیہ انعام دینگے۔ باوجود ناخنوں تک زور لگانیکے کوئی دشمن اس کتاب کا جواب نہ دے سکا۔ اور ہندوستان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک شور پڑ گیا کہ یہ کتاب اپنی آپ ہی نظیر

ہے۔ دشمن حیران رہ گئے کہ یا تو اسلام دفاع کی بھی طاقت نہ رکھتا تھا یا اس مرد میدان کے بیچ میں آکودنے کے سبب سے اسکی تلوار ادیان باطلہ کے سر پر اس زور سے پڑنے لگی ہے کہ انکو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے ہیں +

اس وقت تک آپنے مسیحیت کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ اور لوگوں میں آپکی مخالفت کا جوش پیدا نہ ہوا تھا اور وہ تعصب سے خالی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہزاروں مسلمانوں نے علی الاعلان کہنا شروع کر دیا کہ یہی شخص اس زمانہ کا مجدد ہے۔ بلکہ لدھیانہ کے ایک بزرگ نے جو اپنے زمانہ کے اولیاء میں سے شمار ہوتے تھے۔ یہاں تک لکھ دیا کہ ؎

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پر نظر * تم مسیحا بنو خدا کے لئے

اس کتاب کے بعد سے آپنے اسلام کی حفاظت اور اسکی تائید میں اسقدر کوشش کی کہ آخر دشمنان اسلام کو تسلیم کرنا پڑا کہ اسلام مُردہ نہیں بلکہ زندہ مذہب ہے۔ بلکہ ان کو فکر پڑ گئی۔ کہ ہمارے مذہب اسلام کے مقابلہ میں کیونکر ٹھہرینگے۔ اور اسوقت اس مذہب کی جو سب سے زیادہ اپنی کامیابی پر اتر رہا تھا۔ اور اسلام کو اپنا شکار سمجھ رہا تھا۔ یہ حالت ہے کہ اسکے مبلغ حضرت اقدسؑ کے خدام سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح گدھے شیروں سے بھاگتے ہیں اور کسی میں طاقت نہیں کہ وہ احمدی کے مقابلہ پر کھڑا ہو جائے۔ آج آپ کے ذریعہ سے اسلام سب مذاہب پر غالب ہو چکا ہے۔ کیونکہ دلائل کی تلوار ایسی کاری تلوار ہے کہ گو اسکی ضرب دیر بعد اپنا اثر دکھاتی ہے مگر اس کا اثر نہ مٹنے والا ہوتا ہے +

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیحیت گو ابھی اُسی طرح دُنیا کو گھیرے ہوئے ہے جس طرح پہلے تھی اور دیگر ادیان بھی اسی طرح قائم ہیں جس طرح پہلے تھے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انکی موت کی گھنٹی بج چکی ہے۔ اور انکی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔ رسم اور رواج کے اثر کے سبب سے ابھی لوگ اسلام میں اس کثرت سے داخل نہیں ہوتے۔ جس کثرت سے داخل ہونے پر انکی موت ظاہر بینوں کو نظر آسکتی ہے۔ مگر آثار ظاہر ہو چکے ہیں +

عقلمند آدمی بیج سے اندازہ لگاتا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے انپر ایسا وار کیا ہے کہ اسکی زد سے وہ جانبر نہیں ہو سکتے۔ اور جلد یا بدیر ایک مُردہ ڈھیر کی طرح اسلام کے قدموں پر گرینگے وہ وار

جو آپنے غیر مذاہب پر کئے ہیں۔ اور جن کا نتیجہ انکی یقینی موت ہے یہ ہیں:۔

مسیحی مذہب پر وار مسیحی مذہب پر تو آپ کا یہ وار ہے کہ مسیحی مذہب کی تمام کامیابی اس یقین پر تھی کہ حضرت مسیح صلیب پر مرکر لوگوں کے لئے کفارہ ہو گئے۔ اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ پر جا بیٹھے۔ ایک طرف انکی موت جسے "لوگوں کے لئے" ظاہر کیا جاتا تھا لوگوں کے دلوں میں انکی محبت کی لہر چلا دیتی تھی۔ اور دوسری طرف انکی زندگی اور آسمان پر خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ جا بیٹھنا انکی عظمت اور خدائی کا اقرار کروا لیتا تھا۔ آپ نے ان دونوں باتوں کو انجیل ہی سے غلط ثابت کرکے دکھایا۔ آپنے تاریخ سے ثابت کر دیا کہ مسیح کا صلیب پر مرنا ناممکن تھا کیونکہ صلیب پر لوگ تین تین دن تک زندہ رہتے تھے۔ اور مسیح کو صرف بقول اناجیل تین چار گھنٹہ صلیب پر رکھا گیا۔ بلکہ انجیل میں ہے کہ جب انکو صلیب سے اُتارا گیا۔ تو ان کے جسم پر نیزہ مارنے پر جسم سے زندہ خون نکلا (یوحنا ۱۹: ۳۱ تا ۳۴) اور مردہ کے جسم میں سے زندہ خون نہیں نکلا کرتا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ثابت کیا کہ حضرت مسیح نے پیشگوئی کی تھی۔ جو کہ اب تک اناجیل میں موجود ہے کہ آپ زندہ صلیب سے اُتر آئینگے آپ نے فرمایا کہ اس زمانہ کے لوگوں کو یونس نبی کا سا معجزہ دکھایا جائے گا۔ جس طرح وہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا تھا۔ اسی طرح ابن آدم تین دن رات قبر میں رہے گا (متی ۱۲: ۳۹ و ۴۰) اور یہ بات متفقہ طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ یونس نبی زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوا۔ اور زندہ ہی اسمیں سے باہر آیا۔ پس اسی طرح مسیح علیہ السلام زندہ ہی قبر میں ڈالے گئے۔ اور زندہ ہی اس میں سے نکالے گئے۔ چونکہ تمام دلائل کی بنیاد اناجیل پر ہی تھی۔ اس حربہ کا جواب مسیحی کچھ نہ دے سکتے تھے اور نہ اب دے سکتے ہیں۔ پس کفارہ اور مسیح کا دوسروں کی خاطر صلیب پر مارے جانے کا عقیدہ جو مسیحیت کیطرف لوگوں کو کھینچ کر لا رہے تھے۔ بالکل باطل ہو گئے۔ اور اسکی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ✢

دوسری ٹانگ مسیحیت کے بُت کی حضرت مسیح کے زندہ آسمان پر جانے اور خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھ جانے کی تھی۔ یہ ٹانگ بھی آپنے انجیلی دلائل سے ہی توڑ دی کیونکہ آپنے انجیل سے ہی ثابت کر دکھایا کہ مسیح علیہ السلام صلیب کے واقعہ کے بعد آسمان پر نہیں گئے۔ بلکہ ایران۔ افغانستان اور ہندوستان کیطرف چلے آئے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہا کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو اکٹھا کرنے آیا ہوں۔ (میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں مجھے انکا بھی لانا ضروری ہے۔ یوحنا ۱۰/۱۶) اور تواریخ سے ثابت ہے کہ بابل کے بادشاہ بخت النصر نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے دس کو قید کرکے افغانستان کیطرف جلاوطن کر دیا تھا۔ پس حضرت مسیح کے اپنے قول کے مطابق ان کا افغانستان اور کشمیر کیطرف آنا ضروری تھا۔ تاکہ وہ ان گم شدہ بھیڑوں کو خدا کا کلام پہنچا دیں۔ اگر وہ ادھر نہ آتے۔ تو اپنے اقرار کے مطابق انکی بعثت لغو اور عبث جاتی ✢

آپنے انجیلی شہادت کے علاوہ تاریخی اور جغرافیائی شہادت سے بھی اس دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا۔ چنانچہ پُرانی مسیحی تاریخوں سے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح کے حواری ہندوستان کیطرف آیا کرتے تھے اور یہ کہ تبت میں ایک کتاب بالکل انجیل کی تعلیم کے مشابہ موجود ہے جسمیں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسمیں عیسیٰؑ کی زندگی کے حالات ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسیح علیہ السلام ان علاقوں کیطرف ضرور آئے تھے۔ اسی طرح آپنے ثابت کیا کہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے۔ اور افغانستان اور کشمیر کے آثار اور شہروں کے نام اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان ممالک میں یہودی لاکر بسائے گئے تھے۔ چنانچہ کشمیر کے معنے جو کہ اصل میں کشیر ہے (جیسا کہ اصل باشندوں کی زبان سے معلوم ہوتا ہے) شام کے ملک کی مانند" کے ہیں ک کے معنی مثل کے ہیں۔ اور شیر شام کا نام ہے۔ اسی طرح کابل اور بہت سے دوسرے افغانی شہروں کے نام شام کے شہروں کے ناموں سے ملتے ہیں۔ اور افغانستان اور کشمیر کے باشندوں کے چہروں کی ہڈیوں کی بناوٹ بھی بنی اسرائیل کے چہروں کی بناوٹ سے ملتی ہے۔ مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ آپنے تاریخ سے مسیح کی قبر کا بھی پتہ نکال لیا۔ جو کہ کشمیر کے شہر سرینگر کے محلہ خان یار میں واقع ہے۔ کشمیر کی پُرانی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نبی کی قبر ہے جسے شہزادہ نبی کہتے تھے۔ اور جو مغرب کیطرف سے انیس سو سال ہوئے آیا تھا۔ اور کشمیر کے پُرانے لوگ اسے عیسیٰ صاحب کی قبر کہتے ہیں ✢

غرض متفرق واسطوں سے پہنچنے والی روایات کے ذریعہ سے آپنے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح فوت ہو کر کشمیر میں دفن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ انکے حق میں پُورا ہو چکا ہے کہ وَاٰوَیْنٰھُمَا اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ (مؤمنون رکوع ۳) اور ہم نے مسیح اور اسکی ماں کو ایک ایسے مقام پر جگہ دی کہ جو اونچی جگہ ہے۔ اور پھر سے بھی میدان ہیں۔ اور اسمیں چشمے بھی بہت سے پھوٹتے ہیں۔

اور یہ تعریف کشمیر پر بالکل صادق آتی ہے ٭

غرض مسیح کی زندگی کے حالات انکی موت تک ثابت کرکے اور انکی قبر تک کا نشان نکال کر حضرت مسیح موعودؑ نے مسیح کی خدائی پر ایسا زبردست حملہ کیا ہے کہ مسیح کی خدائی کا عقیدہ ہمیشہ کیلئے ایک مُردہ عقیدہ بن گیا ہے۔ اور اب کبھی بھی مسیحیت دوبارہ سر نہیں اُٹھا سکتی ٭

سب مذاہب کے لئے ایک ہی ہتھیار

چونکہ مسیحی مذہب کیا بلحاظ سیاسی فوقیت کے اور کیا بلحاظ وسعت کے اور کیا بلحاظ اپنی تبلیغی کوششوں کے اور کیا بلحاظ علمی ترقی کے اس زمانہ میں دوسرے تمام ادیان پر ایک فوقیت رکھتا تھا۔ اس لئے اسکے لئے تو اللہ تعالےٰ نے آپکو خاص ہتھیار عطا فرمائے مگر باقی تمام مذاہب کے لئے ایک ہی ایسا ہتھیار دیا کہ جسکی زد سے کوئی مذہب بچ نہیں سکتا۔ اور ہر مذہب کے پیرو اسلام کا شکار ہوگئے ہیں وہ ہتھیار یہ ہے کہ ہر مذہب کے پہلے بزرگوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آخری ایام دنیا میں ایک مصلح کی خبر دے رکھی تھی۔ اور اس خبر کی وجہ سے سب مذاہب ایک نبی یا اوتار یا جو نام بھی اس کا انھوں نے رکھا ہوا تھا۔ اسکے منتظر تھے اور اپنی تمام ترقیات کو اس سے وابستہ سمجھتے تھے ہندوؤں میں بھی ایسی پیشگوئیاں تھیں۔ اور زرتشتیوں میں بھی تھیں۔ اور دیگر چھوٹے بڑے ادیان کے پیروؤں میں بھی تھیں۔ اور ان سب پیشگوئیوں میں آنے والے موعود کا زمانہ بھی بتایا گیا تھا یعنی چند علامات اسکے زمانہ کی بطور شناخت بتا دیگئی تھیں۔ اللہ نے مسیح موعود پر یہ کھول دیا۔ کہ یہ جسقدر پیشگوئیاں ہیں اور انمیں جو علامات بتائی گئی ہیں۔ سب ملتی جلتی ہیں۔ اور اگر بعض پیشگوئیوں میں بعض دوسریوں سے زائد علامات بھی بتائی گئی ہیں۔ تو وہ بھی اسی زمانہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں جس طرف کہ باقی علامات۔ پس یہ تمام نبی یا اوتار ایک ہی زمانہ میں آنے والے ہیں ٭

اب ادھر تو ان پیشگوئیوں کا ہزاروں سالوں کے بعد اس زمانہ میں آکر پورا ہو جانا بتاتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کیطرف سے تھیں انسان یا شیطان کیطرف سے نہ تھیں کیونکہ آیت فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (جن رکوع ۲) اس کا فیصلہ کر رہی ہے۔ اور دوسری طرف یہ بات بالکل خلاف عقل ہے کہ ایک ہی زمانہ میں ہر قوم اور ملت میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے رسول یا نبی یا اوتار کھڑے کئے جاویں۔ جن کا یہ کام ہو کہ وہ اس قوم کو دوسری اقوام پر غالب کریں۔ گویا خدا کے نبی ایک دوسرے کا مقابلہ کریں۔ اور پھر یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ ایک ہی وقت میں ہر قوم دوسری اقوام پر غالب آ جائے۔ پس ایک طرف ان پیشگوئیوں کا سچا ہو کر ثابت ہونا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور دوسری طرف ان کا مختلف وجودوں پر پورا ہونا باعث فساد بلکہ خلافِ عقل ہونا اس بات پر شاہد ہے کہ درحقیقت ان تمام پیشگوئیوں میں ایک ہی وجود کی خبر دیگئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا۔ کہ پہلے اقوام عالم میں ایک وجود کا انتظار پیدا کرائے۔ اور جب وہ آجائے۔ تو اس کے منہ سے اسلام کی صداقت کی شہادت دلا کر اُن ادیان کے پیروؤں کو اسلام میں داخل کرے۔ اور اسلام کو ان ادیان پر غالب کرے پس مہدی کوئی نہ تھا مگر مسیح۔ اور کرشن کوئی نہ تھا مگر مسیح۔ اور مہدی اور زرتشتیوں کا مسیو در بھی کوئی نہ تھا۔ مگر وہی جو کرشن اور مہدی اور مسیح تھا۔ اور اسی طرح دوسری اقوام کے موعود درحقیقت ایک ہی شخص تھے۔ اور غرض مختلف ناموں کے ذریعہ سے پیشگوئی کرنے کی یہ تھی کہ اپنے نبیوں سے اسکی خبر سُنکر اور اپنی زبان میں اس کا نام دیکھ کر وہ اُسے اپنا سمجھیں۔ غیر خیال نہ کریں حتّٰی کہ وہ زمانہ آجاوے۔ کہ جب وہ موعود ظاہر ہو۔ اور اسکے وقت میں سب پیشگوئیوں کو پورا ہوتے دیکھ کر انکی صداقت کا اقرار کرنا پڑے۔ اور اسکی شہادت پر وہ اسلام کو قبول کریں

اس پُرحکمت عمل کی مثال بالکل یہ ہے کہ کوئی شخص بہت سی اقوام کو لڑتا دیکھ کر ان سے خواہش کرے کہ وہ ثالثوں کے ذریعہ سے فیصلہ کر لیں۔ اور جب وہ اپنے اپنے ثالث مقرر کر چکیں تو معلوم ہو۔ کہ وہ ایک ہی شخص کے مختلف نام ہیں اور اس کے فیصلہ پر سب کی صلح ہو جائے ٭

غرض یہ ثابت کرکے کہ مختلف مذاہب میں جو آخری زمانہ کے موعود کے متعلق پیشگوئیاں ہیں وہ اس زمانہ میں پُوری ہو چکی ہیں۔ اور پھر یہ ثابت کرکے کہ ایک ہی وقت میں کئی موعود جنکی غرض یہ ہو کہ سب دُنیا میں صداقت کو پھیلائیں۔ اور اپنی قوم کو غالب کریں۔ ناممکن ہے۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ درحقیقت سب مذاہب مختلف ناموں کے ساتھ ایک ہی موعود کو یاد کر رہے تھے۔ اور وہ موعود آپ ہیں۔ اور چونکہ نبی کسی قوم کا نہیں ہوتا۔ جو خدا کے لئے اس کے ساتھ ہو۔ وہ اس کا ہوتا ہے۔ اسلئے وہ گویا ہر مذہب کے پیروؤں کے اپنے ہی آدمی ہیں۔ اور آپکے ماننے سے ان کی تمام ترقیات وابستہ ہیں۔ اور آپ کو ماننے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اسلام میں داخل ہوں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ پیشگوئی پُوری ہو جائے کہ مسیح موعودؑ اس لئے نازل ہوگا تا لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

اسکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دین اسلام کو سب دینوں پر غالب کرے ؁

یہ حربہ ایسا کاری ہے کہ کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہر مذہب میں آخری مصلح کی پیشگوئی موجود ہے۔ اور جو علامات بتائی گئی ہیں۔ وہ اس زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں لیکن مدعی سوائے آپ کے اور کوئی کھڑا نہیں ہوا۔ پس یا تو اپنے مذاہب کو لوگ جھوٹا سمجھیں یا مجبور ہو کر تسلیم کریں کہ یہ اسلام کا موعود ہی الٰہی کتابوں کا موعود تھا۔ اور اسپر ایمان لائیں۔ ان دو صورتوں کے سوا اور کوئی تیسری صورت مذاہب عالم کے پیرؤوں کے لئے کھلی نہیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اگر دیگر ادیان کے پیرو اپنے مذاہب کو جھوٹا سمجھ کر چھوڑ بیٹھیں۔ تب بھی اسلام غالب رہا۔ اور اگر وہ ان مذاہب کو سچا کرنے کے لئے انکی پیشگوئی کے مطابق اس زمانہ کے مصلح کو قبول کر لیں۔ تب بھی اسلام غالب رہا ؁

یہ وہ حملہ ہے کہ جوں جوں مذاہب غیر کے پیرؤوں پر اس حملہ کا اثر ہوگا وہ اسلام کے قبول کرنے پر مجبور ہونگے۔ اور آخر اسلام ہی دنیا میں نظر آنے لگے گا۔ مسیح موعود نے سنت انبیاء کے ماتحت بیج بو دیا ہے۔ درخت اپنے وقت پر نکل کر پھل دے گا۔ اور دنیا اس کے پھلوں کی شیرینی کی گرویدہ ہو کر اس کے سایہ کی ٹھنڈک کی قائل ہو کر مجبور ہوگی کہ اسی کے نیچے آکر بیٹھے ؁

ایک دین اس حملہ کی زد سے کسی قدر بچ رہتا تھا یعنی سکھوں کا دین۔ کیونکہ باوا نانک صاحب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں۔ گو ان کے ہاں بھی ایک آخری مصلح کی پیشگوئی موجود ہے بلکہ صاف لکھا ہے کہ وہ بٹالہ کے علاقہ میں ہوگا۔ (بٹالہ وہ تحصیل ہے جس میں قادیان کا قصبہ واقع ہے گویا یہ پیشگوئی نقطاً لفظاً پوری ہو چکی) لیکن انکی طرف سے یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ تو آپ کے بعد اس مذہب کی بنیاد کیونکر پڑی۔ سو اس مذہب کی اصلاح اور اس کو اسلام میں لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپکو یہ حربہ دیا کہ آپ کو رؤیا میں بتایا گیا کہ باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی نیا دین نہیں نکالا۔ بلکہ وہ پکے مسلمان تھے ؁

اے بادشاہ! آپ یہ سُنکر تعجب کرینگے کہ یہ بظاہر عجیب نظر آنیوالی بات ایسے زبردست دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ہزاروں سکھوں کے دلوں نے اس امر کی صداقت کو قبول کر لیا۔ اور وہ سکھ جو اس سے پہلے اپنے آپ کو ہندوؤں کا جزو قرار دیا کرتے تھے بڑے زور سے جدوجہد کرنے لگے

کہ وہ ہندوؤں سے علیحدہ ہو جائیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اس دعویٰ سے پہلے سکھ گوردواروں میں ہندوؤں کے بُت رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ اس دعویٰ کے بعد گو سکھ قوم نے بہ حیثیت قوم اسلام کو تو قبول نہیں کیا۔ مگر ایسا تغیر عظیم ایمیں واقع ہوا کہ اس نے گوردواروں میں سے بُت چُن چُن کر باہر پھینکنے شروع کر دیئے۔ اور اپنے ہندو ہونے سے صاف انکار کر دیا ؁

حضرت اقدسؑ نے اس رؤیا کے بعد جب تحقیق کی۔ تو معلوم ہوا کہ گرنتھ صاحب جو باوا صاحب علیہ الرحمۃ کے مواعظ کی کتاب ہے اسمیں نماز پنجگانہ اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج کی سخت تاکید ہے بلکہ انکے بجا نہ لانے پر سخت تہدید کی گئی ہے۔ بلکہ سکھوں کی کتب سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ باوا صاحب علیہ الرحمۃ مسلمان اولیاء کے ساتھ جا کر رہا کرتے تھے۔ انکے مقابر پر اعتکاف کرتے تھے۔ انکے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ بلکہ آپ حج کو بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور بغداد وغیرہا اسلامی آثار کی بھی آپنے زیارت کی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات معلوم ہوئی کہ باوا صاحب کا ایک کوٹ ہے جسے سکھ صاحبان نے بطور تبرک رکھا ہوا ہے۔ اور انہی کے قبضہ میں ہے۔ اسپر سُوَر و آیات قرآنیہ جیسے سورۂ اخلاص و آیۃ الکرسی و آیت ان الدین عند اللہ الاسلام لکھی ہوئی ہیں۔ اور کلمۂ شہادت جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ سکھ صاحبان بوجہ عربی سے ناواقفیت کے اس کلام کو آسمانی رموز سمجھتے رہے۔ اور یہ نہ معلوم کر سکے کہ یہ باوا صاحب علیہ الرحمۃ کا اعلان اسلام ہے۔ آپ نے ان زبردست دلائل کو جو خود سکھ صاحبان کی کتب سے مستنبط ہیں یا انکے پاس جو تبرکات محفوظ ہیں جن پر انکی بنیاد ہے بڑے زور و شور سے سکھوں میں پھیلانا شروع کیا۔ اور انکو توجہ دلائی کہ باوا صاحب علیہ الرحمۃ مسلمان تھے۔ یہ حربہ سکھوں کے اندر تغیر پیدا کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہو چکا ہے۔ اور امید ہے کہ جوں جوں سکھ صاحبان اصل حقیقت سے واقف ہونگے۔ انپر ثابت ہوتا جائیگا کہ وہ ہمارے بچھڑے ہوئے بھائی ہیں۔ اسلام ہی اُن کا مذہب ہے۔ اور وہ کئی سو سال پہلے کے سیاسی جھگڑوں کو جن کا اصل باعث جیسا کہ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے مسلمان نہ تھے بلکہ ہندو صاحبان تھے دین حق کی قبولیت کے راستہ میں روک نہ بننے دینگے۔ بلکہ اپنی مشہور بہادری سے کام لیکر تمام عوائق کو دور کر کے ست سری اکال کے نعرے لگاتے ہوئے اسلام کی صف میں آکھڑے ہونگے اور بٹالہ کے پرگنہ میں ظاہر ہونیوالے مصلح پر ایمان لا کر مومنوں کی جماعت میں شامل ہو کر کفر و بدعت کے مقابلہ میں ہمہ تن مشغول ہو جائینگے ؁

تیسرا امر یہ جس سے آپ نے اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کر دیا۔ اور جسکی موجودگی میں کوئی مذہب اسلام کی طرف مُنہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہے کہ آپ نے دُنیا کا نقطۂ نظر بالکل بدل دیا ہے۔ آپؐ کے دعوے سے پہلے تمام مذاہب کی بحث اس طرز پر ہوتی تھی کہ ہر ایک دوسرے مذہب کے پیرووں کو جھوٹا قرار دیتا تھا۔ اِلّا ماشاء اللہ یہودی حضرت مسیح کو۔ مسیحی رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ زرتشتی ان تینوں مذاہب کے انبیاء کو۔ اور ان تینوں مذاہب کے پیرو زردشتیوں کے انبیاء کو۔ پھر یہ چاروں دوسری دُنیا کے سب بزرگوں کو۔ اور ان کی اقوام کے لوگ ان چاروں مذاہب کے بزرگوں کو سب آپس میں ایک دوسری قوم کے بزرگ کو جھوٹا قرار دیتے تھے۔ یہ عجیب قسم کی جنگ تھی۔ جس میں ہر قوم دوسری قوم سے لڑ رہی تھی۔ مگر عقلمند آدمی کو سب مذاہب میں ایسے ثبوت ملتے تھے۔ جن سے اُن کا سچا ہونا ثابت ہوتا تھا۔ پس وہ حیران تھا کہ سب مذاہب کے اندر سچائیاں پائی جاتی ہیں۔ اور سب مذاہب ایک دوسرے کے بزرگوں کو جھوٹا بھی کہہ رہے ہیں۔ یہ بات کیا ہے؟

اِس جنگ کا نتیجہ یہ تھا کہ تعصب بڑھ رہا تھا۔ اور اختلاف ترقی کر رہا تھا۔ ایک طرف ہندو اپنے بزرگوں کے حالات کو پڑھتے تھے۔ اور انکی زندگیوں میں اعلیٰ درجہ کے اخلاقی کمال دیکھتے تھے دوسری طرف دوسرے مذاہب کے پیرووں سے سُنتے۔ کہ وہ جھوٹے اور فریبی تھے۔ تو انکو اُن کی عقل پر حیرت ہوتی تھی۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں کو تعصب نے اندھا کر دیا ہے۔ دوسری طرف دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے بزرگوں کی نسبت خلاف باتیں سُنکر غم و غصہ سے بھر جاتے تھے غرض ایک ایسا لاینحل عقدہ پیدا ہو گیا تھا۔ جو کسی کے سلجھانے سے نہ سلجھتا تھا۔ جو لوگ تعصب سے خالی ہو کر سوچتے تھے۔ کہ رب العالمین خدا نے کس طرح اپنے بندوں میں سے ایک قوم کو چُن لیا۔ اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔ مگر اس سوال کو پیش کرنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہ سوال اسکے مذہب کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینک دیتا تھا ✤

ہنود نے اس عقدہ کو بزعم خود اس طرح حل کیا ہُوا تھا۔ کہ سب مذاہب خدا کیطرف سے ہیں اور بمنزلہ ان مختلف راستوں کے ہیں۔ جو ایک محل کیطرف جاتے ہیں۔ اور ہندو مذہب سب سے افضل ہے مگر یہ عقدہ کشائی بھی دُنیا کے کام کی نہ تھی۔ کیونکہ اسپر دو بڑے زبردست اعتراض ہوتے تھے جن کا کوئی جواب نہ تھا۔ ایک تو یہ کہ اگر سب مذاہب اپنی موجودہ حالت میں خدا کیطرف سے ہیں۔ اور خدا تک

پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ تو پھر ان میں اُصولی اختلاف کیوں ہے۔ بیشک تفاصیل میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر اُصول میں نہیں ہو سکتا۔ ایک شہر کو کئی راستے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ مشرق کیطرف جانے والے راستوں میں سے بعض مغرب کیطرف سے جائیں۔ اور بعض شمال کیطرف سے۔ اور بعض جنوب کیطرف سے۔ وہ تھوڑا تھوڑا چکر کھا سکتے ہیں۔ مگر جائینگے سب ایک ہی جہت کو۔ دائمی صداقتوں میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا یہ مانا کہ خدا نے ایک جماعت کو ایک قسم کی عبادت کا حکم دیا۔ اور دوسری کو دوسری قسم کی عبادت کا۔ لیکن عقل سلیم اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایک جماعت[1] کو کہا۔ کہ مَیں ایک خدا ہوں اور دوسری[2] کو کہا کہ مَیں دو ہوں۔ اور تیسری[3] کو باپ بیٹا رُوح القدس کی تعلیم دی۔ اور چوتھی[4] کو لاکھوں بتوں میں خدائی طاقتوں کا عقیدہ سکھایا۔ اور پانچویں[5] کو ہر چیز کا الگ دیوتا بتایا۔ یا یہ کہ ایک[6] سے کہا کہ اسکی ذات بالکل منزہ ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ تجسم اختیار کرے۔ دوسری[7] کو بتایا کہ انسانی جسم میں وہ حلول کر سکتا ہے۔ اور تیسری[8] کو یہ بتایا کہ وہ ادنیٰ جانوروں حتیٰ کہ سؤر تک کی شکل اختیار کر لیتا ہے یا مثلاً یہ کہ ایک کو تو اس نے بتایا کہ بعث[9] بعد الموت حق ہے۔ دوسری[10] کو یہ بتایا۔ کہ بعث بعد الموت نہیں ہے ایک کو کہا[11]۔ کہ مُردے زندہ ہو کر دُنیا میں نہیں آتے۔ دوسری[12] سے کہا۔ کہ انسان مرنے کے بعد نئی نئی جونوں میں واپس آتا ہے۔ غرض یہ تو ممکن ہے کہ احکام خدا تعالیٰ مختلف اقوام کے حالات کو دیکھ کر بیان فرما دے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ واقعات اور دائمی صداقتیں بھی مختلف اقوام کو مختلف طور پر بتائے لیکن چونکہ موجودہ مذہب میں صرف احکام میں اختلاف نہیں۔ بلکہ دائمی صداقتوں میں اختلاف ہے اس لئے ان سب کو خدا تعالیٰ کی طرف جانے والے مختلف راستے نہیں کہہ سکتے ✤

دوسرا اعتراض اس عقیدہ پر یہ پڑتا تھا کہ ہندو لوگ ایک طرف تو اپنے مذہب کو سب مذاہب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف اسے سب سے پُرانا مذہب قرار دیتے ہیں۔ عقل سلیم اسے تسلیم نہیں کر سکتی۔ کہ خدا تعالیٰ نے افضل مذہب اُتار کر پھر ادنیٰ مذاہب اُتارے۔ جبکہ انسان اپنی ابتدائی حالت میں کامل مذہب کو قبول کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ تو پھر بعد میں علوم و فنون میں ترقی حاصل کرنے پر اسکی طرف ادنیٰ دین اُتارنے کی کیا وجہ تھی۔ بعد میں تو وہی دین آسکتا ہے۔ جو پہلے سے زیادہ

[1] اہل اسلام و یہود [2] پارسی [3] مسیحی [4] ہنود [5] چینی [6] مسلمانوں کو [7] مسیحیوں کو [8] ہنود [9] اہل اسلام [10] یہود کے بعض قبائل [11] اہل اسلام [12] ہنود ✤

مکمل ہو۔ یا کم سے کم ویسا ہی دین ہو ÷

یہ دو اعتراض ایسے تھے کہ جن کا جواب اس عقیدہ کے پیش کرنے والوں سے کچھ نہ بنتا تھا اور یہ اعتراض قائم رہتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ دنیا کی ہدایت کے لئے ابتدائے عالم سے کیا سامان کرتا چلا آیا ہے مسیحیوں نے اس عقدہ کا یہ حل بتایا کہ خدا نے مسیح کے ذریعہ سب دُنیا کو ہدایت کی طرف بلایا ہے۔ اس لئے اسپر کسی قوم کی طرفداری کا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ حل بھی صحیح نہ تھا۔ کیونکہ اس سے بھی یہ سوال حل نہ ہوتا تھا کہ مسیح کی آمد سے پہلے خدا نے دنیا کی ہدایت کے لئے کیا سامان کیا تھا۔ بائبل سے تو ہمیں اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ دوسری اقوام کے لئے اسکی تعلیم نہ تھی پس مسیح کے بعد لوگوں کے لئے گو دروازہ کھولا گیا۔ مگر اس سے پہلے جو کروڑوں کروڑ لوگ دیگر اقوام کے گذر گئے۔ انکی ہدایت کے لئے خدا تعالےٰ نے کیا سامان کیا ÷

غرض یہ سوال بلا شافی جواب کے پڑا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں کو اندر ہی اندر کھا رہا تھا کہ حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم سے استدلال کر کے اس نقطۂ نگاہ کو ہی بدل دیا۔ جو اسوقت تک دُنیا میں قائم تھا۔ اور بتایا کہ قرآن کریم کی یہ تعلیم ہے کہ وان من اُمّۃٍ الّا خلا فیھا نذیر (سورۂ فاطر رکوع ۳) کوئی قوم ایسی نہیں گذری کہ جس میں ہم نے رسُول نہیں بھیجا۔ پس ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کے رسُول گذر چکے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ ہندوستان بلا نبیوں کے تھا یا چین بلا نبیوں کے تھا یا رُوس بلا نبیوں کے تھا یا افغانستان بلا نبیوں کے تھا یا افریقہ بلا نبیوں کے تھا یا یُورپ بلا نبیوں کے تھا یا امریکہ بلا نبیوں کے تھا۔ نہ ہم دوسری اقوام کے بزرگوں کا حال منکران کا انکار کرتے ہیں۔ اور نہ اُن کو جھوٹا قرار دیتے ہیں کیونکہ ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ ہر قوم میں نبی گذر چکے ہیں۔ دوسری اقوام میں نبیوں اور شریعتوں اور کتابوں کا پایا جانا ہمارے مذہب کے خلاف اور اس کے راستہ میں روک نہیں ہے۔ بلکہ اسمیں اسکی تصدیق ہے۔ ہاں ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ زمانہ کے حالات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے پہلے مختلف اقوام کی طرف نبی بھیجے اور بعد میں جب انسان اس کامل شریعت کو قبول کرنے کے قابل ہو گیا۔ جو محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت آئی۔ تو اس نے آپ کو سب دُنیا کی طرف مبعوث کر کے بھیجدیا۔ پس کوئی قوم بھی ہدایت سے محروم نہیں رہی۔ اور باوجود اسکے اسلام ہی اسوقت ہدایت کا راستہ ہے۔ کیونکہ یہ آخری دین

اور مکمل دین ہے۔ جب مکمل دین آگیا۔ تو پہلے دین منسوخ کئے گئے۔ اور ان دینوں کے منسوخ کئے جانے کی یہ بھی علامت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اب انکی حفاظت چھوڑ دی ہے۔ ان میں انسانی دست بُرد ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ صداقت سے کوسوں دُور جا پڑے ہیں۔ اور انکی شکلیں مسخ ہو چکی ہیں۔ وہ سچے ہیں بلحاظ اپنی ابتداء کے۔ اور جھوٹے ہیں بلحاظ اپنی موجودہ شکل کے۔ یہ نقطۂ نظر۔ جو آپنے قائم کیا۔ ایسا ہے کہ اس سے کوئی شخص پیچھے ہٹ نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر اس اصل کو تسلیم نکیا جائے۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ بعض بندوں کو ہدایت کرتا ہے۔ اور بعض انسانوں کو بلا ہدایت کے سامان پیدا کرنے کے یونہی چھوڑ دیتا ہے۔ اور اسے عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ اور اگر وہ اس اصل کو تسلیم کر لیں تو انکو اسلام کی صداقت کا قائل ہونا پڑتا ہے کیونکہ اسلام سب سے آخری دین ہے اور اس لئے بھی کہ اسلام ہی نے اس صحیح اور درست اصل کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے ÷

یہ حربہ ایسا زبردست حربہ ہے۔ کہ تعلیم یافتہ طبقہ اور وسیع الخیال جماعت جو خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ اگر اس اصل کو جو حضرت اقدس نے پیش کیا ہے چھوڑ دیں۔ تو خدا تعالیٰ کو بھی ساتھ ہی چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور یہ وہ کر نہیں سکتے۔ اور اگر اس اصل کو قبول کر لیں۔ تو پھر اسلام کو بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کے سوا انکے لئے اور کوئی چارہ نہیں۔ پس دنیا کے نقطۂ نگاہ کو جو پہلے نہایت تنگ تھا۔ بدل دینے سے حضرت مسیح موعود نے اسلام کے غلبہ کا ایک یقینی سامان پیدا کر دیا ہے ÷

چوتھا حربہ جو آپنے اسلام کو غالب کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اور جس نے اسلام کے خلاف تمام مباحثات کے سلسلہ کو بدل دیا ہے۔ اور غیر مذاہب کے پیروان کے ہوش اُڑا دیئے ہیں یہ ہے کہ آپ نے خدا تعالیٰ کی ہدایت سے رائج الوقت علم کلام کو بالکل بدل دیا۔ اور اس کے ایسے اُصول مقرر فرمائے کہ نہ تو دشمن انکار کر سکتا ہے۔ اور نہ انکے مطابق وہ اسلام کے مقابلہ میں ٹھہر سکتا ہے۔ اگر وہ ان اُصول کو رد کرتا ہے تب بھی مرتا ہے۔ اور اگر قبول کرتا ہے تب بھی مرتا ہے نہ فرار میں اسے نجات نظر آتی ہے نہ مقابلہ میں حفاظت ÷

آپ سے پہلے تنقید اور مباحثہ کا یہ طریق تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر جو چاہتا اعتراض کرتا چلا جاتا تھا۔ اور اپنی نسبت جو کچھ چاہتا تھا کہتا چلا جاتا تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب مناظرہ کا

میدان غیر محدود ہو جائے۔ تو مقابلہ کا نتیجہ کچھ نہیں نکل سکتا۔ جب چند سوار دوڑنے لگتے ہیں تو بعض قواعد کے مطابق دوڑتے ہیں۔ تب جاکر جیتنے والے کا پتہ لگتا ہے۔ اگر کوئی کسی طرف کو اور کوئی کسی طرف کو دوڑ جائے۔ تو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ کون جیتا۔ اس طرح دوڑنیوالوں کے متعلق ہم کبھی بھی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح مذہبی تحقیق کے معاملہ میں جبتک حدبندی نہ ہو۔ رائے قائم نہیں کیجا سکتی۔ پہلے یہ طریق تھا کہ ہر شخص کو جو بات اچھی معلوم ہوئی۔ خواہ کسی کتاب میں پڑھی ہو اپنے مذہب کیطرف منسوب کر دی۔ اور کہدیا کہ دیکھو ہمارے مذہب کی تعلیم کیسی اچھی ہے۔ گویا اصل مذاہب کے متعلق کوئی گفتگو ہی نہ ہوتی تھی بلکہ علماء اور مباحثین کے ذاتی خیالات پر گفتگو ہوتی رہتی تھی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ متلاشیانِ حق کو فیصلہ کرنیکا کوئی موقعہ نہ ملتا تھا۔ آپنے آکر اس طریق مباحثہ کو خوب وضاحت سے غلط ثابت کیا۔ اور بتایا کہ اگر خدا تعالیٰ کیطرف سے آنیوالی کتاب ہماری ہدایت کیلئے آئی ہے تو چاہیئے کہ جو کچھ وہ ہمیں منوانا چاہتی ہے۔ وہ بھی اسمیں موجود ہو۔ اور جن دلائل کی وجہ سے وہ ہمیں منوانا چاہتی ہے وہ بھی اسمیں موجود ہوں۔ کیونکہ اگر خدا کا کلام دعویٰ اور دلائل دونوں سے خالی ہے تو پھر اس کا ہمیں کیا فائدہ ہے۔ اور اگر دعویٰ بھی ہم پیش کرتے ہیں اور دلائل بھی ہم ہی دیتے ہیں تو پھر خدا کے کلام کا کیا فائدہ ؟ اور ہمارا مذہب خدا کا دین کہلانے کا کب مستحق ہے۔ وہ تو ہمارا دین ہوا۔ اور خدا کا ہم پر کوئی احسان نہ ہوا کہ ہم نے ہی اس کے دین کے لئے دعوے تجویز کئے اور ہم نے ہی ان دعووں کے دلائل مہیا کئے۔ پس ضروری ہے کہ مذہبی تحقیق کے وقت اس امر کو مدنظر رکھا جائے۔ کہ آسمانی مذاہب کے مدعی جو دعویٰ اپنے مذاہب کیطرف سے پیش کریں۔ وہ بھی انکی آسمانی کتب سے ہو۔ اور جو دلائل دیں۔ وہ بھی انہی کی کتب سے ہوں ÷

یہ اصل ایسا زبردست تھا کہ دوسرے ادیان اس کا انکار ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ کہتے کہ نہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے" تو اسکے یہ معنی ہوتے کہ جو مذہب وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ وہ مذہب نہیں ہے۔ جو انکی آسمانی کتب میں بیان ہوا ہے۔ کیونکہ اگر وہی مذہب ہے۔ تو پھر کیوں وہ اپنی آسمانی کتاب سے اس کا دعویٰ بیان نہیں کر سکتے۔ اور یا اگر دعویٰ بیان کر سکتے ہیں تو کیوں انکی آسمانی کتاب دلیل سے خالی ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے انسان کے دماغ کو ایسا پیدا کیا ہے کہ وہ بلا دلیل کے کسی بات کو نہیں مان سکتا۔ تو کیوں وہ اسے ایمان کی باتیں بتاتے وقت ایسے دلائل نہیں دیتا۔ جنکی مدد سے

وہ ان باتوں کو قبول کر سکے۔ غرض غیر مذاہب کے لوگ اس اصل کو نہ رد کر سکتے تھے کیونکہ اسکے رد کرنیکے یہ معنے تھے کہ انکے مذہب بالکل ناقص اور ردی ہیں۔ اور نہ قبول کر سکتے تھے۔ کیونکہ اے بادشاہ! آپکو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی۔ کہ جب اس اصل کے ماتحت دوسرے مذاہب کا جائزہ لیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ قریباً نوّے فیصدی انکے دعوے ایسے تھے جو انکی الہامی کتب میں نہیں پائے جاتے تھے۔ اور جس قدر دعوے مذہبی کتب سے نکلتے تھے۔ ان میں سے قریباً سَو فیصدی ہی دلائل کے بغیر بیان کئے گئے تھے گویا خدا نے ایک بات بتا کر انسان پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنی وکالت سے اسکی بات کو ثابت کرے ÷

حضرت اقدسؑ نے ثابت کر دیا کہ مختلف مذاہب کے پیرو اپنے دل سے باتیں بنا کر یا ادھر اُدھر سے خیالات چُرا کر اپنے مذہب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اور ان مذاہب کی فوقیت پر بحثیں کرکے لوگوں کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اپنی بات کو ثابت بھی کر دیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکل آئیگا کہ ان کے خیالات ان مسائل کے متعلق درست ہیں۔ مگر یہ نتیجہ نہ نکلے گا کہ ان کا مذہب بھی سچا ہے کیونکہ وہ بات انکی مذہبی کتاب میں پائی ہی نہیں جاتی۔ پھر آپ نے یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم تمام اُصول اسلام کو خود پیش کرتا ہے۔ اور ان کی سچائی کے دلائل بھی دیتا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں آپ نے سینکڑوں مسائل کے متعلق قرآن کریم کا دعویٰ اور اس کے دلائل پیش کرکے اپنی بات کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا۔ اور دشمنان اسلام آپ کے مقابلہ سے بالکل عاجز آگئے۔ اور وہ اس حربہ سے اسقدر گھبرا گئے ہیں کہ آج تک انکو کوئی حیلہ نہیں مِل سکا جس سے اسکی زد سے بچ سکیں اور نہ آئندہ مل سکتا ہے۔ یہ علم کلام ایسا مکمل اور اعلیٰ ہے کہ نہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ اسکی موجودگی میں جھوٹ کی تائید کی جا سکتی ہے پس جُوں جُوں اس حربہ کو استعمال کیا جائے گا۔ ادیانِ باطلہ کے نمایندے مذہبی مباحثات سے جی چُرائینگے۔ اور انکے پیرووُں پر اپنے مذہب کی کمزوری کُھلتی جائے گی۔ اور لیظهرهٗ علی الدّین کلّه کا نظارہ دُنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی ÷

پانچواں حربہ جو حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے چلایا۔ اور جس سے دیگر مذاہب کے جھنڈوں کو کلّی طور پر سرنگون کر دیا۔ اور اسلام کو ایسا غلبہ عطا کیا۔ کہ جس غلبہ کا کوئی شخص انکار ہی نہیں کر سکتا۔ یہ ہے کہ آپنے بڑے زور سے دشمنان اسلام کے سامنے یہ بات پیش کی۔ کہ مذہب کی اصلی غرض اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ پس وہی مذہب سچا ہو سکتا ہے۔ اور موجودہ

زمانہ میں خدا تعالیٰ کا پسندیدہ دین کہلا سکتا ہے جو بندہ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرا سکے۔ اور اس تعلق کے آثار دکھا سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی کوئی نہ کوئی اثر ہوتا ہے آگ اگر جسم کو لگتی ہے یا اسکے پاس ہی ہم بیٹھتے ہیں تو جسم یا جل جاتا ہے یا گرمی محسوس کرتا ہے۔ پانی ہم پیتے ہیں۔ تو فوراً ہماری اندرونی تپش کے زائل ہو جانے کے علاوہ ہمارے چہرہ سے بشاشت اور طراوت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ عمدہ غذا کھائیں تو جسم فربہ ہونے لگ جاتا ہے۔ ورزش کرنے لگیں تو جسم میں مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تابش توانائی حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح دواؤں کا اثر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مضر اور بعض دفعہ مفید پڑتا ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہوگی۔ اگر خدا تعالیٰ کا تعلق بالکل بے اثر ثابت ہو۔ عبادات کرتے کرتے ہماری ناکیں تک رگڑی جائیں۔ اور روزہ رکھتے رکھتے پیٹ پیٹھ کو لگ جائیں زکوٰۃ و صدقات دیتے دیتے ہمارے اموال فنا ہو جائیں لیکن کوئی تغیر ہمارے اندر پیدا نہ ہو۔ اور ان کاموں کا کوئی نتیجہ نہ نکلے اگر یہ بات ہے تو پھر خدا تعالیٰ کے تعلق کا فائدہ کیا۔ اور اسکی ہمیں حاجت کیا؟ ایک ادنیٰ حاکم سے ہمارے تعلق کی تو علامت ظاہر ہو جاتی ہے کہ اسکے دربار میں ہمیں عزت ملتی ہے۔ اس کے ماتحت ہمارا لحاظ کرنے لگتے ہیں۔ وہ ہماری التجاؤں کو سنتا ہے۔ اور ہماری تکالیف کو دور کرتا ہے۔ اور ہر ایک شخص اس بات کو محسوس کر لیتا ہے۔ کہ ہم اس کے مقبول اور پیارے ہیں لیکن اگر کچھ پتہ نہیں لگ سکتا تو خدا تعالیٰ کے تعلق کا کہ نہ اس کا اثر ہمارے نفس پر کچھ پڑتا ہے۔ اور نہ ہمارے تعلقات پر۔ ہم اسی طرح کے اسی طرح رہتے ہیں جس طرح کہ پہلے تھے ۔

غرض آپ نے ثابت کیا۔ کہ زندہ مذہب میں یہ علامت پائی جانی چاہیئے کہ اسپر عمل کرنیوالا خدا تعالیٰ کو پا سکے۔ اور اس کا مقرب ہو سکے۔ اور خدا تعالیٰ کے مقربوں میں اس کا قرب پا لینے کے کچھ آثار پیدا ہونے چاہئیں۔ پس چاہیئے کہ ہر مذہب کے لوگ بجائے آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ اور اپنے خدا سے ہونے کو واقعات سے ثابت کریں۔ اور ایسے لوگوں کو پیش کریں۔ جنہوں نے کہ ان دینوں پر چل کر خدا سے تعلق پیدا کیا ہو۔ اور اس کے وصال کے پیالہ کو پیا ہو۔ پھر جو مذہب اس معیار کے مطابق سچا ہو۔ اس کو سچا مان لیا جائے۔ ورنہ ایک جسم بے جان سمجھ کر اس کو اپنے سے دور پھینکا جائے کہ دوسرے کو نہیں اٹھا سکتا۔ بلکہ اسکو اٹھانا پڑتا ہے۔ ایسا مذہب بجائے نفع پہنچانے کے نقصان پہنچائے گا۔ اور اس دنیا

میں رسوا کرے گا اور اگلے جہان میں عذاب میں مبتلاء ۔

یہ دعویٰ آپ کا ایسا تھا۔ کہ کوئی سمجھدار اسکو رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس دعویٰ کے ساتھ ہی غیر مذاہب کے پیروؤں پر بجلی گری۔ اور وہ اپنی عزت کے بچانے کی فکر میں لگ گئے آپ نے بڑے زور سے اعلان کیا۔ کہ اس قسم کی زندگی کے آثار صرف اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے مذاہب ہرگز اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔ اگر کسی کو اسکے خلاف دعویٰ ہے تو میرے مقابلہ میں آکر دیکھ لے۔ مگر باوجود غیرت دلانے کے کوئی مقابلہ پر نہ آیا۔ اور آتا بھی کس طرح؟ کچھ اندر ہوتا۔ تو مقابلہ پر آتا۔ گلا پھاڑتے اور چلا چلا کر یہ شور برپا کرنے کے لئے کہ ہمارا مذہب سچا ہے تو ہزاروں لوگ تیار ہو جائینگے۔ مگر خدا کی محبت اور اس کے تعلق کا ثبوت دینا تو کسی کے اختیار میں نہیں۔ خدا کی محبت چھوڑ کر خدا سے ایک عارضی تعلق بھی جن لوگوں کو نہ ہو۔ وہ خدا کے تعلق کا کیا ثبوت دیں ۔

آپ نے ہندوؤں کو بھی ایسی دعوت دی۔ اور مسیحیوں کو بھی اور یہود کو بھی اور دیگر تمام ادیان کو بھی مگر کوئی اس حربہ کے برداشت کرنے کیلئے تیار نہ ہوا مختلف پیرایوں اور مختلف مواقع پر آپ نے لوگوں کو اکسایا۔ مگر صدائے برنخواست۔ ایک دفعہ پنجاب کے لارڈ بشپ کو آپ نے چیلنج دیا کہ میرے مقابل پر آکر دعا کی قبولیت کا نشان دیکھو۔ تمہاری کتب میں بھی لکھا ہے کہ اگر ایک رائی کے دانے کے برابر تم میں ایمان ہو۔ تو تم پہاڑوں سے کہو کہ چلو۔ تو وہ چلنے لگیں گے۔ اور ہماری کتب بھی مومنوں کی نصرت اور تائید اور انکی دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ دیتی ہیں۔ پس چاہیئے کہ تم میرے مقابلہ پر آکر کسی امر کے متعلق بالمقابل دعا کر کے دیکھو تا معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کی دعائیں **مقابلہ کے وقت** سنتا ہے یا انکی دعائیں سنتا ہے۔ جو مسیحی تعلیم پر عمل کرنیوالے ہوں۔ مگر باوجود بار بار چیلنج دینے کے لارڈ بشپ صاحب خاموش رہے اور انکی خاموشی ایسی عجیب معلوم ہوتی تھی کہ بعض انگریزی اخبارات نے بھی انپر چوٹ کی کہ اسقدر بڑی بڑی تنخواہیں لینے والے پادری جب کوئی مقابلہ کا وقت آتا ہے۔ تو سامنے ہو کر مقابلہ کیوں نہیں کرتے۔ مگر نہ غیروں کے چیلنج نے اور نہ اپنوں کے طعنوں نے پادری صاحب کو مقابلہ پر آمادہ کیا۔ وہ آنوں بہانوں سے اس پیالہ کو ٹالتے ہی رہے ۔

اس قسم کے چیلنج آپؑ نے متواتر دشمنانِ اسلام کو دیئے۔ مگر کوئی شخص مقابلہ پر نہ آیا۔ آپ کا یہ حملہ ایسا ہے کہ ہر ذی عقل اور صاحب شعور آدمی پر اس کا اثر ہوگا۔ اور جوں جوں لوگ اپنے مذاہب کے بے اثر ہونے اور اسلام کے زندہ اور مؤثر ہونے کو دیکھیں گے۔ اسلام کی صداقت ان پر کھلتی جائیگی کیونکہ مباحثات میں انسان باتیں بنا کر حق کو چھپا سکتا ہے۔ مگر مشاہدہ اور تاثیر کے مقابلہ میں اس سے کوئی عذر بن نہیں سکتا۔ اور آخر دل سچائی کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ یہ حملہ بھی انشاء اللہ اظہار دین کے لئے نہایت زبردست بلکہ سب سے زبردست حربہ ثابت ہوگا۔ بلکہ ہر عقلمند انسان کے نزدیک اس حربہ کے ذریعہ سے عقلاً اسلام غالب ہو چکا ہے۔ گو مادی نتیجہ کچھ دن بعد پیدا ہو +

یہ پانچ حربے جو حضرت اقدسؑ نے دشمنان اسلام پر چلائے ہیں۔ میں نے بطور مثال پیش کئے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کام جو مسیح موعودؑ کے لئے تھا۔ وہ آپ کر چکے ہیں۔ اور اگر آپ مسیح موعود نہیں ہیں۔ تو پھر سوال ہوتا ہے کہ اب کونسا کام رہتا ہے۔ جو مسیح موعود آکر کریگا؟ کیا یہ کہ تلوار سے لوگوں کو دین میں داخل کریگا؟ تلوار سے داخل کئے ہوئے لوگ اسلام کو کیا فائدہ دینگے؟ اور خود انکو اس جبری ایمان کا کیا فائدہ ہوگا؟ اگر آج مسیحی اپنی طاقت کے نشہ میں مسلمانوں کو جبراً مسیحی بنانے لگیں۔ تو انکی نسبت ہر شریف آدمی اپنے دل میں کیا کہے گا اور اگر انکے اس فعل کو ہم گندہ سے گندہ فعل خیال کرینگے۔ تو کیوں اسی قسم کا فعل اگر مسیح موعود کرینگے تو وہ بھی قابلِ اعتراض نہ ہونگے؟ یقیناً تلوار سے اسلام میں لوگوں کو داخل کرنا اسلام کے لئے مضر ثابت ہوگا۔ نہ کہ مفید۔ وہ ہر شریف الطبع اور آزادی پسند آدمی کو اسلام سے متنفر کر دے گا پس تلوار چلانے کے لئے مسیح کی آمد کی ضرورت نہیں۔ ان کا یہی کام ہو سکتا ہے کہ وہ دلائل سے اسلام کو غالب کریں۔ اور دلائل سے اور مشاہدات کی تائید سے اسلام کو دوسرے مذاہب پر مرزا صاحب غالب کر چکے ہیں۔ اب اس کام کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ کہ مسیح آکر کریں۔ پس مرزا صاحب ہی مسیح موعود ہیں کیونکہ انھوں نے وہ کام کر کے دکھا دیا ہے۔ جو مسیح موعود کے لئے مقرر تھا +

اس جگہ پر شاید یہ کہا جائے کہ دلائل تو پہلے بھی موجود تھے۔ پھر یہ کیونکر سمجھا جائے۔ کہ مرزا صاحب نے اسلام کو دیگر ادیان پر غالب کر دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تلوار موجود ہو۔ مگر اس کا چلانیوالا موجود نہ ہو۔ تب بھی نہیں کہہ سکتے کہ دشمن مغلوب ہوگیا۔ دشمن تو تبھی مغلوب ہوگا۔ جب اس تلوار کا چلانیوالا موجود

ہو۔ اور یہاں تو اسلام کا یہ حال تھا کہ تلوار دلائل کی موجود تھی۔ مگر لوگ صرف یہی نہیں کہ تلوار چلانا نہیں جانتے تھے۔ بلکہ اس امر سے بھی ناواقف تھے کہ تلوار موجود ہے۔ یہ حضرت اقدسؑ ہی کا کام تھا کہ آپ نے قرآن کریم کا فہم اللہ تعالیٰ سے پاکر اسلام کے غلبہ کے ان دلائل کو جو اس زمانہ کے متعلق تھے مستنبط کیا۔ اور پھر ان دلائل کو غیر مذاہب کے مقابلہ میں استعمال کیا۔ اور دوسرے لوگوں کو اس کا استعمال سکھایا۔ پس آپؑ کی آمد سے ہی اسلام غالب ہوا۔ ورنہ جس طرح بے توپچی کے توپ خود اپنی فوج کے لئے مضر ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم اپنے عارف کی عدم موجودگی کے سبب مسلمانوں کے لئے مضر ثابت ہو رہا تھا۔ اور اسی کے غلط استعمال سے وہ ہلاک اور تباہ ہو رہے تھے لیکن حضرت اقدس علیہ السلام نے دعویٰ کیا۔ تو پھر اس کلام کے وہ اثرات ظاہر ہوئے۔ اور آپ نے ایسے دلائل کے ساتھ اسلام کیطرف سے دشمنوں کا مقابلہ کیا کہ مقابلہ کرنا تو الگ رہا۔ دفاع بھی ان کے لئے مشکل ہوگیا۔ اور بعض تو ان میں سے حکومت کے آگے چلانے لگے کہ وہ جبراً حضرت اقدس کو اس مقابلہ سے روک دے۔ اور روز روشن کیطرح ثابت ہوگیا کہ اب اسلام ادیانِ باطلہ پر غالب ہو کر رہے گا۔ اور اژدہا کی طرح ان کو نگل جائے گا +

پانچویں دلیل

تجدیدِ دین

پانچویں۵ دلیل حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی صداقت پر یہ ہے کہ آپ نے اسلام کی اندرونی اصلاح بھی اسی رنگ میں کر دی ہے۔ کہ جس رنگ میں اسکی اصلاح مسیح و مہدی کے سپرد تھی۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ہی مسیح موعود ہیں +

میرے نزدیک سوائے ان مولویوں کے جو بحث مباحثہ کی وجہ سے ضد اور تعصب کا شکار ہو گئے ہیں۔ باقی سب تعلیم یافتہ لوگ اس امر کا اقرار کرینگے کہ آج اسلام وہ اسلام نہیں رہا۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں تھا۔ ہر شخص کا دل محسوس کرتا ہے کہ اسلام میں کوئی کمی آگئی ہے۔ اور یہ دیکھتے ہوئے کہ یا تو وہ زمانہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے ربما یودّ الذین کفروا لو کانوا

مسلمین (سورہ حجر رکوع ۱) بہت دفعہ کافر بھی چاہتے ہیں کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے اور ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر عمل کرتے۔ اور یا آج وہ زمانہ ہے کہ اسلام سب کا محل اعتراض بن رہا ہے۔ غیروں کو تو اس نے کیا تسلی دینی تھی۔ خود مسلمانوں میں سے تعلیم یافتہ لوگ اس کے بہت سے مسائل پر شک و شبہ رکھتے ہیں اور کوئی اسکی اصولی تعلیم پر معترض ہے۔ کوئی اسکی اخلاقی تعلیم پر حرف گیر۔ اور کوئی اسکی عملی تعلیم کی نسبت متردد۔ وہ یقین اور وثوق وہ پیدا نہیں کرتا۔ جو آج سے پہلے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کیا کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اسلام کی خاطر لوگ اس قربانی کے لئے بھی تیار نہیں جس کے لئے وہ پہلے تیار ہوا کرتے تھے۔ اب تین باتوں میں سے ایک ضرور ماننی پڑیگی۔ یا تو یہ کہ اسلام کی تاثیر کی نسبت جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ ایک افسانہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ بزرگوں کی نسبت پچھلوں کی حسن ظنی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ یا یہ ماننا پڑیگا کہ اسلام پر آجکل کوئی عمل ہی نہیں کرتا۔ یا یہ کہ اسلام میں ہی کچھ تغیر آگیا ہے۔ اس لئے اب اس پر عمل کچھ مفید نہیں ہوتا۔ اور یہ آخری بات ہی درست ہے۔ کیونکہ پہلے زمانہ میں جو اس کا اثر تھا۔ وہ روایتوں سے ہی ثابت نہیں۔ دُنیا کے چاروں گوشوں میں اسلام کے آثار اس ترقی کے شاہد ہیں۔ جو اسلام پر چلنے کے سبب سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔ اور یہ بھی نہیں کہ آجکل کوئی اسلام پر عمل نہیں کرتا۔ اسلام کے جو معنے لوگ سمجھتے ہیں۔ اُسپر لوگ عمل بھی کرتے ہیں۔ بعض لوگ چلہ کشی کرتے کرتے اپنی جان دے دیتے ہیں۔ مگر انکو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پس ایک ہی بات رہ گئی۔ اور وہی اصل باعث ہے کہ اسلام کا مفہوم لوگوں کے ذہنوں میں بدل گیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق لم یبق من الاسلام الا اسمہ۔ آج اسلام کا صرف نام باقی رہ گیا ہے اور زمانہ نبوی سے بُعد کی وجہ سے لوگوں نے مغز اسلام کو بالکل بدل دیا ہے اور اب موجودہ شکل میں اپنے پیروؤں کے اندر وہ اس تبدیلی کے پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ جو وہ پہلے پیدا کیا کرتا تھا۔ اور نہ موجودہ شکل میں وہ دوسرے ادیان کے پیروؤں کے دلوں پر ہی کچھ اثر کر سکتا ہے۔ اور گو کبھی کبھی اس کے مخوشندہ آثار کسی سعید فطرت کے دلکو صداقت کیطرف مائل کردیں۔ مگر بطور قاعدہ اب اس کا وہ اثر نہیں جو پہلے ہوا کرتا تھا ۞

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

کہ تفترق اُمتی علیٰ ثلاثٍ وسبعین ملّۃً کلّھم فی النّار الّا واحدۃً قالوا مَن ھِیَ یارسُول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالسنۃ بحوالہ ترمذی) یعنی ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ میری اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائیگی۔ انمیں سے سوائے ایک کے باقی سب آگ میں ڈالے جائینگے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہونگے۔ جو حق پر ہونگے؟ آپنے فرمایا کہ وہ لوگ جو اس طریق پر ہونگے جسپر میں اور میرے اصحاب ہیں ۞

اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ یا ایّھا النّاس خذوا من العلم قبل ان یقبض العلمُ وقبل ان یرفع العلمُ۔ قیل یارسول اللہ کیف یرفعُ العلمُ وھٰذا القراٰن بین اظھرنا فقال ای ثکلتک امّک وھٰذا الیھود والنصاریٰ بین اظھرھم المصاحف لم یصبحوا یتعلّقون بالحرف مما جاءت بہ انبیاؤھم الا وان ذھاب العلم ان یذھب حملتہ ثلاث مرّاتٍ۔ یعنی اے لوگو! علم حاصل کرو قبل اسکے کہ علم اُٹھا لیا جائے۔ دریافت کیا گیا۔ کہ یارسول اللہ علم کس طرح اُٹھا لیا جائے گا۔ حالانکہ قرآن کریم ہمارے پاس موجود ہے۔ آپ نے فرمایا اسی طرح ہوگا۔ تیری ماں تجھ پر ماتم کرے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس کتابیں موجود ہیں۔ لیکن وہ اس تعلیم کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں رکھتے۔ جو ان کے انبیاء لائے تھے۔ سنو۔ علم اس طرح جاتا ہے کہ عالم دُنیا سے گذر جاتے ہیں۔ اور آپؐ نے یہ فقرہ تین دفعہ بیان فرمایا ۞

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت اُمت محمّدیہ نہایت خطرناک حالت کو اختیار کرنے والی ہے۔ جبکہ علم دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ایک فرقہ ایسا ہوگا۔ جو حق پر ہوگا۔ اور وہ وہ فرقہ ہوگا۔ جو صحابہ کے رنگ میں رنگین ہوگا۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے رنگ میں رنگین صرف مسیح موعود کی جماعت ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں نہیں جانتا۔ کہ اس اُمت کا پہلا حصّہ اچھا ہے یا آخری۔ پس ما انا علیہ و اصحابی سے مراد مسیح موعود کی جماعت ہے اور حق بھی یہی ہے۔ کہ یہ مسیح موعود کی جماعت ہو۔ کیونکہ کوئی جماعت صحابہ کی طرح نہیں ہوسکتی۔ جب تک وہ کسی مُرسل من اللہ کی صحبت یافتہ نہ ہو ۞

خلاصۂ کلام یہ کہ مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت محمدیہ میں سے علم اور دین کے مٹ جانے پر مسیح موعود کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے پھر اسلام کو قائم کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے پس مسیح موعود ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شخص جو مدعی ہو۔ اسلام کی اصل تعلیم کو قائم کرنیوالا اور قرآن کریم کے صحیح علوم بیان کرنیوالا ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو وہ مسیح موعود نہیں ہوسکتا۔ اور جو آخری زمانہ کے پُرفتن ایام میں اسلام کی تعلیم کو لوگوں کے خیالات سے پاک کرے اور اسکی خوبی کو دُنیا پر ظاہر کرے۔ اور ما انا علیہ واصحابی کا نظارہ دکھا دے۔ اس کے سوا کوئی اور شخص مسیح موعود نہیں ہوسکتا۔ اور جبکہ یہ بات ثابت ہوگئی۔ تو مسیحیت کے مدعی کے دعوی کو پرکھنے کے لئے ایک راہ ہمارے لئے یہ بھی کُھل گئی۔ کہ ہم دیکھیں کہ کیا فی الواقع اسلام اسوقت سرتا پا اپنی اصلی شکل کو چھوڑ چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا اس شخص نے فی الواقع اس کو اس کی اصلی صُورت میں دُنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے ؎

اسلام کا بالکل بدل جانا اور اپنی حقیقت سے دُور ہو جانا تو ایسا مسئلہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ کوئی عقلمند بھی اس کا مُنکر نہ ہوگا۔ اور کوئی مُنکر بھی کب ہوسکتا ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ کا فعل ثابت کر رہا ہے کہ اسوقت مُسلمان مسلمان نہیں رہے۔ اور پھر اسلام کی موجودہ شکل جو خود مُسلمانوں کو تسلی نہیں دے سکتی۔ وہ آپ اس امر کی گواہ ہے کہ اسلام اسوقت بگڑ چکا ہے پس صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہ کیا حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب نے حقیقی اسلام کو جو اپنی خوبصورتی اور دل آویزی کے سبب اپنوں اور غیروں سب کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ فی الواقع دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے یا نہیں۔ اور کیا آپ نے ان مفاسد کو اسلام سے دُور کیا ہے یا نہیں۔ جو اسکی پاک تعلیم میں خدا سے دُور اور خود غرض مُلّاؤں نے ملا دئے تھے۔ اس سوال کو حل کرنے کے لئے میں مثال کے طور پر چند موٹی موٹی باتیں جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں جن سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اسلام کی شکل کو اسوقت لوگوں نے کیسا بدل دیا تھا۔ اور حضرت اقدس نے کس طرح پھر اسکی شکل کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے ؎

مذہب کا نقطہ مرکزی کہ جس کے گرد باقی سب مسائل چکر لگاتے ہیں۔ یا یہ کہ اسلام کی وہ جڑ جسکے لئے باقی سب عقائد اور اعمال بمنزلہ شاخوں اور پتوں کے ہیں۔ ایمان باللہ ہے۔ تمام عقائد

اسکی تائید کے لئے ہیں۔ اور تمام اعمال اسکی تثبیت کے لئے۔ اور ایمان باللہ کے اجزاء میں سے سب سے بڑا جزو ایمان بالتوحید ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت سے کہ دعوی کیا اور اسوقت تک کہ آپ فوت ہوئے۔ لا الٰہ الّا اللہ کی تعلیم کا اعلان جاری رکھا۔ ہر ایک قسم کی تکلیف برداشت کی۔ مگر اس تعلیم کا اظہار ترک نہ کیا۔ حتیٰ کہ وفات کے وقت بھی آپ کو اگر کوئی خیال تھا تو یہی کہ یہ تعلیم جسے اسقدر قربانیوں کے بعد آپنے قائم کیا تھا۔ دنیا سے مٹ نہ جاوے۔ اے بادشاہ! ایک مُسلمان کا دل پگھل جاتا ہے۔ اور اس کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے جب وہ احادیث اور تاریخوں میں یہ پڑھتا ہے۔ کہ مرض موت میں جبکہ شدت مرض سے آپکے جسم پر پسینہ آجاتا تھا۔ اور بیماری آپکے باریک در باریک اعصاب پر اپنا اثر کر رہی تھی۔ آپکا کرب اور آپ کی تکلیف اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ جب آپ یہ خیال فرماتے تھے۔ کہ کہیں لوگ میرے بعد اس تعلیم کو بھول نہ جائیں۔ اور شرک میں مُبتلا نہ ہو جائیں۔ اور آپ اسوقت کی تکلیف میں بھی اپنے نفس کو بھولے ہوئے تھے اور اُمت کی فکر سے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کروٹیں بدل بدل کر فرما رہے تھے کہ لعن اللّٰہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم المساجد (بخاری باب مرض النبی صلعم) اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنا لیا جس سے آپ کی مُراد یہ تھی کہ دیکھنا میری عمر بھر کی تعلیم کے خلاف میری وفات کے بعد مُجھی کو پُوجنے نہ لگ جانا۔ اور توحید الٰہی کی تعلیم کو بھول نہ جانا۔ یہ مرض موت میں آپکا کرب اور توحید الٰہی کی محبت ایک ایسا دردناک واقعہ تھا۔ کہ آپ سے محبت رکھنے والا انسان اس واقعہ کے دردناک اثر کے ماتحت شرک کے قریب بھی کبھی نہیں جا سکتا تھا۔ مگر اے بادشاہ! آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان کہلانے والوں میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو کھُلم کھُلا اس تعلیم کے خلاف عمل کر رہے ہیں۔ وہ کونسا مسلمان ہے جو آج سے تیرہ سَو سال پہلے یہ وہم بھی کر سکتا تھا کہ لا الٰہ الّا اللہ کے علم بردار کسی وقت قبروں پر سجدہ کرینگے۔ اپنے بزرگوں کے مقامات کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھیں گے انسانوں کو عالم الغیب قرار دینگے۔ اولیاء اللہ کو خدا تعالیٰ کی قدرت کا مالک سمجھیں گے۔ مُردوں سے مُرادیں مانگیں گے۔ قبروں پر نیازیں چڑھائینگے۔ اپنے پیروں کی نسبت یہ یقین رکھینگے کہ یہ جو چاہیں خدا تعالیٰ سے منوالیں۔ اور ان کو حاضر ناظر جانیں گے۔ خدا کے سوا دوسرے لوگوں کے

نام پر قربانیاں دینگے۔ اور پھر اس سب پر مزید ظلم یہ کرینگے کہ دعویٰ کرینگے کہ یہ سب تعلیم قرآن کریم کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ مگر مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک جس جس جگہ مسلمان بستے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اور کثیر حصہ مسلمانوں کا مذکورہ بالا باتوں میں سے کسی نہ کسی بات کا مرتکب ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوز و گداز کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپکے مزار مبارک کو تو ان بدعات سے بچا لیا۔ مگر دیگر بزرگان اسلام کی قبروں پر آجکل ہندوؤں کے مندروں سے کم مشرکانہ رسوم نہیں ہوتیں۔ یقیناً اگر آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر دیکھتے۔ تو ان لوگوں کو مسلمان خیال نہ فرماتے۔ بلکہ کسی اور مشرکانہ دین کے پیرو خیال کرتے ٭

شاید کہا جائے کہ یہ خیالات تو جاہل لوگوں کے ہیں۔ علماء ان خیالات سے بیزار ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ کسی قوم کی حالت اس کے اکثر افراد سے دیکھی جاتی ہے۔ جب مسلمانوں میں سے اکثر ان خیالات کے پیرو ہیں۔ تو یہی فیصلہ کرنا ہوگا کہ مسلمانوں کی حالت بلحاظ توحید کے گرگئی ہے اور وہ لا الٰہ الا اللہ کے اصل کو جو اسلام کی جان تھا۔ بھلا بیٹھے ہیں۔ مگر یہ بھی درست نہیں کہ عوام الناس ہی ان عقائد کے قائل ہیں۔ ان عوام الناس کے پیر اور مولوی بھی ان کے خیالات سے متفق ہیں۔ اور اگر بعض ان میں سے دل سے متفق نہیں۔ تو کم سے کم انکی حالت بھی اس قدر خراب ہوگئی ہے۔ کہ وہ ظاہر میں عوام الناس کے خیالات کا رد نہیں کرسکتے۔ اور یہ بات بھی اس بات کی علامت ہے کہ ایمان مٹ گیا ہے ٭

بعض فرقے مسلمانوں میں سے ایسے ہیں۔ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ شرک سے بکلی مجتنب ہیں۔ بلکہ وہ دوسرے لوگوں پر ناراض ہوتے ہیں کہ انھوں نے شرک کرکے اسلام کو صدمہ پہنچایا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ یہ لوگ خود بھی شرک میں مبتلا ہیں۔ اور دوسروں سے ان کو صرف اس قدر امتیاز حاصل ہے کہ یہ ہر ایک شخص کو خدا کا شریک نہیں بناتے صرف مسیح علیہ السلام کو خدا کا شریک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان پر بیٹھا ہوا یقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو افضل الانبیاء تھے۔ زمین میں مدفون ہیں لیکن حضرت مسیح نعوذ باللہ من ذالک دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو موت ہی نہیں دیتا۔ قرآن کریم

میں صاف پڑھتے ہیں کہ جن بزرگوں کو لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائینگے۔ اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (نحل ع)، پھر دیکھتے ہیں کہ مسیحی مسیح علیہ السلام کو خدا کے سوا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ مگر حضرت مسیح کی زندگی کا خیال نہیں چھوڑتے۔ اور اپنے آپ کو موحد کہتے ہوئے جھجکتے نہیں ٭

اسی طرح یہ لوگ شرک کے خلاف تو آواز بلند کرتے ہیں۔ مگر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح مردے زندہ کیا کرتے تھے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خود بھی اس دنیا میں مردوں کو زندہ کرکے نہیں بھیجتا جیسا کہ فرماتا ہے۔ وحرام علی قریة اهلکنها انهم لا یرجعون (سورة انبیاء ع)، جو لوگ فوت ہوچکے ان کیلئے ہم نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ وہ واپس نہیں لوٹ سکینگے۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون (مومنون ع)، یعنی جو لوگ مرچکے ہیں۔ ان کے پیچھے ایک روک ڈال دی گئی ہے جو قیامت کے دن تک جاری رہیگی۔ اس سے پہلے یہ زندہ نہیں کئے جائینگے ٭

یہ لوگ اہلحدیث کہلاتے ہیں لیکن اس حدیث کو بھول جاتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ عمرو شہید ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مانگو جو کچھ مانگنا ہے۔ اسپر انھوں نے کہا کہ میری تو یہی خواہش ہے کہ مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملکر جہاد کروں۔ اور پھر تیری راہ میں شہید ہوں اور پھر زندہ کیا جاؤں۔ اور پھر شہید ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں نے اپنی ذات کی قسم نہ کھائی ہوئی ہوتی۔ تو میں تجھے زندہ کردیتا۔ مگر چونکہ میں نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں ایسا نہیں کرونگا۔ اس لئے ایسا نہیں کرونگا۔ (ترمذی کتاب التفسیر فی تفسیر سورہ آل عمران و ابن ماجہ باب فیما انکرت الجہمیة و مشکوٰة باب جامع المناقب)

یہ لوگ نہیں سوچتے کہ جس کام کو اس دنیا میں خدا تعالیٰ بھی نہیں کرتا۔ اور جو اسکی صفات مخصوصہ میں سے ہے۔ اسے مسیح علیہ السلام کس طرح کرسکتے تھے۔ اُحی الموتیٰ (آل عمران ع) کے الفاظ قرآن سے مسیح کو دکھاتے ہیں لیکن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں کہ یا ایها الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (انفال ع)، اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قبول کرلیا کرو۔ جب ان میں سے کوئی

تم کو بلائے تاکہ تم کو زندہ کرے۔ تو اسوقت اسکے یہ معنے کرتے ہیں کہ زندگی سے مُراد رُوحانی زندگی ہی۔ جب احیاء کے معنے رُوحانی زندگی دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ اور جبکہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مُردے زندہ نہیں کرسکتا۔ اور جبکہ اس دُنیا میں مُردے زندہ کرکے خدا ابھی نہیں بھیجتا۔ تو پھر کیوں احیاء کے وہ معنے نہیں لیتے کہ جو کلام الٰہی کے مطابق ہوں۔ اور جیسے شرک نہ پیدا ہوتا ہو

اسی طرح یہ موحد کہلانیوالے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح پرندے پیدا کیا کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن کریم پڑھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی شخص کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتا۔ والّذین یدعون من دُون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یُخلقون۔ (سورہ نحل ع ۲) جن آدمیوں کو لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر فرماتا ہی۔ اَمْ جعلوا للہ شرکآء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالقُ کل شئٍ وھو الواحد القھّار (سورہ رعد ع ۲) کیا اللہ کے سوا شریک مقرر کرتے ہیں جنکی صفت یہ ہے کہ انھوں نے بھی اللہ کی طرح مخلوق پیدا کی ہے۔ اور ایسا ان لوگوں کی نظروں میں خدا اور انکی مخلوق مشتبہ ہو گئی ہے۔ کہدے کہ اللہ ہی سب چیزوں کا خالق ہے۔ اور وہ ایک ہے۔ ہر چیز اسکے تصرف میں ہے۔ اسی طرح فرماتا ہی۔ انّ الّذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابًا ولو اجتمعوا لہٗ (حج ع ۱۰) وہ لوگ کہ تم ان کو خدا کے سوا پکارتے ہو۔ ہرگز نہیں پیدا کرسکتے۔ ایک مکھی بھی۔ گو سب کے سب جمع ہوجائیں۔ اور مسیح علیہ السلام انہی لوگوں میں سے ہیں۔ جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ÷

غرض باوجود اسکے کہ قرآن کریم میں یہ بات صریح طور پر موجود ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی کچھ نہیں پیدا کرسکتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو وہ سچا معبود ہے۔ اخلق لکم من الطّین کھیئۃ الطیر کے وہ معنی کرتے ہیں جو قرآن کریم کی محکم تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور نہیں سوچتے کہ ایک لفظ کئی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہی۔ پس وہ معنے کریں جو قرآن کریم کی دوسری آیات اور ایک سچے نبی کی شان کے مطابق ہوں۔ نہ کہ وہ معنے کریں جو محکمات کے خلاف اور خدا تعالیٰ کی شان کے منافی ہوں۔ اور مُوحد کہلاتے ہوئے شرک میں مبتلا ہوں ÷

یہ وہ خطرناک عقائد ہیں۔ جو اسوقت مسلمانوں میں خواہ عالم ہوں یا جاہل۔ اور خواہ مقلد

ہوں یا غیر مقلد سُنّی ہوں یا شیعہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور انکی موجودگی میں کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ مسلمان لا الٰہ الّا اللہ کے مضمون پر قائم ہیں۔ بیشک اسوقت بھی لا الٰہ الّا اللہ مسلمانوں کے مُنہ پر جاری ہے۔ لیکن مذکورہ بالا عقائد کی وجہ سے وہ اسکے مفہوم سے اسی قدر دُور جا پڑے ہیں جسقدر کہ اور مشرک اقوام۔ اس تمام گمراہی اور ضلالت کے متعلق حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے آکر جو تعلیم دی۔ وہ ایسی موحدانہ اور خدا تعالیٰ کا جلال قائم کرنیوالی ہے کہ اسکو ماننے کر انسان کا دل محبت الٰہی سے بھر جاتا ہے۔ اور شرک کی آگ سے انسان بالکل محفوظ ہوجاتا ہے اور وہ توحید کے اس مقام کو پالیتا ہی جسپر صحابہ کرام کھڑے تھے۔ آپنے ان سب مذکورہ بالا خیالات کو بدلائل غلط ثابت کیا۔ اور بتایا کہ خدا ایک ہے۔ اسکے سوا کسی مُردہ سے مُرادیں مانگنی یا قبروں پر نیازیں چڑھانی یا کسی کو سجدہ کرنا خواہ زندہ ہو یا مُردہ یا کسی کو خدا کی قدرت کا مالک جاننا یا عالم الغیب سمجھنا خواہ نبی ہو یا غیر نبی یا خدا کے سوا کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا یا کوئی اور چیز اسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صدقہ کرنی یا کسی کی نسبت یہ یقین کرنا کہ وہ جو کچھ چاہے خدا تعالےٰ سے منوا لے شرک ہے۔ اس سے مومن کو پرہیز کرنا چاہیے ÷

اسی طرح آپنے یہ ثابت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام دیگر انبیاء کی طرح فوت ہوچکے ہیں اور زیر زمین مدفون ہیں۔ وہ رُوحانی مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور جس طرح انسان پیدا کرسکتا ہی پیدا کرتے تھے۔ بیجان کو جان دینے کی یا مُردہ کو زندہ کرنیکی اُن میں طاقت نہ تھی۔ نہ بلا اذن اللہ اور نہ باذن اللہ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنی صفات مخصوصہ کسی بندہ کو نہیں دیا کرتا۔ اور اس کا کلام ان صفات کے مسیح یا اور کسی آدمی میں پائے جانے کے صریح خلاف ہے۔ اور جسقدر لوگ شرک پھیلاتے ہیں۔ وہ اسی قسم کی باتیں بنایا کرتے ہیں کہ خدا نے اپنی طاقتیں فلاں شخص کو دیدی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ اس کا پیش کردہ معبود خدا تعالیٰ سے آزاد ہوکر دُنیا پر حکومت کرتا ہی۔ اس مطابق قرآن اور مطابق عقل تعلیم سے آپنے شرک کی ظلمت کو دُور کیا۔ اور مسلمانوں کو وہ سیدھا راستہ دکھایا۔ جس کو وہ ایک عرصہ سے چھوڑ چکے تھے۔ اور اس طرح وہ کام سرانجام دیا۔ جو مسیح کی آمد ثانی کے لئے مقرر تھا ÷

ایمان باللہ کے بعد اسلام کا دوسرا رکن ایمان بالملائکہ ہے۔ اس رکن کو بھی مسلمانوں نے بالکل مسخ کردیا تھا۔ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ملائکہ نعوذ باللہ گناہ بھی کرلیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ پر

بھی معترض ہوجاتے ہیں۔ آدمؑ کے واقعہ میں ملائکہ کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ گویا وہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اسکی حکمتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ نحن نسبح بحمدك ونقدس لك کہہ کر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال پر نکتہ چینی کرہی نہیں سکتے۔ ہاروت اور ماروت کا نقشہ ایسا دلخراش قصہ ہے کہ سُن کر حیرت ہوتی ہو۔ کہا جاتا ہے کہ دو فرشتے اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں آدمیوں کے بھیس میں بھیجے۔ اور وہ ایک فاحشہ عورت پر عاشق ہو گئے اور آخر سزا کے طور پر ایک کوئیں میں اوندھے مُنہ لٹکائے گئے نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اسی طرح کہا جاتا ہے۔ کہ نعوذ باللہ من ذالک ابلیس ملائکہ کا اُستاد تھا ✣

بعض لوگ ملائکہ کی نسبت یہ عقیدہ رکھنے لگے ہیں کہ گویا وہ بھی مادی وجود ہیں۔ آدمیوں کی طرح اِدھر سے اُدھر دوڑے پھرتے ہیں۔ عزرائیل کبھی اِسکی جان نکالتے جاتے ہیں اور کبھی اُسکی۔ اسکے برخلاف بعض لوگ ملائکہ کے وجود ہی کے مُنکر ہو گئے ہیں۔ اور ملائکہ کو ایک وہمی وجود قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی آیات کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ انہی قوتوں اور طاقتوں کا نام ملائکہ رکھا گیا ہے اور یہاں تک دلیر ہو گئے ہیں کہ علی الاعلان قرآن کریم اور احادیث کی تعلیم کے خلاف کہتے ہیں کہ "زجبریل امین قرآن بہ نمے خواہم نمے خواہم" بلکہ ملائکہ کے وجود پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور انہیں خدا تعالیٰ کی قدرت کے خلاف سمجھتے ہیں ✣

حضرت اقدسؑ نے ان خلاف اسلام اعتقادات کو بھی آکر رد کیا ہے اور صحیح اعتقاد کو پھیلایا ہے۔ اور ملائکہ کی ذات سے یہ اعتراضات کو دُور کیا ہے۔ آپؑ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ملائکہ اللہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہیں کیا کرتے۔ اور نہ وہ گناہوں میں مُبتلا ہوتے ہیں۔ انکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون (تحریم ع۱) ملائکہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور جن باتوں کا انکو حکم دیا جاتا ہے۔ انہیں وہ بجا لاتے ہیں پس ایسی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی ان طاقتوں کے ساتھ کیا ہے۔ جو اطاعت اور فرمانبرداری کی طاقتیں ہیں کس طرح بدی میں مُبتلا ہو سکتی ہے۔ اور فاحشہ عورتوں کے عشق میں مُبتلا ہو سکتی ہے۔ اور خدا کو بھلا کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ اگر ملائکہ گناہ میں مُبتلا ہو سکتے ہیں۔ تو انپر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایمان لانے کے تو یہ معنے ہوتے ہیں کہ جس پر ایمان لایا جائے

اس کی باتوں کو مانا جائے۔ جو لوگ نافرمانی کر سکتے ہیں۔ اُن پر ایمان لانے کا حکم دینا گویا اپنے ہاتھوں ہلاک ہونے کا حکم دینا ہے ✣

اسی طرح آپؑ نے بتایا کہ ملائکہ رُوحانی وجود ہیں۔ وہ اِدھر اُدھر دوڑے نہیں پھرتے۔ بلکہ جس طرح سورج اپنی جگہ پر سے روشنی دیتا ہے۔ وہ بھی اپنے مقام پر سے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتے ہیں۔ اور ان طاقتوں کی مدد سے جو انکی اطاعت میں لگائی گئی ہیں۔ سب کام کرتے ہیں ✣

اور آپؑ نے اس خیال کو بھی رد کیا ہے۔ کہ ابلیس ملائکہ کا اُستاد یا یہ کہ ملائکہ کے ساتھ رہنے والا وجود تھا۔ وہ تو ایک خبیث رُوح تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کان من الکافرین (بقرہ ع۴) اس کا دل پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے مُنکر تھا ✣

آپؑ نے اس خیال کی غلطی کو بھی دُور کیا کہ ملائکہ وہمی وجود ہیں۔ یا طاقتوں کو کہتے ہیں۔ آپؑ نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر ملائکہ کا وجود ثابت کیا۔ اور ان لوگوں کی جہالت کو ظاہر کیا جو اسبات کو تو مانتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے سُورج کو پیدا کیا۔ اور آواز پہنچانے کے لئے ہَوا کو بنایا۔ اور اس سے خدا تعالیٰ کے قادر ہونے پر حرف نہیں آیا۔ لیکن کہتے ہیں کہ رُوحانی امور کے سرانجام دینے کے لئے اس نے اگر کوئی وسائط پیدا کئے ہیں۔ تو اس سے اسکی قدرت پر حرف آتا ہے۔ اور خود انکے عقیدہ سے انکو ملزم قرار دیا۔ اور انکے اقرار سے انکو پکڑا۔ اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا وسائط پیدا کرنا اسلئے نہیں کہ وہ اپنے احکام کو بندہ تک پہنچا نہیں سکتا۔ بلکہ اس لئے ہے کہ بندہ خدا کا کلام سُننے کے لئے وسائط کا محتاج ہے۔ اور اس لئے کہ یہ وسائط بندہ کی ترقیات میں ممد اور معاون ہوتے ہیں۔ غرض آپؑ نے ایمان کے دوسرے رکن کے متعلق جو خرابیاں مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھیں۔ انکو خوب اچھی طرح دُور کیا۔ اور ملائکہ کے وجود کو اس صورت میں ظاہر کیا جس صورت میں کہ خدا اور اس کے رسُول نے انکو پیش کیا تھا ✣

تیسرا رکن ایمان کا کتب سماویہ ہیں۔ انکی نسبت بھی مسلمانوں کے ایمان بالکل متزلزل ہو چکے تھے۔ اور عجیب در عجیب خیالات مسلمانوں میں کتب سماویہ خصوصاً قرآن کریم کے متعلق پیدا ہو گئے تھے اور درحقیقت اسلام میں بلحاظ ایمان کے قرآن کریم ہی اصل ہے۔ کیونکہ دوسری کتب پر ایمان لانا تو صرف اُصولی طور پر ہے۔ ورنہ وہ نہ موجود ہیں اور نہ اُن پر انکی موجودہ شکل میں عمل کرنیکا

حکم ہے ٭

قرآن کریم کے متعلق مسلمانوں کے جو عقائد ہیں۔ انکو دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوتی ہی لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ حیرت مجھے صرف اس سبب سے ہو کہ مینے مسیح موعود پر ایمان لاکر اس سے اصل حقیقت کو معلوم کرلیا ہو۔ ورنہ میں بھی دوسرے لوگوں کیطرح قرآن کریم کے متعلق کسی نہ کسی غلطی کا مرتکب ہوتا بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معًا ہی عملاً دنیا سے اُٹھایا گیا۔ اس کا ایک بیشتر حصہ نعوذ باللہ من ذالک دنیا سے مفقود ہوگیا ہے۔ بعض کے نزدیک جو موجودہ قرآن ہے۔ اس میں بھی انسانی تصرفات کا اثر موجود ہی بعض لوگ اس قسم کے خیالات کو تو سختی سے رد کرتے ہیں اور ان کو کفر قرار دیتے ہیں لیکن خود اسی قسم کے اور خطرناک عقائد پیش کرتے ہیں مثلاً یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ منسوخ شدہ ہی۔ اور منسوخ قرار دینے کا ذریعہ انھوں نے یہ قرار دیا ہے کہ جو آیت دوسری آیت کے خلاف انکو معلوم ہو۔ اسے وہ منسوخ قرار دیدتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کسی کو بعض اور آیتوں میں اختلاف نظر آیا ہے۔ اور کسی کو بعض اور میں۔ اس نے اسکو منسوخ قرار دیدیا ہے اس نے اس کو۔ اور قرآن کریم کا ایک معتدبہ حصہ منسوخ قرار پاکر قابل عمل نہیں رہا۔ نعوذ باللہ من ذالک ٭

اس طریق سے یہی نقصان نہیں ہوا کہ قرآن کریم کے بعض حصے منسوخ قرار دئے گئے۔ بلکہ ایک خطرناک اثر اس کا یہ ہوا ہے کہ طبائع میں یہ خلجان پیدا ہوگیا ہے۔ کہ جبکہ اسکے اندر بعض آیات منسوخ ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسُول نے یہ نہیں بتایا کہ کونسا حصہ منسوخ ہے۔ اور کونسا حصہ منسوخ نہیں۔ تو اس کتاب کا اعتبار ہی کیا رہا ہر شخص کو جو حصہ پسند آیا۔ اس نے اسے اصل قرار دے دیا اور دوسرے کو منسوخ قرار دیا ٭

دوسرا خطرناک عقیدہ کتب الٰہیہ کے متعلق اور خصوصًا قرآن کریم کے متعلق یہ پیدا ہوگیا ہی کہ یہ کلام بھی شیطان کی دست برد سے پاک نہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان الہام الٰہی میں دخل دیتا ہے۔ اور آیت وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته (الحج رکوع) سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ہر نبی کے کلام سُناتے وقت شیطان نے دخل دیا ہے۔ اور ایسے حصے اس میں ملا دیئے ہیں کہ جو شیطان کی طرف سے تھے۔

خدا تعالےٰ کی طرف سے نہ تھے۔ اور عام قاعدہ کے بیان کرنے پر ہی کفایت نہیں کیگئی۔ بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایکدفعہ سورۂ نجم پڑھ رہے تھے۔ جب ان آیات پر پہنچے کہ افرأیتم اللّات والعُزّیٰ ومناة الثالثة الاُخریٰ۔ تو آپکی زبان پر شیطان نے نعوذ باللہ من ذالک یہ کلمات جاری کردیئے۔ تلك الغرانيق العُلىٰ وان شفاعتهن لترتجىٰ۔ یعنی یہ بُت جو بمنزلہ خوبصورت لمبی گردنوں والی حسین عورتوں کے ہیں۔ اُن سے شفاعت کی امید کی جاتی ہی۔ جب یہ الفاظ آپکی زبان سے کفّار نے سُنے۔ تو انھوں نے بھی سجدہ کردیا۔ بعد میں آپ کو معلوم ہوا کہ یہ الفاظ شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیئے تھے۔ تو آپ کو بہت افسوس ہوا۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

بعض لوگوں نے اس کہانی کو اگر حد سے زیادہ خلاف واقعہ اور ناقابل برداشت سمجھا ہے تو انھوں نے یہ کہدیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان نے یہ فقرات جاری نہیں کئے تھے بلکہ آپکی سی آواز بناکر اس طرح یہ کلمات کہدیئے تھے کہ یہی سمجھ میں آتا تھا کہ گویا آپ نے یہ کلمات پڑھے ہیں اس بات کو صحیح سمجھ کر جو قرآن کریم کے متعلق بے اعتباری پیدا ہوتی ہے۔ اسکو یوں دُور کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ فينسخ الله ما يلقى الشيطان ثم يحكم الله اياته والله عليم حكيم (سورة الحج رکوع) یعنی پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی ملاوٹ کو تو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو قائم کر دیتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ مگر اس جواب سے کسی کو تسلی کب ہوسکتی ہی کیونکہ اگر شیطان بھی کلام الٰہی میں دست اندازی کرسکتا ہے۔ تو پھر اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ آیت بھی نعوذ باللہ من ذالک شیطانی ہو جس نے اپنی ملاوٹ کی طرف سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطمئن کرنے کے لئے یہ لکھ دیا ہو کہ جو شیطان کی طرف سے کلام ہو۔ وہ مٹا دیا جاتا ہے۔ تاکہ جو نہ مٹادیا جائے۔ اس کو خدا کا کلام سمجھ لیا جائے ٭

بعض لوگوں نے قرآن کریم کو ایسا بے وقعت کردیا ہے کہ اس کے صریح اور صاف احکام کو ضعیف بلکہ موضوع احادیث کے تابع کردیا ہے۔ اور اتباع سنت کے نام سے خدائے ذوالجلال کے کلام کو بعض خود غرض اور اخلاق ذمیمہ رکھنے والے انسانوں کے خیالات کے تابع کردیا ہے۔ قرآن کریم خواہ جلا جلا کر کسی خیال کو رد کرے۔ اگر حدیث میں جو ضعیف سے ضعیف بھی ہو۔ اس کا ذکر ہو۔ تو بھی وہ اس کو وحی الٰہی پر مقدم کرینگے۔ اور اگر قرآن کریم کسی بات کو بیان کرتا ہو لیکن حدیث میں اس کا رد ہو۔

تو وہ قرآن کو پسِ پُشت ڈال دینگے۔ اور حدیث کے بیان کو صحیح سمجھ لینگے ❖

بعض لوگوں نے کلامِ آلہی سے یہ سلوک کیا ہے کہ وہ اُسے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے خدا کا کلام ہونے سے انکاری ہیں۔ وہ مُنہ سے تو یہی کہتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ مگر ساتھ اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ رسُول کریمؐ کے صاف دل میں جو خیال پیدا ہوتے تھے وہ اللہ تعالےٰ ہی کی تائید سے ہوتے تھے۔ اس لئے وہ خدا کا ہی کلام کہلانا چاہیئے ورنہ الفاظ (نعوذ باللہ من ذالک) رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تیار کردہ ہیں کیونکہ دانکے نزدیک) خدا کا کلام الفاظ میں جو اپنے ادا ہونے کے لئے ہونٹ اور زبان چاہتے ہیں نہیں نازل ہو سکتا ❖

بعض نے خدا کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا جا سکتا گویا عوام الناس تک اس کے پہنچانے کا جو ذریعہ تھا۔ اس کو بند کر کے مسلمانوں کو خدا کے کلام کا مفہوم سمجھنے سے روک دیا ہے۔ اور اس طرح بے دینی کی اشاعت کے ذمہ وار ہو گئے ہیں ❖

بعض نے خدا کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک مجمل کتاب ہے۔ اسمیں اشارتاً بعض ضروری باتیں تو بتا دی گئی ہیں لیکن کوئی مسئلہ اس سے ثابت نہیں ہو سکتا ❖

بعض نے خدا کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم تمام کا تمام تقدیم اور تاخیر سے بھرا پڑا ہے۔ جب تک اس کو مدِنظر نہ رکھیں۔ اسکی بات سمجھ میں نہیں آسکتی ❖

بعض نے خدا کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ تمام دنیا کے قصّے اور کہانیاں جنکو عقلِ سلیم رد کرتی ہے۔ اور فطرت ان سے نفرت کرتی ہے۔ اکٹھی کر کے قرآن کریم کی طرف منسوب کر دی ہیں اور مضمون ملے یا نہ ملے۔ بلکہ خواہ الفاظ قرآن کریم ان کے خلاف ہوں۔ وہ اسرائیلی قصّوں کے ماتحت اس کے مضمون کو لے آتے ہیں۔ اور ان قصّوں کو خدا کے کلام کی تفسیر بتاتے ہیں۔ اور ان کو پہلے بزرگوں اور اولیاء اللہ کی طرف بھی منسوب کرنے سے نہیں جھجکتے ❖

بعض نے خدا کے کلام سے یہ سلوک کیا ہے کہ اس کے ربط اور اسکی ترتیب کے ہی منکر ہو گئے ہیں گویا ان کے نزدیک جس طرح کوئی شخص بیہوشی میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بلا کسی ترتیب کے مختلف واقعات کو بیان کر دیا گیا ہے۔ کوئی خاص ترتیب اور مضمون مدِنظر نہیں

بعض نے بلکہ اسوقت کے کل مسلمانوں نے کلامِ آلہی کے متعلق ایک اور ظلم کیا ہے کہ کہدیا ہے کہ پہلے خدا کا کلام دنیا پر نازل ہوتا تھا۔ لیکن اب نہیں ہوتا۔ گویا اب اللہ تعالےٰ کی ایک صفت معطل ہو گئی ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ سُنتا ہے لیکن بولتا نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک ❖

غرض ہر شخص سے جس قدر ہو سکا۔ اس نے کلام پاک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی ہے اور اسکی خوبصورتی کو لوگوں کی نظروں سے چھپانا چاہا ہے۔ اور ان سب کوششوں کا نام خدمتِ قرآن رکھا ہے۔ حالانکہ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ دنیا قرآن کریم سے متنفر ہو گئی ہے۔ اور اُس کا اثر دلوں سے اُٹھ گیا ہے ❖

حضرت اقدس علیہ السلام نے اے بادشاہ! ان تمام عیوب کو آکر دُور کیا ہے۔ اور دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کہ قرآن کریم اللہ تعالےٰ کا آخری ہدایت نامہ ہے۔ وہ نسخ سے محفوظ ہے۔ اس کے اندر جو کچھ موجود ہے مسلمانوں کے لئے قابلِ عمل ہے۔ اور اس کا کوئی حصہ نہیں جو دوسرے حصہ کے مخالف ہو۔ اور قابلِ نسخ سمجھا جائے۔ جو اسمیں اختلاف دیکھتا ہے۔ وہ خود جاہل۔ اور اپنی کم علمی کو قرآن کریم کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اسی طرح ہے۔ جس طرح کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہُوا تھا۔ اور صرف یہی نہیں کہ اس کے اندر کوئی تبدیلی کی ہی نہیں جا سکتی۔ نہ اس کے بعض مضامین کو بدلکر اور نہ اس کے اندر کوئی نئی آیت ڈال کر۔ اور نہ اس کا کوئی حصہ کم کر کے۔ خدا تعالیٰ خود اس کا محافظ ہے۔ اور اس نے اس کی حفاظت کے ایسے سامان کر دیئے ہیں۔ کچھ رُوحانی اور کچھ جسمانی کہ انسانی دست بُرد اُس پر اثر کر ہی نہیں سکتی۔ پس اس میں کوئی نسخ ماننا بھی غلط ہے۔ اور اس میں کوئی تغیر تسلیم کرنا بھی خواہ وہ کیسا ہی ادنیٰ ہو۔ اتہام ہے۔ وہ محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا ❖

یہ کہنا کہ اس کا کوئی حصہ دُنیا سے اُٹھا لیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ پر الزام لگانا ہے۔ اور اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ کامل کتاب جو اس نے دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجی تھی وہ ایک دن بھی اس کام کو نہ کر سکی جس کے لئے وہ نازل کی گئی تھی۔ اور اس کے اندر تغیر تسلیم کرنے کے یہ معنے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے بے اعتبار ہو گئی۔ لیکن اگر ایسا ہوتا۔ تو یہ بھی ضروری تھا کہ کوئی نبی اور کوئی نئی شریعت دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجی جاتی۔ تا دنیا بلا شریعت کے نہ رہ جاتی ❖

اسی طرح آپ نے ثابت کیا کہ قرآن کریم بلکہ ہر ایک خدا کا کلام شیطانی تصرف سے پاک ہے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ شیطان خدا کے کلام میں کچھ دخل دے سکے۔ خواہ نبی کی زبان پر تصرف کر کے خواہ نبی کی آواز بنا کر اپنی زبان کے ذریعہ سے۔ اور آپ نے اپنے تجربہ سے بتایا کہ جب مجھ پر جو ایک غلام ہوں نازل ہونے والا کلام ہر ایک شک و شبہ سے پاک ہے۔ تو کس طرح ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونیوالا کلام اور وہ بھی قرآن کریم جو ہمیشہ کے لئے ہدایت بننے والا تھا شیطانی اثر کو قبول کرے خواہ ایک آن کے لئے ہی سہی +

آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ قرآن کریم یقینی کلام ہے۔ اسکی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اس وعدہ کا ایفاء اس رنگ میں اس نے کیا ہے۔ کہ دشمن بھی اسکی حفاظت کے قائل ہیں پس اسکے مقابلہ میں حدیث کو رکھنا اسکی گستاخی کرنا اور اسکو جان بوجھ کر رد کرنا ہے جو حدیث قرآن کریم کے مخالف پڑتی ہے وہ ہرگز حدیث نبوی نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا کا رسول خدا کے کلام کے مخالف نہیں کہہ سکتا۔ اور احادیث کی تدوین ایسی محفوظ نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم محفوظ ہے پس قرآن کریم کو زبردستی حدیث کے ماتحت نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ حدیث کو قرآن کریم کے ماتحت کرنا چاہیئے! اور اگر دونوں مطابق نہ ہوسکیں تو حدیث کو جو ممکن ہے کہ کسی انسان کی دانستہ یا نادانستہ دست برد سے خراب ہوچکی ہو۔ چھوڑ دینا چاہیئے +

اور آپ نے ان لوگوں کے جواب میں جو یہ کہتے ہیں کہ سب دین تو ہمیں حدیث سے معلوم ہوا ہے بتایا کہ حدیث اور قرآن کے علاوہ ایک تیسری چیز سنت ہے یعنی وہ کام جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھائے۔ اور جو بلا واسطہ صحابہ نے آپ کو کرتے ہوئے دیکھ کر آپ سے سیکھے۔ اور ان کے مطابق عمل کیا کسی زبانی حدیث کی ان کے لئے ہمیں ضرورت نہیں۔ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھا اور ان سے اگلوں نے سیکھا۔ یہ سنت کبھی قرآن کریم کے مخالف نہیں ہوتی۔ ہاں حدیث جو زبانی روایت ہے۔ وہ کبھی قرآن کے مخالف بھی ہوجاتی ہے اور اس میں شبہ کی گنجایش ہوتی ہے۔ جب وہ قرآن کریم کے مخالف ہو۔ وہ قابل رد ہے۔ اور جب اس کے مطابق ہو تو قابل قبول کیونکہ تاریخی شہادت ہے۔ اور تاریخی شہادت کو بلا وجہ رد نہیں کیا جاسکتا۔ ورنہ بہت سی صداقتیں دنیا سے مفقود ہو جائیں +

آپ نے اس خیال کی لغویت کو بھی ظاہر کیا کہ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔ اور بتایا کہ قرآن کریم کا لفظ لفظ اللہ کا کلام ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف وحی کے سُنانیوالے تھے نہ کہ اس کے بنانے والے۔ یہ وسوسہ درست نہیں کہ کلام ہونٹ اور زبان چاہتا ہے اور خدا کے ہونٹ اور زبان نہیں۔ کیونکہ قیاس مع الفارق ہے۔ خدا تعالیٰ تو لیس کمثلہ شیٔ ہے اسپر انسانی طاقتوں کا اندازہ کر کے فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کلام بلا ہونٹ کے نہیں ہوسکتا۔ تو اسی طرح کوئی چیز بلا ہاتھوں کے نہیں بنائی جاسکتی۔ بلکہ بلا مادی ہاتھوں کے نہیں بنائی جاسکتی۔ تو کیا خدا خالق بھی نہیں ہے۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ بلا مادی ہاتھوں کے اس تمام کائنات کو پیدا کرسکتا ہے اسی طرح بغیر مادی ہونٹ اور زبان ہونے کے وہ اپنی مرضی کو اپنے بندہ پر الفاظ میں ظاہر کرسکتا ہے۔ اور آپ نے اپنے تجربہ کو پیش کیا اور بتایا کہ یہ وہم صرف اس کوچہ سے ناواقفی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ خود مجھ سے الفاظ میں کلام کرتا ہے پس جبکہ وہ مجھ سے الفاظ میں کلام کرتا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سب بنی نوع آدم کے سردار اور خدا تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب تھے کیا وہ ان سے کلام نہ کرتا ہوگا۔ اس سے زیادہ جاہل اور کون ہوگا جو جاہل ہوکر اس بات میں دخل دے۔ جو اسکے علم سے بالا ہو۔ اور نادان ہوکر خدا کے رازوں کو اپنی عقل سے دریافت کرنے کی کوشش کرے +

آپ نے اس خیال کو بھی رد کیا۔ کہ خدا کے کلام کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ اور بتایا کہ جب تک لوگوں تک قرآن کریم کا مفہوم نہ پہنچایا جائے وہ اسکی خوبیوں سے کس طرح واقف ہونگے۔ بے شک خالی ترجمہ کی اشاعت ایک جرم ہے۔ کیونکہ اس سے لوگوں کو متن سے بُعد ہوتا جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ ترجمہ در ترجمہ سے وہ ایک وقت اصل حقیقت کو چھوڑ دیں لیکن ان لوگوں کے لئے جو عربی زبان نہیں جانتے قرآن کریم کا ترجمہ اگر متن کے ساتھ ہو تو نہایت ضروری شے ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ لوگوں میں عربی زبان کا اسقدر رواج دیا جائے کہ لوگ قرآن کریم کو اسکی اصلی زبان میں پڑھ کر وہ برکات حاصل کرسکیں جو کہ ترجمہ سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ اور کم سے کم ہر شخص کو اس قدر حصہ قرآن کریم کا ضرور سکھا دیا جائے جو نماز میں اس کو پڑھنا پڑتا ہے +

آپ نے اس خیال کو بھی کہ قرآن کریم ایک مجمل کتاب ہے اسمیں صرف اشارۃً بعض باتیں بیان ہیں۔ نہایت واضح دلائل سے رد کر کے بتایا۔ کہ قرآن کریم جیسی جامع مانع کتاب تو دنیا بھر میں نہیں

مل سکتی۔ یہ تم لوگوں کا اپنا قصور تھا کہ اسپر غور کرنا تم نے چھوڑ دیا۔ اور اس طہارت کو حاصل نہ کیا جسکے بغیر اسکے مطالب کا القاء انسان کے قلب پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ لا یمسہ الا المطہرون (سورۂ واقعہ رکوع ۳) کا ارشاد ہے۔ پس اپنی کوتاہ فہمی کو قرآن کریم کیطرف منسوب نہ کرو۔ اور پھر آپ نے تمام مسائل دینیہ کو قرآن کریم سے ہی استنباط کرکے پیش کیا۔ اور دشمنانِ اسلام کے ہر اعتراض کو قرآن کریم سے ہی رد کرکے دکھا دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ علوم روحانیہ اور دینیہ اور اخلاقیہ کے متعلق قرآن کریم سے زیادہ واضح اور مفصل کتاب اور کوئی نہیں۔ اسکے الفاظ مختصر ہیں لیکن مطالب ایک بحر ذخار کیطرح ہیں کہ ایک ایک جملہ بیسیوں بلکہ سینکڑوں مطالب لئے کھڑا ہے۔ اور اسکے مضامین ہر زمانہ کے سوالات اور شکوک کو حل کرتے ہیں۔ اور ہر زمانہ کی ضروریات کو وہ پورا کرتا ہے ✣

آپ نے اس خیال کو بھی رد کیا کہ قرآن کریم تقدیم و تاخیر سے بھرا پڑا ہے۔ اور بتایا کہ قرآن کریم کے الفاظ اپنی اپنی جگہ پر ایسے واقع ہیں کہ انکو ہرگز انکی جگہ سے ہلایا نہیں جا سکتا لوگ اپنی نادانی سے اس میں تقدیم و تاخیر سمجھ لیتے ہیں۔ ورنہ اس میں جو کچھ جس جگہ رکھا گیا ہے وہی وہاں درست بیٹھتا ہے۔ اور اسی جگہ پر اسکے رکھنے سے وہ خوبی پیدا ہوتی ہے۔ جو خدا تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور آپ نے قرآن کریم کے مختلف مقامات کی تشریح کرکے اس مضمون کی صحت کو ثابت کیا اور ان لوگوں کے وسوسہ کو رد کیا۔ جو اپنی کم علمی کی وجہ سے تقدیم و تاخیر کے چکر میں پڑے ہوئے تھے ✣

آپ نے اس بات پر بھی جرح کی کہ خدا کے کلام میں اسرائیلی قصوں کو کیوں بھر دیا گیا ہے؟ اور بتایا کہ محض بعض واقعات میں مشابہت کا پیدا ہو جانا یہ ثابت نہیں کرتا کہ درحقیقت یہ دونوں باتیں ایک ہیں۔ قرآن کریم اگر بعض واقعات کو مختلف الفاظ میں بیان کرتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ ان واقعات کو اس صورت میں قبول نہیں کرتا۔ جس صورت میں کہ افسانہ گو اس کو بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ درحقیقت قرآن کریم افسانہ کی کتاب ہی نہیں۔ وہ جو واقعات پچھلے بھی بیان کرتا ہے۔ وہ آگے کی پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ اور انکے بیان کرنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ اسی طرح کا معاملہ آیندہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا انکی امت کے بعض افراد سے ہونے والا ہے۔ پس اسکی تفسیر میں یہودیوں کے قصوں اور افسانوں کو بیان کرنا اسکے مطلب کو

گم کر دیتا ہے۔ قرآن کریم پہلی کتب پر بطور شاہد کے آیا ہے نہ کہ پہلی کتب اسپر بطور شاہد کے ہیں کہ اس کے بتائے ہوئے مضمون کے خلاف ہم ان کتب سے شہادت طلب کریں۔ ہمیں چاہیئے کہ خود قرآن کریم سے اسکی تفسیر کریں۔ اور اسکے مطلب کو باہر سے تلاش کرنے کی بجائے اس کے اندر ڈھونڈیں ✣

آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ قرآن کریم ایک مرتب اور با ربط کتاب ہے۔ اسکے مضامین یونہی بکھرے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ شروع بسم اللہ سے لیکر والناس تک اسکی آیات اور اسکی سورتوں میں ایک ترتیب ہے جو ایسی اعلیٰ اور طبعی ہے کہ جس شخص کو اسپر اطلاع دیجاتی ہے۔ وہ اس کے اثر سے وجد میں آ جاتا ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں کسی انسانی کتاب کی ترتیب میں لطف حاصل نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے قرآن کریم کے مضامین کو بے ترتیب قرار دیا ہے یا مختلف واقعات و مضامین کا مجموعہ سمجھا ہے۔ انھوں نے درحقیقت اس بے نظیر کتاب کے معارف سے کوئی حصہ نہیں پایا۔ اور اپنی جہالت پر نازاں ہو گئے۔ اور اپنی کم علمی پر توکل کر بیٹھے ہیں۔ ان کا خیال بالکل غلط اور باطل ہے اور آپنے قرآن کے مضامین کی ترتیب کو مثالوں سے ثابت کیا۔ اور دنیا کو حیرت میں ڈالدیا ✣

آپنے اس خیال کو بھی اپنے تجربہ اور مشاہدہ اور دلائل سے رد کیا۔ کہ اب اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا۔ اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت معطل نہیں۔ جبکہ وہ پہلے کی طرح اب بھی دیکھتا اور سنتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ اب بولنے سے رک گیا ہے۔ شریعت اور چیز ہے۔ اور خالی وحی اور چیز ہے۔ وحی تو اسکی رضا کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے بند ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی رضا کی راہیں بند ہو گئیں۔ خدا کا کلام کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ جب تک انسان دنیا میں موجود ہے۔ اور جب تک انسانوں میں سے بعض اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کے لئے سچے دل سے کوشاں ہیں۔ اور اسلام کی تعلیم پر عامل ہیں۔ اسوقت تک کلام الٰہی نازل ہوتا رہے گا ✣

غرض کتب سماویہ اور کلام الٰہی کے متعلق جسقدر غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں اور جنکی وجہ سے یہ رکن ایمان بالکل منہدم ہو چکا تھا۔ انکو آپ نے دور کیا۔ اور پھر اس رکن کو اصلی بنیادوں پر قائم کیا۔ اور خدا کے کلام کی اصل عظمت اور حقیقت کو ثابت کرکے طبائع کو اسکی طرف مائل کیا۔ اور اسکی روشنی کو ان پردوں کے نیچے سے نکالا۔ جو اسپر مسلمانوں نے اپنی نادانی کے سبب سے ڈال رکھے تھے۔ اور غیر اقوام بھی قرآن کریم کے نور کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ بلکہ لوگ

اس کے نور کی چمک سے اپنی آنکھیں نہیں کھول سکتے تھے ✦

چوتھا رکن اسلام کا انبیاء پر ایمان لانا ہے۔ اس رکن پر بھی حقیقت سے دُور اور رُوحانیت سے عاری مسلمانوں نے عجیب عجیب رنگ آمیز بیاں کر دی تھیں اور اُسکی شکل کو نہ صرف بدل دیا تھا۔ بلکہ اسکی شکل ایسی بنا کر کے دکھائی تھی کہ اپنوں کے دل نبیوں کی محبت سے خالی ہو گئے تھے۔ اور دوسروں کے دل ان سے نفرت کرنے لگے تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ جسقدر گالیاں اسوقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہی ہیں۔ انکے ذمہ وار یہ مسلمان کہلانے والے لوگ ہیں نہ کہ کوئی اور مسیحی اور دوسرے مخالفین اسلام اسقدر اپنی طرف سے جھوٹ بنا بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہیں کرتے جسقدر کہ ان روایات کی بنا پر اعتراض کرتے ہیں۔ جو خود مسلمانوں سے مروی ہیں اور جنکو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ اور جنکو بطور لطائف کے وہ اپنی مجالس میں بیان کرتے ہیں اور اپنے منبروں پر اس کا ذکر کرتے ہیں۔ آہ! ایک با غیرت مسلمان کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ ایک مسلمان ہی کی تیار کردہ تلوار سے سرور انبیاء محمد مصطفےٰ کے تقویٰ کی چادر کو ایک دشمن اسلام خاک بسر شش اپنے زعم باطل میں چاک کر رہا ہے۔ درحقیقت تو وہ تو وہ اس منافق کے نفاق کو کھول رہا ہوتا ہے۔ مگر ظاہراً یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے عیوب کو ظاہر کر رہا ہے ✦

نبی دُنیا میں اس لئے آتے ہیں کہ نیکی اور تقویٰ کو قائم کریں اور ہدایت کو جاری کریں۔ مگر مسلمانوں نے فیج اعوج کے زمانہ میں نبیوںؑ کیطرف وہ عیب منسوب کر دیئے ہیں کہ جنکو سنکر اور پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر ایک نبی کے انھوں نے گناہ گنوائے ہیں۔ آدمؑ کو گنہگار ثابت کیا ہے۔ کہ انھوں نے صاف اور واضح احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈالدیا تھا۔ نوح علیہ السلام کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انھوں نے باوجود منع کئے جانے کے اپنے بیٹے کے لئے دعا کی۔ حضرت ابراہیمؑ کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انھوں نے نعوذ باللہ من ذالک تین جھوٹ بولے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انھوں نے گویا اپنے باپ کو بستر مرگ پر دھوکا دیا تھا اور اپنے بڑے بھائی کی جگہ بھیس بدلکر اپنے باپ سے دُعا حاصل کر لی تھی۔ یوسف علیہ السلام کو گنہگار ثابت کیا ہے کہ انھوں نے عزیز کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور

بالکل اس کام کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ باوجود کئی رنگ میں سمجھانے کے نہ سمجھتے تھے آخر یعقوبؑ کی شکل سامنے آگئی تو شرم سے اس کام سے باز رہے۔ اور اسی طرح کہا جاتا ہے کہ بچپن میں انھوں نے چوری کی تھی۔ اور ایک دفعہ انھوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کے لئے فریب بھی کیا تھا ✦

حضرت موسیٰؑ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ انھوں نے ایک آدمی کو بلا وجہ قتل کیا۔ اور ایک کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اور پھر فریب سے لوگوں کے مال لیکر بھاگ گئے۔ داؤدؑ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کی منکوحہ چھیننے کے لئے اسکو ناواجب طور پر قتل کروا دیا۔ اور اسکی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اور آخر خدا تعالیٰ کیطرف سے انکو سرزنش ہوئی سلیمانؑ پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ ایک مشرکہ پر عاشق ہو گئے۔ اور شیطان نے ان پر تصرف کر لیا۔ انکی جگہ وہ خود حکومت کرنے لگا۔ اور یہ کہ مال کی محبت اُنکے دل پر غالب آگئی۔ اور وہ عبادت الٰہی سے محروم رہ گئے۔ گھوڑوں کا معائنہ کرتے ہوئے نماز پڑھنا ہی بھول گئے۔ اور سورج ڈوب گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے احسانات کے نیچے ان لوگوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ اور ذرہ ذرہ جنکے انعامات کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ان پر ان لوگوں نے سب سے زیادہ حملے کئے ہیں۔ اور آپکی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر اعتراض نہ کیا ہو۔ بعضوں نے کہدیا کہ آپ حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ مگر لوگوں کے ڈر سے کچھ نہ کر سکے بعض نے کہا کہ آپ نعوذ باللہ من ذالک اپنی پھوپھی زاد بہن کو دیکھ کر اسپر عاشق ہو گئے۔ اور آخر اللہ تعالیٰ نے زید سے طلاق دلوا کر انکو آپؐ کے نکاح میں دیا۔ بعض نے کہا کہ آپ اپنی بیوی کی ایک لونڈی سے چھپ چھپ کر صحبت کیا کرتے تھے۔ ایک دن بیوی نے دیکھ لیا۔ تو آپ بہت نادم ہوئے۔ اور اس بیوی سے اقرار کیا کہ پھر آپ ایسا نہیں کرینگے۔ اور اس سے عہد لیا کہ وہ اور کسی کو نہ بتائے بعض کہتے ہیں کہ آپؐ کے دل میں کبھی کبھی یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ تعلیم اسلام میں نرمی ہو جائے۔ اور ایسی تعلیم نازل ہو جسے مشرکین عرب بھی تسلیم کر لیں۔ انکے احساسات اور جذبات کا بھی لحاظ رکھا جائے ✦

یہ وہ خیالات ہیں۔ جو اسوقت کے مُسلمانوں میں انبیاءؑ کی نسبت رائج ہیں۔ اور بعض تو اسقدر بڑھ گئے ہیں کہ انکے ذاتی چال چلن سے گذر کر انھوں نے انکے دینی چال چلن پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ اور کہتے

ہیں کہ انبیاء درحقیقت محبانِ وطن تھے۔ جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ لوگ بلا اس عقیدہ کو تسلیم کرنے کے کہ کوئی جزا سزا کا دن ہے۔ اور جنت اور دوزخ حق ہیں۔ تمدنی حدود کے اندر نہیں رہ سکتے تھے۔ نیک نیتی کے ساتھ مناسبِ وقت احکام لوگوں کو دیدئے۔ الہام کا دعویٰ درست نہ تھا۔ مگر بوجہ نیت نیک ہونے کے اور اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم پیش کرنے کے وہ قابلِ عزت ہیں اور باوجود اس قسم کے عقیدوں کے وہ مسلمان کہلاتے ہیں ؛

حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں اور عقائد کا رد کیا۔ اور ان میں صحیح راستہ ہمیں بتایا۔ وہاں ان خیالات کے متعلق بھی صحیح اسلامی تعلیم سے مسلمانوں اور دیگر لوگوں کو آگاہ کیا۔ آپ نے بتایا کہ انبیاء دنیا میں نیکی قائم کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اور اس لئے لوگوں کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ نمونہ نہ ہوں۔ تو پھر انکی بعثت کی کیا ضرورت ہے کیوں آسمان سے صرف کتاب ہی نازل نہ کی جائے۔ نبیوں کی بعثت کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ خدا کے قول کو لوگ عمل میں آیا ہوا دیکھ لیں اور انکی عملی تصویر سے لفظی حقیقت کو معلوم کریں۔ اور انکے نمونہ سے جرأت حاصل کر کے نیکی میں ترقی کریں۔ اور انکی قوت قدسیہ سے طاقت حاصل کر کے اپنی کمزوریوں پر غالب آویں ؛

آپ نے دنیا کو تعلیم دی کہ لوگ انبیاء کی نسبت جن غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا سبب انکی نافہمی ہے۔ وہ خدا کے کلام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور بلاتحقیق اپنی بات کو پھیلانا شروع کردیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے تمام نبی معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کا زندہ نمونہ اور وفا کی جیتی جاگتی تصویر ہوتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں اور اپنی صفائی اور خوبصورتی سے خدا تعالیٰ کی سبوحیت اور قدوسیت اور اسکے بے عیب ہونے کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ ایک آئینہ ہوتے ہیں کہ جسمیں بدکار بعض دفعہ اپنی شکل دیکھ کر اپنی بدصورتی اور زشت روئی کو ان کی طرف منسوب کردیتا ہے۔ نہ آدمؑ شریعت کا توڑنے والا تھا۔ نہ نوحؑ گنہگار تھا نہ ابراہیمؑ نے کبھی جھوٹ بولا۔ نہ یعقوبؑ نے دھوکا دیا۔ نہ یوسفؑ نے بدی کا ارادہ کیا یا چوری کی یا فریب کیا۔ نہ موسیٰؑ نے ناحق کوئی خون کیا۔ نہ داؤدؑ نے کسی کی بیوی ناحق چھینی۔ نہ سلیمانؑ نے کسی مشرکہ کی محبت میں اپنے فرائض کو بھلایا۔ یا گھوڑوں کی محبت میں نماز سے غفلت کی۔ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کیا۔ آپؐ کی ذات تمام عیوب سے پاک تھی۔ اور تمام گناہوں سے محفوظ و مصئون۔ جو آپ کی

عیب شماری کرتا ہے۔ وہ خود اپنے گند کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ سب افسانے جو آپ کی نسبت مشہور ہیں۔ بعض منافقوں کی روایات ہیں جو تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتے۔ آپکی باقی زندگی ان روایات کے بالکل برخلاف ہے۔ اور جس قدر اس قسم کی باتیں آپؐ کی نسبت یا دوسرے انبیاء کی نسبت مشہور ہیں وہ یا تو منافقوں کے جھوٹے اتہامات کی بقیہ یادگاریں ہیں۔ یا کلام آلٰہی کے غلط اور خلاف مراد معنے کرنے سے پیدا ہوئی ہیں ؛

آپ نے نہایت وضاحت سے قرآن کریم سے بدلائل قاطعہ ثابت کردیا۔ کہ درحقیقت اس قسم کے خیالات اسلام کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ یہ خیالات مسلمانوں میں مسیحیوں سے آئے تھے۔ کیونکہ مسیحیوں نے حضرت مسیح کی خدائی ثابت کرنے کے لئے یہ رویہ اختیار کیا ہوا تھا۔ کہ وہ سب نبیوں کی عیب شماری کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ چونکہ گناہوں سے پاک صرف حضرت مسیح ہیں۔ اس لئے ضرور وہ انسانیت سے بالا طاقتیں رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی سب نبیوں کے عیب تو گنائے جاتے ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اتہامات لگائے جاتے ہیں۔ مگر حضرت مسیحؑ کو بالکل بے گناہ قرار دیا جاتا۔ اور آپ ہی کو نہیں۔ بلکہ آپ کی والدہ کو بھی بالکل پاک قرار دیا جاتا ہے۔ کیا یہ اس امر کا کافی ثبوت نہیں کہ یہ جھوٹے افسانے اور قابلِ نفرت قصے مسلمانوں میں مسیحیوں سے ہی آئے ہیں۔ جن کے بد اثر کیا تو بوجہ ایک جگہ رہنے کے مسلمانوں نے قبول کرلیا۔ یا بعض شریر الطبع لوگوں نے بظاہر اسلام قبول کر کے اس قسم کی مخربات اور باطل باتیں مسلمانوں میں پھیلانی شروع کردیں۔ جنھیں ابتداءً تو ہمارے مورخوں اور محدثوں نے اپنی مشہور دیانتداری سے کام لیکر صحیح روایات کے ساتھ جمع کردیا تھا تاکہ مخالف اور موافق سب روایات لوگوں تک پہنچ جائیں۔ مگر بعد میں آنیوالے ناخلف لوگوں نے جو نور نبوت سے خالی ہو چکے تھے ان شیطانی وساوس کو تو قبول کرلیا۔ جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف تھے۔ اور ان صحیح روایتوں کو نظرانداز کردیا۔ جو انبیاء کی عصمت اور انکی پاکیزگی پر دلالت کرتی تھیں۔ اور ان وساوس کے لئے بمنزلہ تیز تلوار کے تھیں کہ جسکی ضرب کو وہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے ؛

مگر الحمدللہ کہ حضرت اقدس نے اس گندگی کو ظاہر کردیا۔ اور انبیاء کے صحیح مرتبہ کو پھر قائم کردیا۔ اور انکی عزتوں کی حفاظت کی خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپکی پاکیزگی کو تو

نہ صرف الفاظ میں بیان کیا۔ بلکہ ایسے زبردست دلائل سے ثابت کیا۔ کہ دشمن کا منہ بھی بند ہو گیا۔

بقول حضرت اقدس : ؎

هر رسولے آفتابِ صدق بود — هر رسولے بود مہرِ انورے
هر رسولے بود ظلِّ دیں پناہ — هر رسولے بود باغے مثمرے
گر بدنیا نامدے ایں خیلِ پاک — کارِ دیں ماندے سراسر ابترے
ہر کہ شکر بعثِ شاں نارد بجا — ہست او آلائے حق را کافرے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند — متحد در ذات و اصل و گوہرے
اوّل آدمؑ آخرِ شاں احمدؐ است — اے خنک آنکس کہ بیند آخرے
انبیاء روشن گہر ہستند لیک — ہست احمدؐ زاں ہمہ روشن ترے
آں ہمہ کانِ معارف بودہ اند — ہر یکے از راہِ مولیٰ مخبرے
ہر کہ را علمے ز توحیدِ حق است — ہست اصلِ علمش از پیغمبرے
آں رسیدش از رہِ تعلیم ہا — گو شود اکنوں ز نخوت منکرے
ہست قومے کج رو و ناپاک رائے — آنکہ زیں پاکاں ہمے پیچد سرے
دیدۂ شاں روئے حق ہرگز ندید — بس سیہ کردند روئے دفترے
شور بختی ہائے بختِ شاں بہ بیں — ناز بر چشم و گریزاں از خورے
چشم گر بودے غنی از آفتاب — کس نبودے تیز بیں چوں شپّرے
چوں بروزِ ابتدا تقسیم کرد — درمیانِ خلق از خیر و شرے
راستی در حصۂ اوشاں فتاد — دیگراں را کذب شد آبشخورے
قولِ شاں اینست کاندر غیرِ شاں — آمدہ صد کاذب و حیلت گرے
لعلِ تاباں را اگر گوئی کثیف — زیں چہ کاہد قدرِ روشن جوہرے
طعنہ بر پاکاں نہ بر پاکاں بود — خود کنی ثابت کہ ہستی فاجرے

پانچواں رکن ایمان کا بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ پر ایمان لانا ہے۔ اس رکن کے انہدام کے لئے بھی اس زمانہ کے مسلمانوں نے پورا زور لگایا تھا۔ دل تو یقیناً بعث بعد الموت کے منکر

ہو چکے تھے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو اسلام کی تعلیم کو اس طرح پس پشت کیوں ڈال دیا جاتا؟ ظاہری طور پر بھی لوگوں میں اس کے متعلق عجیب عجیب خیالات پھیل رہے تھے۔ جنت کا جو نقشہ مسلمانوں کے ذہنوں میں سما گیا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ جنت کا اصل مفہوم لوگوں کے ذہنوں سے نکل چکا ہے جنت اب کیا چیز رہ گئی تھی۔ ایک عیش و عشرت کا مقام۔ گویا اس دنیا میں انسان کی پیدایش صرف اس غرض کے لئے تھی۔ کہ وہ ایک ایسی جگہ پر جا کر بسے۔ جہاں ہر طرح کے کھانے اور پینے کی اشیاء ہوں۔ اور عورتیں ہوں۔ اور انکی صحبت ہو۔ جب یہ حاصل ہو گیا تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ انسان کی پیدائش کی اصل غرض یہ ہے کہ لیعبدون (ذاریات ع ۳) اس لئے کہ وہ میری عبادت کرے یعنی ایسی صورت اختیار کرے کہ میرے صفات کو اپنے اندر نقش کر لے کیونکہ عبودیت کے معنی تذلل اور دوسری شے کے نقش کو قبول کر لینے کے ہوتے ہیں پس یہ خیال کرنا کہ انسان پچاس ساٹھ سال تک تو اس کام کو کریگا جسکے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ اور بعد میں ایک نہ ختم ہونیوالے وقت کو کھانے پینے اور عیش و عشرت میں بسر کریگا۔ تو حد درجہ کی نادانی تھی اسی طرح دوزخ کے متعلق خیال کیا جاتا تھا۔ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کفار کو ایک نہ ختم ہونے والے عذاب کے لئے ڈال دے گا۔ اور ایک سخت حاکم کی طرح پھر کبھی ان پر رحم نہ کرے گا۔

حضرت اقدسؑ نے ان خیالات کو بھی رد کیا۔ اور دلائل اور معجزات سے بعث بعد الموت پر ایمان کو لوگوں کے دلوں میں قائم کیا۔ اور دنیا کی بے ثباتی اور اُخروی زندگی کی خوبی اور برتری کو روز روشن کی طرح ظاہر کر کے لوگوں کے دلوں میں اس کے مطابق عمل کرنے کی خواہش کو پیدا کیا۔ اسی طرح جنت کے متعلق جو غلط خیالات لوگوں کے تھے۔ ان کو بھی دور کیا۔ یہ وہم بھی دور کیا کہ جنت صرف ایک استعارہ ہے اور ثابت کیا کہ جنت کا وجود ایک حقیقت ہے۔ اور اس خیال کی غلطی بھی ثابت کی۔ کہ گویا وہ اس دنیا کی طرح ہے لیکن اس سے زیادہ وسیع پیمانہ کی آرام اور آسایش والی جگہ ہے۔ اور بتایا کہ درحقیقت اس جگہ کی نعمتیں اس دنیا سے بالکل مختلف ہیں۔ اور درحقیقت اس جگہ کی مادی نعمتیں اس دنیا کی عبادات کے متمثلات ہیں۔ گویا یہاں کی روح وہاں کا جسم ہے اور وہاں کی روح ایک اور ترقی یافتہ چیز ہے جسکی طاقتیں اس روح سے بہت بالا ہونگی جس طرح کہ نطفہ کی روحانی طاقتوں سے اس سے پیدا ہونیوالے انسان کی روحانی طاقتیں اعلیٰ

ہوتی ہیں ✣

اسی طرح آپ نے یہ ثابت کیا۔ کہ دوزخ کا عذاب جسے لوگ نہ ختم ہونیوالا کہتے ہیں۔ درحقیقت ایک وقت پر جاکر ختم ہو جائیگا۔ وہ ابدی ہے یعنی ایک نہایت لمبے عرصہ تک جانیوالا ہے مگر وہ غیر محدود نہیں ہے۔ آخر کاٹا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات کی نسبت فرماتا ہے۔ رحمتی وسعت کل شیء۔ اسکی شان سے بعید ہے۔ کہ عاجز بندہ کو نہ ختم ہونیوالا عذاب دے۔ اور جبکہ قرآن کریم جنت کے انعامات کو غیر مجذوذ (ہود ع ۹) اور غیر ممنون (فصلت وانشقاق وتین) قرار دیتا ہے۔ اور دوزخ کے عذاب کی نسبت یہ الفاظ نہیں استعمال فرماتا۔ تو ضرور ہے کہ دونوں میں کچھ فرق ہو۔ پھر بندہ کیوں خدا کی لگائی ہوئی شرائط کو چھوڑ دے؟ خصوصاً جبکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے مطالب کی تفسیر ان الفاظ میں فرماویں کہ یأتی علی جہنم یوم ما فیہا من بنی آدم احد تخفق ابوابہا (کنز العمال صفحہ ۲۴۰) یعنی ایک وقت جہنم پر ایسا آئیگا کہ اس کے اندر ایک آدمی بھی نہ رہیگا اور اس کے دروازے کھٹکھٹائے جائیں گے کسی کا کیا حق ہے کہ خدا کی رحمت اور اسکی بخشش کی حدبندی کرے؟

ان ارکان ایمان کے علاوہ عملی حصہ میں بھی بہت بڑی بڑی تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں بعض لوگوں نے اباحت پر زور دے رکھا تھا۔ ان کا یہ عقیدہ ہو رہا تھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ آدمی کہدے اور پھر جو چاہے کرے۔ ان لوگوں کا یہ یقین تھا۔ کہ اگر ہم لوگ گناہ نہ کرینگے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کس کی کرینگے ✣

بعض لوگوں کا یہ خیال ہو رہا تھا کہ شریعت اصل مقصود نہیں۔ وہ تو خدا تک پہنچانے کے لئے بمنزلہ کشتی کے ہے۔ پس جب انسان خدا کو پالے۔ تو پھر اسے کشتی میں بیٹھا رہنے کی کیا ضرورت ہے ✣

بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ احکام شریعت درحقیقت باطنی امور کے لئے ظاہری نشانات ہیں جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اسوقت لوگوں کی حالت بلحاظ تمدن کے بالکل ابتدائی تھی۔ اور لوگ وحشی تھے۔ ظاہر پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ اب علمی زمانہ ہے اب لوگ خوب سمجھدار ہو گئے ہیں۔ اب ان ظاہری رسوم کی پابندی چنداں ضروری نہیں،

اگر کوئی شخص صفائی رکھتا ہے۔ خدا کو دل میں یاد کرتا ہے۔ قوم کا درد و غم دل میں رکھتا ہے غرباء کی مدد کر چھوڑتا ہے۔ کھانے پینے میں احتیاط کرتا ہے۔ قومی کاموں میں شریک ہوتا ہے تو یہی اسکی نماز اور یہی اس کا روزہ اور یہی اسکی زکوٰۃ اور یہی اس کا حج ہے ✣

بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر رسول کریم سے ایک خاص قسم کا پاجامہ پہننا ثابت ہے۔ تو اسی قسم کا پاجامہ پہننا چاہیئے۔ اور اگر آپ نے بال لمبے رکھے ہوئے تھے تو ہمیں بھی بال لمبے رکھنے چاہئیں۔ علیٰ ہذا القیاس ✣

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حق نہ تھا۔ کہ لوگوں کو کچھ حکم دیتے وہ ہماری طرح کے انسان ہیں۔ جو کچھ قرآن کریم میں آگیا۔ وہ حجت ہے باقی سب باطل ہے ✣

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں بزرگوں نے جو کچھ کہدیا کہدیا۔ ان کے خیال کے خلاف اور کوئی بات قابل تسلیم نہیں ہمارا فرض ہے کہ اندھا دھند انکی تقلید کریں ✣

یہ تو اصولی باتیں ہیں۔ اب ہیں جزئیات۔ ان میں اور بھی اندھیر ہے۔ بعض لوگ غیر زبانوں کا پڑھنا کفر قرار دیتے ہیں۔ بعض لوگ علوم جدیدہ کا سیکھنا ایمان کے منافی خیال کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں ایک حصہ مسلمانوں کا سود جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فأذنوا بحرب من اللہ (سورۃ البقرہ ع ۳۸) اسے جائز قرار دیتا ہے ✣

نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ ورثہ۔ ہر ایک امر کے متعلق اسقدر اختلاف ہے کہ حقیقت بالکل پوشیدہ ہو گئی ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی بات کو اصل اسلام قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس کے خلاف کرنے والے کے ساتھ جھگڑا کیا جاتا ہے مسلمان کہلانے والوں نے اپنے بھائیوں کی انگلیاں اس لئے توڑ دی ہیں کہ وہ تشہد میں انگلی کیوں کھڑی کرتے تھے۔ اور قرآن کریم کی تلاوت کرنیوالے مونہوں میں نجاستیں ڈالی ہیں۔ کہ اس منہ سے آمین بالجہر کیوں نکلی تھی۔ غرض عملی حصہ بھی اسی تغیر و تبدل اور اسی فساد کا شکار ہو رہا ہے جس کا کہ اعتقادی حصہ تھا ✣

حضرت اقدسؑ نے اس حصہ کی بھی اصلاح کی۔ اور ایک طرف تو اباحت کے طریق کو باطل ثابت کیا۔ اور بتایا کہ شفاعت ان لوگوں کے لئے ہے جو گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرتے ہیں مگر پھر بعض وجوہ سے ان میں گر جاتے ہیں۔ اور بعض کوتاہیاں انکی باقی رہ جاتی ہیں۔ نہ ان کے

لئے جو شفاعت کی خاطر گناہ کرتے ہیں۔ شفاعت گناہ کے مٹانے کے لئے تھی۔ نہ کہ گناہ کی اشاعت کے لئے ۔

اسی طرح یہ بتایا کہ گویا شریعت اصل مقصود نہیں۔ مگر عبودیت اصل مقصود ہے۔ پس جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور جس وقت تک دیا ہے۔ اُسے بجا لانا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا قرب کوئی محدود شئے نہیں کہ کہا جائے کہ اب قُرب حاصل ہو گیا ہے۔ اب عبادت کی ضرورت نہیں۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان جب وفات تک ایاك نعبد اور اھدنا الصراط المستقیم کہتا رہا۔ اور آپؐ کو ربّ زدنی علما (سورہ طٰہٰ رکوع ۶) کہنے کا حکم ملا تو اور کون شخص ہے۔ جو کہے کہ مَیں منزل مقصود تک پہنچ گیا ہوں۔ اب مجھے عبادت کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت اس قسم کے خیال کے لوگ خدا تعالیٰ کو ایک دریا کے کنارہ کی طرح محدود شئے قرار دیتے ہیں۔ اور اپنی بیدینی کو دین کے پردہ کے نیچے چھپاتے ہیں ۔

اسی طرح آپؑ نے بتایا۔ کہ احکام اسلام انسان کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اور ہر زمانہ اور ہر علمی حیثیت کے لوگوں کے لئے یکساں مفید ہیں۔ اور انکے بغیر کوئی روحانی ترقی نہیں ہو سکتی۔ پس یہ غلط ہے کہ اب ان احکام پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ یا یہ کہ ان کا قائم مقام اور کاموں کو قرار دیا جا سکتا ہے ۔

اسی طرح آپؑ نے بتایا کہ ایک عبادات اور سنتیں ہیں۔ اور ایک رواج مُلکی اور دستور قومی عبادات اور سنّت کے علاوہ ایسی باتوں میں جنکو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملکی رواج اور قومی دستور کے مطابق کرتے تھے۔ لوگوں کو مجبور کرنا کہ وہ بھی آپ ہی کی طرز کو اختیار کریں ظلم ہے۔ خود صحابہؓ ان اُمور میں مختلف طریقوں کو اختیار کرتے تھے۔ اور کوئی ایک دوسرے کو بُرا نہ کہتا تھا ۔

آپؑ نے ان لوگوں کے خیالات کو بھی رد کیا۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جیسے انسان ہیں۔ اور آپؐ کا کوئی حق نہیں کہ ہم آپ کی اطاعت کریں ۔

آپؑ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء خدا تعالیٰ کے کلام کا ایک خاص فہم پاتے ہیں۔ جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے انکی تشریح کا قبول کرنا مومن کا فرض ہوتا ہے۔ ورنہ ایمان سلب ہو جاتا ہے ۔

آپؑ نے اس خیال کی بھی غلطی ظاہر کی۔ کہ جو کچھ کسی بزرگ نے کہدیا۔ اس کا تسلیم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو اجتہاد کا مادہ نہیں رکھتے۔ سہولتِ عمل کے لئے بیشک ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی بزرگ کو جس کی صداقت اور تقویٰ اور علمیت ان پر ظاہر ہو گئی ہے اپنا رہبر بنا لیں۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر شخص کو خواہ وہ علم اور فہم رکھتا ہو۔ ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ دوسرے کی اندھا دُھند تقلید نہیں کرتا تو گنہگار ہے۔ بلکہ علم رکھنے والے شخص کو چاہیئے۔ کہ جس بات کو وہ قرآن و حدیث کی نصوص سے معلوم کرے۔ اس میں اپنے علم کے مطابق عمل کرے ۔

آپؑ نے اس خیال کی لغویت کو بھی ظاہر کیا کہ محض دنیاوی باتوں کو دینی بنا لیا جائے۔ آپ نے بتایا کہ زبانیں سب خدا کی ہیں۔ جو زبان مُفید ہو۔ اس کو سیکھنا چاہیئے۔ اور جس قدر علوم انسان کی جسمانی۔ اخلاقی۔ علمی۔ تمدنی۔ سیاسی۔ رُوحانی حالت کے لئے مفید ہیں۔ ان کو پڑھنا نہ صرف یہ کہ گناہ نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے۔ اور بعض حالتوں میں جبکہ ان کو خدمت دین کے لئے سیکھا جائے موجبِ ثواب ہے ۔

آپؑ نے سُود کی لعنت سے بچنے کی بھی مسلمانوں کو ہدایت کی۔ اور بتایا کہ یہ حکم عظیم الشان حکمتوں پر مبنی ہے۔ اس کو معمولی دنیاوی فوائد کی خاطر بدلنا نہیں چاہیئے ۔

اسی طرح آپؑ نے بتایا۔ کہ دین کے مسائل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اُصول اور ایک فروع۔ اُصول قرآن کریم سے ثابت ہیں۔ اور ان میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص سمجھنا چاہے تو ان کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اور جو فروعی مسائل ہیں۔ اُنکی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص طریق پر ایک کام کے کرنے کا حکم دیدیا ہو۔ اور اس کے سوا اور کسی طریق پر اس کے کرنے سے روک دیا ہے۔ اس صورت میں تو اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیئے جس کے اختیار کرنے کا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہو کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا دو سے زیادہ باتیں مروی ہیں۔ اور مسلمانوں کے بعض حصے بعض روایتوں پر۔ اور بعض حصے بعض روایتوں پر ہمیشہ سے عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کے بارہ میں یہ یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ سب طریق درست اور مطابق سنت ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو کس طرح ممکن تھا کہ

آپ کے صحابہؓ میں سے ایک حصہ ایک طریق کو اختیار کر لیتا۔ اور دوسرا حصہ دوسرے طریق کو۔ اصل بات یہ ہی کہ بعض امور میں اختلاف طبائع کو مدّنظر رکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طرح انکے کرنے کی اجازت دیدی ہے یا خود کئی طریق پر بعض کاموں کو کر کے دکھا دیا ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں شک نہ رہے جیسے رفع یدین ہے کہ کبھی آپ نے رفع یدین کیا کبھی نہیں کیا۔ یا آمین بالجہر ہے کہ کسی نے آپؐ کے پیچھے آمین بالجہر کہا۔ کسی نے نہ کہا۔ اور آپ نے دونو طریق کو پسند کیا اسی طرح ہاتھوں کا باندھنا ہے کبھی کسی طرح باندھا کبھی کسی طرح باندھا۔ اب جس شخص کی طبیعت کو جس طریق سے مناسبت ہو اُسپر کاربند ہو۔ اور دوسرے لوگ جو دوسری روایت پر عمل کرتے ہیں۔ ان پر حرف گیری نہ کرے کیونکہ وہ دوسری سنّت یا رخصت پر عمل کر رہے ہیں۔ غرض ان اُصول کو مقرر کر کے آپ نے تمام وہ اختلافات اور فتنے دُور کر دئے۔ جو مسائل فقہیہ کے متعلق مسلمانوں میں پیدا ہو رہے تھے اور پھر صحابہ کرامؓ کے زمانہ کی یاد کو تازہ کر دیا +

یہ ایک مختصر نقشہ ہے اس اندرونی اصلاح کا جو آپؑ نے کی۔ اگر اسکی تفصیل کیجائے۔ تو مستقل کتاب اسی مضمون پر لکھنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس لئے مَیں اسی پر کفایت کرتا ہوں جناب اسی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے اسلام کے اندر جسقدر نقائص پیدا کر دیئے گئے تھے۔ خواہ عقائد میں خواہ اعمال میں سب کو دُور کر دیا ہے۔ اور اسلام کو پھر اسکی اصلی شکل میں دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے جس سے اب وہ سب دوست و دشمن کے دلوں کو لبھانے لگ گیا ہے۔ اور اسکی قوتِ قدسیہ پھر اپنا اثر دکھانے لگ گئی ہے +

اے بادشاہ! جسقدر نقائص اُوپر بطور مثال بیان ہوئے ہیں۔ یہ لکن بہت سے نقائص ایسے جید ہیں جو اسوقت مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں۔ آپ انکو دیکھ کر ہی معلوم کر سکتے ہیں کہ ایک محفوظ کتاب کی موجودگی میں جیسا کہ قرآن کریم ہے۔ اس سے زیادہ مفاسد اسلام میں نہیں پیدا ہو سکتے۔ اگر اس سے زیادہ مفاسد پیدا ہونگے تو اسی صورت میں کہ قرآن کریم ہی نعوذ باللہ من ذالک بدل جائے ۔ ... ... مگر یہ ناممکن ہے پس اور مفاسد بھی پیدا ہونے ناممکن ہیں +

پس اب غور کرنا چاہیئے۔ کہ جب اسلام کے اندر مفاسد اپنی انتہا کو پہنچ گئے ہیں تو اور کونسا وقت ہے جبکہ مسیح موعود آئینگے۔ اور جبکہ ان تمام مفاسد کی اصلاح حضرت اقدس مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے کر دی ہے۔ اور اسلام کو ہر ایک شر سے محفوظ کر دیا ہے۔ تو پھر اور کسی شخص کے آنے کی کیا ضرورت ہی اور جبکہ وہ کام جو مسیح موعود کے لئے اور صرف حضرت مسیح موعود کے لئے مقدر تھا۔ آپ نے باحسن وجوہ پورا کر دیا ہے۔ تو آپ کے مسیح موعود ہونے میں کیا شک ہی۔ جب سُورج نصف النہار پر آجائے تو پھر اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایسے واضح دلائل کی موجودگی میں حضرت مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا +

چھٹی دلیل

نصرت الٰہی

چھٹی دلیل آپ کی صداقت کی یہ دلیل بھی درحقیقت بہت سے دلائل پر مشتمل ہی نصرت الٰہی ہی مامور و مرسل درحقیقت اللہ تعالیٰ کے پیاروں میں سے ایک پیارا ہوتا ہے۔ اور اسکی صداقت ثابت نہیں ہو سکتی جب تک کہ خدا تعالیٰ کا اسکے ساتھ وہ سلوک نہ ہو۔ جو پیاروں اور محبوبوں سے ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص دعوائے ماموریت کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا سلوک محبوبوں اور پیاروں والا سلوک نہیں تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا نائب بنا کر بھیجے۔ اور پھر اسکے ساتھ اپنی محبّت کا کوئی نمونہ نہ دکھائے۔ اور نہ اُسکی مدد کرے۔ دُنیا کے بادشاہ بھی جب کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجتے ہیں تو اسکی مدد کرتے ہیں۔ اور اسکی طرف خیال رکھتے ہیں اور جب بھی اسکو ضرورت ہو۔ اُسکی نصرت کے لئے سامان بہم پہنچاتے ہیں پھر خدا تعالیٰ جس کے خزانے وسیع ہیں اور جو عالم الغیب ہے۔ کیوں اپنے ماموروں کی مدد نہ کریگا۔ اور اگر کوئی شخص دعوائے ماموریت کرے۔ اور اُسکی خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید ہو اور مدد ہو۔ اور خاص نُصرت اللہ تعالےٰ کی اُسکو پہنچے۔ تو وہ شخص سچّا اور راستباز ہے۔ کیونکہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ایک راستباز کو خدا چھوڑ دے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک جھوٹے اور شریر سے اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ کرے۔ اور وہ اسکے بندوں کو گمراہ کرتا پھرے۔ اور یہ بات تو اور بھی خلاف عقل ہے کہ ایسے جھوٹے کی اللہ تعالیٰ مدد کرے اور اسکی کے لئے اپنی نُصرت کے دروازے کھولدے +

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز (مجادلہ رکوع ۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اور اُس کے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے۔ وہ قوت والا اور غالب ہے۔ پس اس نے اپنی قوت اور غلبہ کے اظہار کے لئے یہ قانون بنا دیا۔ کہ جب اس کا کلام لے کر اسکے رسول مبعوث ہوں تو وہ انکو غلبہ دے کیونکہ اگر وہ اُن کو غالب نہ کرے۔ تو اس کی قوت اور عزت میں لوگوں کو شبہ پیدا ہو جائے گا۔

اسی طرح فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشہاد (سورہ مومن ع ۶) ہم ضرور اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ہمارے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی مدد کیا کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے۔ ولٰکن اللہ یسلط رسلہ علیٰ من یشآء واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر (حشر ع ۱) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن لوگوں پر چاہتا ہے۔ تسلط عطا کر دیتا ہے۔ اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

یہ تو اس مضمون کی آیات ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اور ان کو دوسرے لوگوں پر تسلط عطا فرماتا ہے۔ خواہ جسمانی اور روحانی طور پر۔ خواہ صرف روحانی طور پر۔ انکے سوا قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی جھوٹا دعویٰ ماموریت اور رسالت کا کرے تو اس کو سزا بھی ملتی ہے۔ اور وہ کسی صورت میں ہلاکت سے بچ نہیں سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین (سورہ حاقہ ع ۲) یعنے اگر یہ رسول جان بوجھ کر ہم پر جھوٹ باندھ رہا ہوتا۔ تو ہم اس کا دایاں بازو پکڑ لیتے۔ اور اسکی رگِ جان کاٹ دیتے یعنی اُسکی نصرت اور تائید کا دروازہ بند کر دیتے اور اُسے ہلاکت کا منہ دکھاتے۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبًا او کذّب بایاتہٖ انہ لایفلح الظّٰلمون (سورہ انعام ع ۳) اور اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتا ہے یا اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔ یعنی جبکہ ظالم کامیاب نہیں ہوتا۔ تو یہ خدا کا گنہگار جو سب قسم کے روحانی ظالموں سے زیادہ ظالم ہے۔ کب کامیاب ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے دو قانون جاری ہیں۔ ایک

یہ کہ وہ اپنے رسولوں کی نصرت کرتا ہے۔ اور اُنکی مدد کرتا۔ اور اُن کو غلبہ دیتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ جو لوگ یہ جانتے ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر افترا کر رہے ہیں۔ ایک بات جھوٹ بنا کر پیش کر دیں۔ تو انکو خدا تعالیٰ کیطرف سے مدد نہیں ملتی۔ بلکہ وہ ہلاک کئے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ جو بات پہلے ہمنے عقلاً ثابت کی تھی۔ قرآن کریم بھی اسکی تائید کرتا ہے۔ بلکہ اُسے سنت اللہ قرار دیتا ہے۔

اس سنت الٰہیہ اور ازلی قانون کے مطابق ہم حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے پر غور کرتے ہیں۔ تو آپ کی صداقت ہمیں روز روشن کیطرح ثابت نظر آتی ہے۔ اور آپکی کامیابی کو دیکھ کر اس امر میں کسی قسم کا شک و شبہ ہی نہیں رہتا۔ کہ آپ خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور مرسل ہیں۔

پیشتر اسکے کہ یہ دیکھا جائے۔ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے کیا کیا نصرتیں اور تائیدیں حاصل ہوئیں۔ یہ دیکھنا ضروری ہوگا۔ کہ آپنے کن حالات کے ماتحت دعویٰ کیا تھا۔ یعنی وہ کونسے سامان تھے۔ جو آپکی کامیابی میں ممد ہو سکتے تھے۔ (۲) آپکے راستہ میں کیا کیا روکیں تھیں (۳) آپ کا دعویٰ کس قسم کا تھا۔ یعنی کیا دعویٰ بطور خود ایسی کشش رکھتا تھا۔ جسکی وجہ سے آپ کو ظاہری سامانوں پر نظر کرتے ہوئے کامیابی کی اُمید ہو سکے۔

سوال اوّل کا جواب یہ ہے کہ گو آپ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے مامور ہمیشہ اعلیٰ خاندانوں میں سے ہوتے ہیں۔ تاکہ لوگوں پر ان کا ماننا دوبھر نہ ہو۔ مگر آپ کا خاندان دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے اپنی پہلی شوکت کو بہت حد تک کھو چکا تھا۔ وہ اپنے علاقہ کے خاندانوں میں غریب خاندان تو نہیں کہلا سکتا۔ مگر اسکی پہلی شان و شوکت اور حکومت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ایک غریب خاندان تھا۔ کیونکہ اسکی ریاست اور جاگیر کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا تھا۔ اوّل الذکر (یعنی ریاست) سکھوں کے عہد میں ضبط ہو گئی تھی۔ اور ثانی الذکر (یعنی جاگیر) انگریزی حکومت کے آنے پر ملحق کر لی گئی تھی۔ پس دنیاوی وجاہت اور مال کے لحاظ سے آپ کو کوئی ایسی فوقیت حاصل نہ تھی۔ جسکی وجہ سے یہ کہا جا سکے کہ لوگوں نے اپنی اغراض اور اپنے مقاصد کے پورا کرنے کے لئے آپ کو مان لیا۔

گو آپ کے والد صاحب نے اُستاد رکھ کر آپ کو تعلیم دلوائی تھی لیکن وہ تعلیم اس تعلیم کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی۔ جو مدارس میں دی جاتی ہے۔ اس لئے آپ اپنے علاقہ میں یا اپنے علاقہ سے باہر

مولویوں اور عالموں میں سے نہیں سمجھے جاتے تھے۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بوجہ بڑے عالم ہونے کے آپ کو لوگوں نے مان لیا ۔

آپ پیروں یا صوفیوں کے کسی خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے نہ آپنے کسی پیر یا صوفی کی بیعت کر کے اس سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا کہ یہ سمجھا جائے۔ کہ خاندانی مریدوں یا اپنے پیر بھائیوں کی مدد سے آپ کو یہ کامیابی حاصل ہو گئی ۔

آپ کسی عہدۂ حکومت پر ممتاز نہ تھے کہ یہ سمجھا جائے کہ آپ کے اختیارات سے فائدہ اٹھانے کے لئے لوگ آپ کے ساتھ مل گئے

آپ ایک تارک الدنیا لوگوں سے علیحدہ رہنے والے آدمی تھے۔ جنکی خلوت نشینی کے باعث قرب و جوار کے باشندے بھی نہیں جانتے تھے صرف چند لوگوں سے آپ کے تعلقات تھے جن میں سے زیادہ تر تو یتیم اور مسکین لوگ تھے۔ جنکو آپ اپنے کھانے میں سے کھانا دیدیا کرتے تھے۔ یا خود فاقہ رہ کر اپنی روٹی ان کو کھلا دیتے تھے یا پھر چند وہ لوگ تھے۔ جو مذہبی تحقیق سے دلچسپی رکھتے تھے۔ باقی کسی شخص سے آپ کا تعلق نہ ہوتا نہ آپ لوگوں سے ملتے تھے نہ لوگوں کو ضرورت ہوتی تھی کہ آپ سے ملیں ۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ممکن سے ممکن جو روکیں ہو سکتی ہیں۔ وہ آپکے راستہ میں تھیں۔ آپکا دعویٰ ماموریت کا تھا۔ اور آپکے دعویٰ کو سچا مان کر علماء کی حکومت جو انھیں سینکڑوں سال سے لوگوں پر حاصل تھی جاتی رہتی تھی۔ اسلئے علماء کو طبعاً آپسے مخالفت تھی۔ وہ آپکی ترقی میں اپنا تنزل اور آپکے بڑھنے میں اپنا زوال دیکھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ایک شخص خدا سے خبر پا کر دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا ہو گیا۔ تو پھر ہمارے قیاسات کو کون پوچھتا ہے ۔

گدی نشین آپ کے دشمن تھے کیونکہ آپکی صداقت کے پھیلنے سے انکے مرید انکے ہاتھوں سے جاتے تھے۔ اور بجائے شیخ اور رہبر کہلانے کے ایک دوسرے شخص کا مرید بن کر ان کو رہنا پڑتا تھا۔ اور پھر مریدوں کے جانے کے ساتھ ہی ان آمدنیوں میں بھی فرق آتا تھا۔ جن پر اُن کا گذارہ تھا اور ان آزادیوں میں بھی فرق آتا تھا۔ جنھیں وہ اپنا حق سمجھتے تھے ۔

امراء کو بھی آپ سے مخالفت تھی۔ کیونکہ آپ احکام اسلام کی پابندی کرواتے تھے اور انکو

اس قسم کی پابندی کی عادت نہ تھی۔ اور اسے وہ وبال جان سمجھتے تھے اور پھر یہ بھی تھا کہ آپ بنی نوع انسان کے ساتھ نیک سلوک اور ہمدردی کا حکم دیتے تھے۔ جسکی وجہ سے امراء کو خیال تھا کہ ان کی تعلیم کے پھیلنے سے وہ غلامی کی حالت جو لوگوں میں پیدا ہے دور ہو جائیگی۔ اور انکی نظر وسیع ہو کر ہماری حکومت جاتی رہے گی ۔

غیر مذاہب کے لوگ بھی آپ کے دشمن تھے کیونکہ اُن کو آپ میں وہ شخص نظر آرہا تھا جس سے ان کے مذاہب کی ہلاکت مقدر تھی۔ جس طرح ایک بکری ایک شیر سے طبعی منافرت رکھتی ہے۔ اسی طرح غیر مذاہب کے لوگ آپ سے کھچاوٹ محسوس کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جس قدر جلد ہو سکے آپ کو مٹا دیں ۔

حکام وقت بھی آپ کے مخالف تھے کیونکہ وہ بھی مسیح و مہدی کے ناموں سے خوف زدہ تھے اور پرانی روایات کے اثر سے متاثر ہو کر ان ناموں والے شخص کی موجودگی اور فساد کے پھیلنے کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ آپ کا اظہار وفاداری انکے لئے تسلی کا موجب نہ تھا کیونکہ وہ اسے موقع شناسی پر محمول کرتے تھے اور سمجھتے تھے۔ کہ جب ان کو طاقت حاصل ہو جائے گی۔ اس وقت یہ ان خیالات امن کو شاید چھوڑ دیں ۔

عوام الناس کو بھی آپ سے مخالفت تھی۔ کیونکہ اول تو وہ علماء یا پیروں یا امیروں یا پنڈتوں یا پادریوں کے ماتحت ہوتے ہیں۔ دوم وہ بوجہ جہالت رسم و عادات کے ہر نئی بات کے سخت مخالف ہوتے ہیں۔ انکے نزدیک آپ کا دعویٰ ایک نیا دعویٰ اور اسلام میں رخنہ اندازی کا موجب تھا۔ اسلئے وہ کچھ تو اپنے سرداروں کے اشاروں پر اور کچھ اپنی جہالت کیوجہ سے آپ کے مخالف تھے ۔

ان تمام گروہوں نے اپنی اپنی جگہ پر آپ کے تباہ کرنے کے لئے پورا پورا زور لگایا۔ علماء نے کفر کے فتوے تیار کئے۔ اور مکہ اور مدینہ تک اپنے کفر ناموں پر دستخط کرانے کے لئے گئے۔ اپنی عادت مستمرہ کے ماتحت کفر کے عجیب و غریب موجبات انھوں نے تلاش کئے۔ اور لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا اور اکسایا ۔

صوفیاء نے آپ کے طریق کو پچھلے طریقوں کے مخالف بتا بتا کر اور اپنے قرب الی اللہ اور معرفت کی لافوں سے ڈرا ڈرا کر عوام الناس کو روکا۔ اور جھوٹے افسانوں کے پھیلانے اور فریب کی

کرامتیں دکھانے تک سے بھی گریز نہ کیا۔ اور بعض نے تو اپنے مُریدوں کو یہاں تک کہدیا کہ اگر یہ سچے ہوئے تو انکے نہ ماننے کا گناہ ہم اُٹھا لینگے۔ تم لوگ کچھ فکر نہ کرو۔ اور اس طرح جہان کو گمراہ کیا +

اُمرا نے اپنی دولت اور اپنی وجاہت سے آپ کے خلاف کوشش شروع کی غیر مذاہب والوں نے اپنی جگہ مسلمانوں کا ہاتھ بٹایا۔ حکومتوں نے اپنے اقتدار سے کام لیکر لوگوں کو آپ سے ڈرانا شروع کیا۔ اور جو لوگ آپ کو ماننا چاہتے۔ انکو اپنی ناراضگی کا خوف دلاکر باز رکھنا چاہا عوام الناس بائی کاٹ اور ایذا رسانی سے کام لیکر اپنے سرداروں کا ہاتھ بٹاتے +

غرض آپ کی مخالفت کے لئے تمام لوگ کیا مُسلمان کہلانے والے اور کیا غیر مسلمان سب جمع ہوگئے اور سب نے ایک دوسرے کی مدد کی +

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آپکی تعلیم بھی ایسی نہ تھی۔ جو زمانہ کے حالات کے مطابق ہو۔ اور اسکی رَو میں بہنے والی ہو۔ اگر وہ خیالات زمانہ کے مطابق ہوتی۔ تو بھی کہا جاسکتا تھا۔ کہ آپ کی ترقی آسمانی مدد سے نہیں۔ بلکہ اس سبب سے ہے کہ جن خیالات کو آپنے دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ وہ اس زمانہ کے خیالات کے مطابق تھے۔ پس لوگوں نے انکو اپنے اندرونی احساسات کے مطابق پاکر قبول کرلیا۔ زمانہ کے مطابق خیالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ یا تو وہ جو کثیر آبادی کے خیالات کے مطابق ہوں۔ یا وہ کثیر آبادی کے خیالات کے تو مخالف ہوں۔ مگر ان خیالات کی تائید میں ہوں جو اُسوقت کے دنیاوی علوم کا نتیجہ ہوں۔ اوّل الذکر قسم کے خیالات کا پھیلانا تو بہت آسان ہوتا ہے۔ لیکن ثانی الذکر قسم کے خیالات بھی گو ابتدا ء مخالفت کا مُنہ دیکھتے ہیں۔ مگر چونکہ علوم جدیدہ کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد علوم جدیدہ کے فروغ کے ساتھ ساتھ پھیلتے جاتے ہیں +

حضرت اقدسؑ کے خیالات ان دونوں قسم کے خیالات کے مخالف تھے۔ آپ ان تعلیموں کیطرف لوگوں کو بُلا رہے تھے جو نہ رائج الوقت خیالات کے مطابق تھیں۔ اور نہ علوم جدیدہ کی تعلیم کے ذریعہ جو خیالات پھیل رہے تھے۔ انکے مطابق تھیں۔ اس لئے آپ کو دونوں فریق سے مقابلہ درپیش تھا۔ پُرانے خیالات کے لوگوں سے بھی۔ اور جدید خیالات کے لوگوں سے بھی۔ قدامت پسند آپ کو ملحد قرار دیتے تھے۔ اور علوم جدیدہ سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ کو تنگ خیال اور رجعت قہقری کا ممد قرار دیتے تھے۔ کیونکہ آپ اگر ایک طرف حیات مسیح۔ قصص و روایات باطلہ۔

ملائکہ کے متعلق عوام الناس کے خیالات۔ نسخ قرآن۔ دوزخ و جنت کے متعلق عوام الناس کے خیالات۔ اور شریعت میں تنگی کے خلاف نہایت شدت سے وعظ کرتے تھے۔ تو دوسری طرف احکام شریعت کی لفظاً پابندی۔ سُود کی حُرمت۔ ملائکہ کے وجود۔ دُعا کے فوائد۔ جنت و دوزخ کے حق ہونے۔ الہام کے الفاظ مقررہ میں نازل ہونے اور معجزات کے حق ہونے کی تائید میں زور دیتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ نئے اور پُرانے خیالات کے گروہوں میں کسی طبقہ سے بھی آپکے خیالات نہیں ملتے تھے پس یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کہ چونکہ آپ کے خیالات رائج الوقت یا آیندہ انتشار پانے والے خیالات کی ترجمانی کرتے تھے۔ اس وجہ سے مقبول ہوئے +

خلاصۂ کلام یہ کہ نہ تو آپ کی ذاتی حالت ایسی تھی۔ کہ آپ کا دعوٰی قبول کیا جاتا۔ نہ آپ کا راستہ پھولوں کی سیج بنا ہوا تھا۔ کہ آپ کو اپنے مطلب میں کامیابی حاصل ہوتی۔ اور نہ وہ خیالات جو آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے ایسے تھے کہ ان سے لوگوں کے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہو کہ لوگ آپ کو مان لیں پس باوجود ان تمام مخالف حالات کے اگر آپ نے کامیابی حاصل کی۔ تو یہ ایک خدائی فعل تھا نہ کہ دنیاوی اور طبعی سامانوں کا نتیجہ +

ان حالات کے بیان کرنے کے بعد مَیں آپ کی کامیابیوں کا ذکر کرتا ہوں مَیں بتا چکا ہوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے اپنی سُنت بیان فرمائی ہے کہ وہ جان بُوجھ کر خدا پر افترا کرنیوالے کو لمبی مہلت نہیں دیا کرتا۔ مگر آپ کے متعلق ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آپ ان الہامات کے شائع کرنے کے بعد کہ جن میں آپنے مصلح ہونے کا اعلان کیا تھا۔ قریباً چالیس سال زندہ رہے۔ اور ہر طرح اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت پاتے رہے۔ اگر مفتری علی اللہ بھی اسقدر مُہلت پا سکتا ہے۔ اور ہلاکت سے بچایا جاتا ہے اور خدا سے نُصرت پاتا ہے۔ تو پھر نعوذ باللہ من ذالک یہ ماننا پڑے گا کہ ولو تقوّل والی آیت میں جو معیار بنایا گیا ہے۔ وہ غلط ہے۔ اور یہ کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دعوے بے ثبوت رہا ہے۔ اگر یہ بات نہیں۔ اور ہرگز نہیں۔ تو پھر اسی دلیل کے ماتحت حضرت اقدسؑ کا اپنے الہامات شائع کرنے کے اس قدر عرصہ بعد تک ہلاکت سے بچایا جانا اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے +

جس وقت آپنے اپنے الہامات شائع کئے تھے اسوقت آپکا نام دُنیا میں کوئی شخص بھی نہیں جانتا

تھا۔ مگر اسکے بعد باوجود لوگوں کی مخالفت کے آپ کو وہ عزت و رتبہ حاصل ہوا۔ کہ دشمن بھی اب آپ کی عزت کرتے ہیں۔ اور آپ ایک عظیم لیڈر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ جو ابتداءً آپکی مخالف تھی۔ اور آپ پر بدظنی تھی۔ آپ کو عزت و احترام کی نگہ سے دیکھتی ہے۔ دنیا کے دور کناروں تک آپ کا نام پھیلا ہے۔ اور اس قسم کا عشق رکھنے والے اور محبت رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ نے آپکو عطا فرمائے ہیں۔ کہ وہ اپنی جانیں تک آپ پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ یوروپین جو اسلام کے دشمن تھے انھوں نے آپکے ذریعہ اسلام کو قبول کیا ہے۔ اور آپ کی محبت میں اسقدر سرشار ہیں کہ ان میں سے ایک شخص نے مجھے لکھا کہ مجھ پر جو مرزا صاحب نے احسان کیا ہے کہ انکے ذریعہ سے مجھ کو اسلام جیسی نعمت عطا ہوئی ہے۔ اس کا مجھ پر اسقدر اثر ہے کہ میں سوتا نہیں جب تک آنحضرتؐ کے ساتھ آپ پر درود نہیں بھیج لیتا۔ یہ عزت اور یہ احترام اور یہ محبت باوجود لوگوں کی اسقدر مخالفت کے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ مفتری علی اللہ ہوتے۔

آپ نے جب دعویٰ کیا۔ آپ اکیلے تھے لیکن باوجود اسکے کہ مولویوں۔ پیروں۔ گدی نشینوں پنڈتوں۔ پادریوں۔ سکھوں۔ تمام لوگوں اور شروع شروع میں حکام نے بھی اپنا زور لگایا۔ کہ لوگ آپکی بات کو نہ مانیں۔ اور آپ کے سلسلہ میں داخل نہ ہوں۔ ایک ایک کرکے لوگ آپ کے سلسلہ میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ غرباء میں سے بھی اور امراء میں سے بھی اور علماء میں سے بھی اور صوفیوں میں سے بھی۔ اور مسلمانوں میں سے بھی اور ہندوؤں اور عیسائیوں میں سے بھی۔ اور ہندوستانیوں میں سے بھی۔ اور دوسرے ممالک کے لوگوں میں سے بھی۔ یہانتک کہ آپکی وفات کے وقت آپ کی جماعت ہزاروں سے نکل کر لاکھوں تک ترقی کر چکی تھی۔ اور اب تک برابر ترقی کرتی چلی جا رہی ہے حتیٰ کہ خود آپ کی مملکت میں بھی باوجود اسکے کہ اس سلسلہ کے دو مخلص آدمی صرف مذہبی اختلاف کی وجہ سے ملانوں کی دھوکہ دہی کی وجہ سے قتل کئے گئے تھے۔ یہ جماعت ترقی کر رہی ہے اور قریباً ہر صوبہ میں اس جماعت کے کچھ نہ کچھ آدمی پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس جماعت کے لوگ عرب میں بھی ہیں۔ ایران میں بھی ہیں۔ روس میں بھی ہیں مصر میں بھی ہیں۔ مغربی شمالی اور جنوبی علاقہ جات افریقہ میں بھی ہیں۔ آسٹریلیا میں بھی ہیں۔ امریکہ میں بھی ہیں۔ اور یورپ میں بھی ہیں۔ ایک محکوم قوم کے ایک فرد کی اطاعت میں حاکم قوم کے افراد کا آجانا اور پھر

اس دین کو مانکر جس کے خلاف نسلاً بعد نسلٍ ان کے دلوں میں تعصب بٹھایا گیا تھا۔ بلا نصرت الٰہی کے نہیں ہو سکتا تھا۔

آپ کو لوگوں نے قتل بھی کرنا چاہا۔ زہر سے بھی مارنا چاہا۔ عدالتوں میں بھی آپ کو گھسیٹا۔ اور جھوٹے مقدمات آپ پر قائم کئے۔ اور عیسائی اور ہندو اور مسلمان سب آپس میں مل گئے۔ تا پہلے مسیح کیطرح دوسرے مسیح کو بھی صلیب پر لٹکا دیں لیکن ہر دفعہ آپ کامیاب ہوئے اور ہر حملہ سے آپ محفوظ رہے۔ روز بروز خدا کی تائید و نصرت بڑھتی گئی۔

آپ اشاعت اسلام اور تجدید اسلام کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ ان دونوں کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلصوں کی ایک جماعت دی۔ مال بھی دیا۔ حتیٰ کہ اسوقت چار پانچ لاکھ روپیہ سلسلہ کیطرف سے سالانہ دینی کاموں پر صرف ہوتا ہے۔ کئی اخبارات اشاعت اسلام کے لئے پنجاب۔ بنگال۔ سیلون۔ ماریشس اور امریکہ سے جاری ہیں۔ اور سینکڑوں کتابیں آپکی تائید میں لکھی گئی ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کے لئے کھولتا ہے۔ اور ہزاروں ہیں جنکو رؤیا کے ذریعہ سے یا الہام کے ذریعہ سے یا کشف کے ذریعہ سے آپکی سچائی بتائی گئی ہے۔ اور باوجود مخالف ہونے کے ان کے دلوں میں آپ کی محبت ڈالی گئی ہے۔

غرض باوجود ہر طرح کے مخالف سامان ہونے کے اور ہر طرح کی مخالفت کے اور ہر طرح کی کمزوری کے اور غیر معمولی کام کے آپ اپنے کام میں کامیاب ہوئے۔ اور ایک ایسی جماعت جو سب دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اپنے سینوں میں اسلام کی اشاعت کی آگ رکھتی ہے۔ آپ نے تیار کر دی۔ اور کیا بلحاظ عزت کے اور کیا بلحاظ مال کے اور کیا بلحاظ اقتدار کے۔ اور کیا بلحاظ رعب کے آپ کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا رہا ہے۔

پس اگر اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا یہ قانون سچا ہے۔ اور خدا سے زیادہ اور کون سچا ہو سکتا ہے؟ کہ سچا مامور خدا تعالیٰ کیطرف سے مدد پاتا ہے۔ اور مفتری علی اللہ رسوا کیا جاتا اور ہلاک کیا جاتا ہے تو پھر حضرت اقدس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ اور اگر باوجود اس دلیل کے آپکی صداقت میں شبہ کیا جائے۔ تو پھر سوال کیا جا سکتا ہے۔ کہ دوسرے انبیاء کی صداقت کا کیا ثبوت ہے؟

میں اپنے مطلب کی وضاحت کے لئے پھر یہ کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا یہ مطلب نہیں

کہ حضرت اقدسؑ اس لئے سچے تھے۔ کہ آپ پہلے کمزور تھے۔ مگر پھر آپ کو عزت اور رتبہ حاصل ہو گیا۔ ایسی عزتیں تو بہت سے لوگوں کو ملی ہیں۔ نادر خان ایک کمزور آدمی تھا۔ پھر عزت پا گیا۔ نپولین ایک معمولی آدمی سے دُنیا کا فاتح بن گیا۔ مگر باوجود اس کے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ یہ لوگ خدا کے پیارے اور بزرگ تھے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ :-

۱۔ حضرت اقدسؑ نے دعویٰ کیا تھا کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اگر وہ اس دعویٰ میں مفتری تھے۔ اور جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکا دے رہے تھے۔ تو آپ کو ہلاک ہو جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ ایسے مفتری کو وہ ہلاک کرتا ہے ✢

۲۔ آپؑ کی ترقی کے لئے کوئی دنیاوی سامان موجود نہ تھے ✢

۳۔ آپؑ کی مخالفت پر ہر ایک جماعت کھڑی ہو گئی تھی۔ اور کوئی جماعت بھی دعویٰ کے وقت آپ کی اپنی نہ کہلاتی تھی جسکی مدد سے آپ کو ترقی حاصل ہوئی ہو ✢

۴۔ آپؑ نے دُنیا سے وہ باتیں منوائیں جن کے خلاف قدیم اور جدید کے خیالات کے لوگ تھے ✢

۵۔ باوجود اس کے آپؑ کامیاب ہوئے۔ اور آپنے ایک جماعت قائم کر دی۔ اور اپنے خیالات کو لوگوں سے منوالیا۔ اور دشمن کے حملوں سے بچ گئے۔ اور خدا کی تائیدات آپؑ کے لئے نازل ہوئیں ✢

یہ پانچ باتیں جھوٹے میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ باتیں جب بھی کسی میں جمع ہونگی۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو گا۔ اور راستباز ہو گا۔ ورنہ راستبازوں کی راستبازی کا کوئی ثبوت باقی نہیں رہے گا ✢

ہاں اگر کوئی شخص مدعی ماموریت نہ ہو یعنی خواہ بالکل مدعی ہو ہی نہیں۔ جیسے نادر خان یا نپولین یا مدعی ماموریت نہ ہو۔ بلکہ کسی اور بات کا مدعی ہو۔ مثلاً جیسے خدائی کا مدعی ہو یا یہ کہ وہ دیوانہ ہو۔ وہ اس معیار کے ماتحت نہیں آتا۔ اسی طرح ایسا عقیدہ رکھنے والا بھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے خدا کی طرف سے کہہ رہا ہے۔ اس معیار سے پرکھا نہیں جا سکتا۔ شیخیہ فرقہ اسی قسم کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دُنیا میں ہر وقت ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو مہدی کی رضا کی

ترجمانی کرتے ہیں۔ اور مہدی کی مرضی خدا کی مرضی ہے پس انکی زبان پر جو کچھ جاری ہو یا جو کچھ انکے دل میں آئے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے علی محمد باب اور بہاء اللہ یا فرقہ بہائیہ اسی فرقہ میں سے تھے۔ ایسے لوگ چونکہ عقیدتاً اس بات کو مانتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ اس لئے وہ بھی متقول نہیں کہلا سکتے۔ اور اس سزا کے مستحق نہیں جس سزا کے جان بوجھ کر جھوٹ باندھنے والے لوگ مستحق ہیں ✢

اسی طرح اس شخص کی عارضی ترقی بھی اسکی صداقت کی دلیل نہیں جسکی ذاتی وجاہت لوگوں کو اسکے ماننے پر مجبور کر دے۔ یا کوئی جماعت جسکی پُشت پر ہو۔ یا جو عوام الناس کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہو۔ یا علوم جدیدہ کے میلان کی طرف لوگوں کو لا رہا ہو۔ یا ایک یا دوسری وجہ سے لوگ اسکی مخالفت سے باز رہیں ✢

ساتویں دلیل

دشمنوں کی ہلاکت

ساتویں دلیل آپ کے دعویٰ کی صداقت کی کہ وہ بھی بیشمار دلائل کا مجموعہ ہے یہ ہے کہ آپکے دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے بلا استثنار اور بلا انسانی ہاتھ کی مدد کے ہلاک کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پیاروں کو جو تکلیف دے۔ ہم اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کو سزا دیتے ہیں۔ اور جو ہمارے کاموں میں روک بنے اسکو اپنے راستہ سے ہٹا دیتے ہیں پس اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور آتے ہیں تو عقل چاہتی ہے کہ انکے لئے اللہ تعالیٰ اپنی غیرت بھی دکھائے۔ اور جو اسکے راستہ میں روک ہوں انکو انکے راستہ سے دُور کر دے۔ اور جو انکی ذلت چاہیں۔ انکو ذلیل کرے۔ اور جو ان کی ناکامی کی کوشش کریں۔ انکو ناکامی کا مُنہ دکھائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے۔ تو اس کا تعلق اور اس کی محبت بے ثبوت رہے اور ماموروں کے دعوے مشتبہ ہو جائیں۔ کیونکہ دُنیا کے بادشاہ اور حاکم جنکی طاقتیں محدود ہوتی ہیں۔ وہ بھی اپنے دوستوں اور اپنے کارکنوں کے راستہ میں روک بننے والوں کو سزا دیتے ہیں۔ اور ان سے عداوت رکھنے والوں سے مواخذہ کرتے ہیں ✢

قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری عقل کا مطالبہ بالکل درست ہے اور اللہ تعالےٰ تصدیق فرماتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے آنیوالوں کے دشمنوں اور معاندوں کی ضرور گرفت ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللّٰہ کذباً اوکذّب بآیاتہ انّہ لایفلح الظّٰلمون (انعام ع) یعنی اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے یا خدا تعالیٰ کیطرف سے آنیوالے کی باتوں کو جھٹلائے۔ بات یہ ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ جس طرح خدا پر افترا کرنیوالا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کیطرف سے آنیوالے کی باتوں کا جھٹلانیوالا بھی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا +

اسی طرح فرماتا ہے۔ ولقد استھزئ برسلٍ من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہٖ یستھزءون۔ قل سیروا فی الارض ثمّ انظروا کیف کان عاقبۃ المکذّبین (انعام ع) و تجھ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ہنسی اور ٹھٹھا کیا گیا۔ مگر آخر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اُن میں خاص طور پر ٹھٹھا کرنیوالے تھے۔ ان کو ان چیزوں نے گھیر لیا۔ جن سے وہ ہنسی کرتے تھے۔ تو کہدے کہ جاؤ زمین میں خوب پھرو اور دیکھو کہ خدا کے نبیوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے۔ اس مضمون کی آیات اس کثرت سے قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ کہ زیادہ زور اس پر دینے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس کے ماموروں اور مرسلوں کا مقابلہ کرنے والے ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے موجب عبرت ہوتے ہیں +

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی مضمون کا الہام ہوا تھا کہ انّی مھینٌ من اراد اھانتک۔ مَیں اسکو ذلیل کروں گا۔ جو تیری اہانت کا ارادہ بھی کریگا۔ اور اس سنت مستمرہ اور اس وعدہ خاص کے مطابق حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کے ساتھ وہ سلوک ہوا ہے کہ دیکھنے والے دنگ ہیں۔ اور سُننے والے حیران ہیں +

مَیں پہلے ایک بڑے مولوی صاحب کا ذکر کرچکا ہوں۔ جو فرقہ اہلحدیث کے لیڈر تھے۔ اور جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن کے واقف تھے۔ اور جنھوں نے آپکی تصنیف براہین احمدیہ کی اشاعت پر ایک زبردست ریویو لکھا تھا۔ اور اس میں آپکی خدمات کو بینظیر

قرار دیا تھا۔ جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو یہ مولوی صاحب بگڑ گئے۔ اور سخت ناراض ہوئے۔ اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ شاید کتاب براہین احمدیہ پر جو مَینے ریویو لکھا تھا اسپر ان کے دل میں عُجب پیدا ہوگیا ہے۔ اور یہ بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اور اس خیال سے انھوں نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ یہ میرے ریویو پر نازاں ہے مَینے ہی اسکو بڑھایا ہے اور مَیں ہی اس کو اب گرا دوں گا +

یہ عزم کرکے یہ مولوی صاحب اپنے گھر سے نکلے۔ اور ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا دورہ کیا۔ اور بیسیوں عُلماء سے کفر کا فتویٰ لیا۔ اور یہاں تک ان فتووں میں لکھوالیا۔ کہ یہ شخص ہی کافر نہیں۔ بلکہ اسکے مُرید بھی کافر ہیں۔ بلکہ جو شخص ان سے کلام کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور جو شخص ان کو کافر نہ سمجھے۔ وہ بھی کافر ہے۔ اور اس فتویٰ کو تمام ہندوستان میں چھپوا کر شائع کیا اور خیال کیا کہ اس زبردست حملہ سے مَینے انکو ذلیل کردیا۔ مگر اس بیچارہ کو کیا معلوم تھا۔ کہ آسمان پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے پُکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ولقد استھزئ برسلٍ من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہٖ یستھزءون۔ (انعام ع۔ انبیاء ع۳) اور اسی طرح اس کے قدوسی پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ انّی مھینٌ من اراد اھانتک۔ مَیں اسکی ہتک کروں گا۔ جو تیری ہتک کا ارادہ کرے گا اے بادشاہ! ابھی بہت عرصہ اس فتویٰ کو شائع ہوئے نہیں گذرا تھا۔ کہ ان مولوی صاحب کی عزت لوگوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے مٹانی شروع کی۔ اس فتویٰ کی اشاعت سے پہلے انکو یہ عزت حاصل تھی۔ کہ لاہور دارالخلافہ پنجاب جیسے شہر میں جو آزاد طبع لوگوں کا شہر ہے بازاروں میں سے جب وہ گذرتے تھے۔ تو جہاں تک نظر جاتی تھی۔ لوگ انکے ادب اور احترام کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ہندو وغیرہ غیر مذاہب کے لوگ بھی مُسلمانوں کا ادب دیکھ کر ان کا ادب کرتے تھے اور جس جگہ جاتے لوگ ان کو آنکھوں پر اُٹھاتے۔ اور حکام اعلیٰ جیسے گورنر و گورنر جنرل انکو عزت سے ملتے۔ مگر اس فتویٰ کے شائع کرنیکے بعد بغیر کسی ظاہری سامان کے پیدا ہونیکے انکی عزت کم ہونی شروع ہوئی۔ اور آخر یہانتک نوبت پہنچی کہ خود اس فرقہ کے لوگوں نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ جس کے وہ لیڈر کہلاتے تھے۔ اور مَینے انکو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری عقل کا مطالبہ بالکل درست ہے اور اللہ تعالےٰ تصدیق فرماتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کیطرف سے آنیوالوں کے دشمنوں اور معاندوں کی ضرور گرفت ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ومن اظلم ممن افترئ علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہ انہ لا یفلح الظّٰلمون (انعام ع) یعنی اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے یا خدا تعالیٰ کیطرف سے آنیوالے کی باتوں کو جھٹلاوے۔ بات یہ ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ جس طرح خدا پر افترا کرنیوالا کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کیطرف سے آنیوالے کی باتوں کا جھٹلانیوالا بھی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح فرماتا ہے۔ ولقد استھزئ برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزؤن۔ قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذّبین (انعام ع) ۔ و تجھ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ہنسی اور ٹھٹھا کیا گیا۔ مگر آخر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اُن میں خاص طور پر ٹھٹھا کرنیوالے تھے۔ ان کو ان چیزوں نے گھیر لیا۔ جن سے وہ ہنسی کرتے تھے۔ تو کہدے کہ جاؤ زمین میں خوب پھرو اور دیکھو کہ خدا کے نبیوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے۔ اس مضمون کی آیات اس کثرت سے قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ کہ زیادہ زور اس پر دینے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اس کے ماموروں اور مرسلوں کا مقابلہ کرنے والے ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے موجب عبرت ہوتے ہیں ٭

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی مضمون کا الہام ہوا تھا کہ انی مھین من اراد اھانتک ۔ میں اسکو ذلیل کروں گا۔ جو تیری اہانت کا ارادہ بھی کریگا۔ اور اس سنت مستمرہ اور اس وعدہ خاص کے مطابق حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمنوں کے ساتھ وہ سلوک ہوا ہے کہ دیکھنے والے دنگ ہیں۔ اور سننے والے حیران ہیں ٭

میں پہلے ایک بڑے مولوی صاحب کا ذکر کر چکا ہوں۔ جو فرقہ اہلحدیث کے لیڈر تھے۔ اور جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچپن کے واقف تھے۔ اور جنھوں نے آپکی تصنیف براہین احمدیہ کی اشاعت پر ایک زبردست ریویو لکھا تھا۔ اور اس میں آپکی خدمات کو بےنظیر

قرار دیا تھا۔ جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو یہ مولوی صاحب بگڑ گئے۔ اور سخت ناراض ہوئے۔ اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ شاید کتاب براہین احمدیہ پر جو میں نے ریویو لکھا تھا اس پر ان کے دل میں عُجب پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ اور اس خیال سے انھوں نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ یہ میرے ریویو پر نازاں ہے میں نے ہی اسکو بڑھایا ہے اور میں ہی اس کو اب گرا دوں گا ٭

یہ عزم کر کے یہ مولوی صاحب اپنے گھر سے نکلے۔ اور ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا دورہ کیا۔ اور بیسیوں علماء سے کفر کا فتویٰ لیا۔ اور یہاں تک ان فتووں میں لکھوا لیا۔ کہ یہ شخص ہی کافر نہیں بلکہ اسکے مُرید بھی کافر ہیں۔ بلکہ جو شخص ان سے کلام کرے وہ بھی کافر ہے۔ اور جو شخص ان کو کافر نہ سمجھے۔ وہ بھی کافر ہے۔ اور اس فتویٰ کو تمام ہندوستان میں چھپوا کر شائع کیا اور خیال کیا کہ اس زبردست حملہ سے میں نے انکو ذلیل کر دیا۔ مگر اس بیچارہ کو کیا معلوم تھا۔ کہ آسمان پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ولقد استھزئ برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزؤن۔ (انعام ع۔ انبیاء ع) اور اسی طرح اس کے قدوسی پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ انی مھین من اراد اھانتک ۔ میں اسکی ہتک کروں گا۔ جو تیری ہتک کا ارادہ کرے گا ٭

اے بادشاہ! ابھی بہت عرصہ اس فتویٰ کو شائع ہوئے نہیں گذرا تھا۔ کہ ان مولوی صاحب کی عزت لوگوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے مٹانی شروع کی اس فتویٰ کی اشاعت سے پہلے انکو یہ عزت حاصل تھی۔ کہ لاہور دار الخلافہ پنجاب جیسے شہر میں جو آزاد طبع لوگوں کا شہر ہے بازاروں میں سے جب وہ گذرتے تھے۔ تو جہاں تک نظر جاتی تھی۔ لوگ انکے ادب اور احترام کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور ہندو وغیرہ غیر مذاہب کے لوگ بھی مسلمانوں کا ادب دیکھ کر ان کا ادب کرتے تھے اور جس جگہ جاتے لوگ ان کو آنکھوں پر اُٹھاتے۔ اور حکام اعلیٰ جیسے گورنر و گورنر جنرل انکو عزت سے ملتے۔ مگر اس فتویٰ کے شائع کرنیکے بعد بغیر کسی ظاہری سامان کے پیدا ہونیکے انکی عزت کم ہونی شروع ہوئی۔ اور آخر یہانتک نوبت پہنچی کہ خود اس فرقہ کے لوگوں نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ جس کے وہ لیڈر کہلاتے تھے۔ اور میں نے انکو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

کہ سٹیشن پر اکیلے اپنا اسباب جو وہ بھی تھوڑا نہ تھا۔ اپنی بغل اور پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے اور اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ اور چاروں طرف سے دھکے مل رہے ہیں۔ کوئی پوچھتا نہیں۔ لوگوں میں بے اعتباری اسقدر بڑھ گئی کہ بازار والوں نے سودا تک دینا بند کر دیا دوسرے لوگوں کی معرفت سودا منگواتے۔ اور گھر والوں تک نے قطع تعلق کر لیا۔ بعض لڑکوں نے اور بیویوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ ایک لڑکا اسلام سے مرتد ہو گیا۔ غرض تمام قسم کی عزتوں سے ہاتھ دھو کر اور عبرت کا نمونہ دکھا کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور اپنی زندگی کے آخری ایام کی ایک۔ ایک گھڑی سے اس آیت کی صداقت کا ثبوت دیتے چلے گئے کہ قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبة المکذبین (سورة الانعام ع ۲)

آپ کے دشمنوں کی ہلاکت کی دوسری مثال کے طور پر میں چراغ الدین ساکن جموں کو پیش کرتا ہوں۔ یہ شخص پہلے حضرت اقدس کے ماننے والوں میں سے تھا۔ مگر بعد میں اُس نے دعویٰ کیا۔ کہ یہ خود دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ اور آپ کے خلاف اس نے کئی رسائل اور مضامین شائع کئے۔ اور آخر جب اس سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ تو آپکے خلاف دُعا کی۔ اور اس دُعا کو لکھ کر شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس دُعا کا یہ مضمون تھا۔ کہ اے خدا ان دنوں اس شخص یعنی حضرت اقدس کی وجہ سے فتنہ میں ہے۔ اور یہ شخص لوگوں کو ڈراتا ہے کہ طاعون میرے ہی سبب سے نازل ہوئی ہے اور زلزلے بھی میری ہی تکذیب کا نتیجہ ہیں۔ تو اس شخص کو جھوٹا کر۔ اور طاعون کو اب اُٹھا لے تاکہ اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے۔ اور حق اور باطل میں تمیز کر دے۔ (رسالہ چراغ الدین۔ حقیقة الوحی)

یہ دعا لکھ کر اُس نے چھپنے کو دی لیکن خدا کی گرفت کو دیکھئے۔ کہ مضمون دُعا کی کاپیاں لکھی جا چکی تھیں۔ مگر ابھی پتھر پر نہیں جمائی گئی تھیں۔ کہ وہی طاعون جس کے اُٹھائے جانے کی دُعا اس نے [illegible] کی تھی۔ کہ تا حضرت اقدس کا یہ دعویٰ باطل ہو جائے کہ طاعون میری صداقت کے ثبوت کے لئے پھیلائی گئی ہے۔ اس نے اس کے گھر پر آ کر حملہ کیا۔ اور پہلے تو اسکے دو بیٹے کہ وہی اسکی اولاد تھے۔ طاعون میں گرفتار ہو کر مر گئے۔ اور اسکی بیوی اس کو چھوڑ کر کسی اور شخص کے ساتھ بھاگ گئی اور لڑکوں کی موت کے بعد وہ خود بھی طاعون ہی کی مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اور مرتے وقت یہ کہتا تھا کہ اب تو خدا نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ اس شخص کی موت نے

بھی پُر شوکت الفاظ میں اس امر پر گواہی دی۔ کہ ماموروں کی مخالفت معمولی چیز نہیں۔ جو جلد یا بدیر عذاب الٰہی میں مبتلا کرتی ہے ؎

چراغ الدین جموی کے سوا اور بیسیوں شخص ایسے ہیں جنھوں نے آپکے خلاف دُعائے مباہلہ کیں۔ اور بہت جلد خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ گئے۔ جیسے کہ مولوی غلام دستگیر قصوری۔ کہ یہ شخص حنفیوں میں سے ایک بہت بڑا عالم اور صاحب رسوخ آدمی تھا اس نے بھی آپکے خلاف دُعا کی تھی اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹے اور سچے کے درمیان فیصلہ چاہا تھا۔ یہ شخص بھی بہت جلد یعنی چند ماہ کے اندر اندر طاعون کی مرض میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گیا۔ اور لوگوں کے لئے عبرت کا موجب بنا ؎

ایک شخص فقیر مرزا نامی ساکن دو لمیال ضلع جہلم کا تھا۔ اس نے لوگوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی نسبت مجھے بتایا گیا کہ اس رمضان کی ستائیس تاریخ تک وہ ہلاک ہو جائینگے۔ اور جماعت احمدیہ کے مقامی ممبروں کو ایک تحریر لکھ کر دیدی جس میں اس کشف کا ذکر کیا۔ اور لکھا کہ اگر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ تک مرزا صاحب ہلاک نہ ہوئے۔ یا ان کا سلسلہ تباہ نہ ہوا۔ تو میں ہر قسم کی سزا برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اس کاغذ پر بہت سے لوگوں کے دستخط کروا کر احمدیہ جماعت کے ممبروں کو دیدیا۔ یہ کاغذ جیسا کہ اسپر لکھا ہوا ہے سات رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ کو لکھا گیا۔ [illegible] رمضان تو گذر ہی گئی۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ صادقوں پر جھوٹوں کی باتوں کا کیا اثر [illegible] تھا۔ مگر اگلا رمضان آیا۔ تو اس گاؤں میں طاعون نمودار ہوئی۔ اور پہلے اس شخص کی بیوی مری۔ پھر یہ خود بیمار ہوا۔ اور پورے ایک سال کے بعد اسی تاریخ جس تاریخ کو اس نے وہ تحریر لکھ کر دی تھی یعنی سات رمضان المبارک کو یہ شخص سخت تکلیف اور دُکھ اٹھا کر مر گیا۔ اور چند دن بعد اسکی لڑکی بھی گذر گئی ؎

یہ مثالیں اگر جمع کی جائیں۔ تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں نے دلائل سے تنگ آ کر اور ضد میں گرفتار ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کے خلاف دُعائیں کیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ گئے۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے [illegible] جن لوگوں نے یہ کہا کہ خدا تعالیٰ جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کرے۔ انکو اپنی زندگی میں ہلاک کر دیا۔ اور جن لوگوں نے کہا

کہ جھوٹے کا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جانا کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ جھوٹا لمبی مہلت دیا جاتا ہے جیساکہ مسیلمہ کذاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہلاک ہوا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے مہلت دی اور مسیلمہ کذاب کا مثیل ثابت کر دیا ٭

اس قسم کے نشانوں میں سے ایک مثال مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ہیں جو اخبار اہلحدیث کے ایڈیٹر ہیں۔ اور فرقہ اہلحدیث کے لیڈر کہلاتے ہیں۔ یہ صاحب اپنی مخالفت میں حد سے بڑھ گئے تو حضرت اقدسؑ نے انکو بموجب حکم قرآنی کہ فمن حآجّك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين (سورۃ آل عمران ع) ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔ مگر ان صاحب نے مباہلہ میں اپنی خیر نہ دیکھی اور باوجود بار بار اور مختلف رنگ میں غیرت دلائے جانے کے انھوں نے گریز کیا۔ آخر حضرت اقدسؑ نے ایک دُعا لکھی اور ان سے چاہا کہ وہ اپنے اخبار میں اسکو شائع کر دیں۔ اور اس میں اس معیار کے ذریعہ فیصلہ کی خواہش ظاہر کی۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔ اس دُعا پر بھی مولوی صاحب نے گریز کی راہ اختیار کی۔ اور متواتر اور بڑے زور سے اپنے اخبار میں لکھنا شروع کیا۔ کہ یہ ہرگز کوئی معیار نہیں۔ اور میں اس طریق فیصلہ کو بالکل منظور نہیں کرتا۔ کیونکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹے کو لمبی مہلت دی جاتی ہے۔ اور خدا کا فعل بھی اسی کی شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیلمہ کذاب زندہ رہا ٭

ان کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنے بتائے ہوئے معیار کے مطابق پکڑا۔ اور ان کو لمبی مہلت دیدی۔ حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد ان کو زندہ رکھا۔ اور وہ اپنی تحریر کے مطابق مسیلمہ کذاب کے مثیل ثابت ہوئے۔ اور انکی زندگی کا ہر دن خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک ثبوت اور ان کے مسیلمہ ہونے کی ایک زبردست دلیل ہوتا ہے ٭

غرض اللہ تعالیٰ نے آپکے دشمنوں کو ہر رنگ میں ہلاک اور ذلیل کیا۔ جنھوں نے اس معیار کو تسلیم کیا۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتا ہے۔ انکو آپ کی زندگی میں ہلاک کیا۔ اور جنھوں نے اسپر زور دیا۔ کہ جھوٹے کا یہ نشان ہوتا ہے۔ کہ وہ لمبی مہلت دیا جاتا ہے۔ اور سچے کے بعد زندہ رکھا جاتا ہے۔ ان کو لمبی مہلت دی۔ اور حضرت اقدسؑ کے دشمنوں میں ابوجہل اور مسیلمہ دونوں

قسم کے لوگوں کے نمونہ دکھا کر حضرت اقدس علیہ السلام کے فنافی الرسول ہونے کا ثبوت دیا اور یہ بھی ثابت کیا۔ کہ یہ سب سامان خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ محض اتفاق نہ تھا کیونکہ اگر اتفاق ہوتا تو ہر فریق سے اس کے اپنے مسلمہ معیار کے مطابق کیوں سلوک ہوتا ٭

علاوہ اس قسم کی ہلاکتوں کے جو دُعاہائے مباہلہ یا بددُعاؤں کے نتیجہ میں آپکے دشمنوں کو پہنچیں اور کئی طریق پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپکے دشمنوں کو ہلاک کیا۔ یعنی آپکے زمانہ میں قسم قسم کے عذاب نازل کئے۔ اور اسقدر مصائب میں لوگوں کو مبتلاء کیا۔ کہ ہر ایک دل کہہ رہا ہے کہ اسقدر تباہی اس سے پہلے دُنیا میں کبھی نہ آئی تھی اسکی تفصیل کی اس جگہ ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایسی بات ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم اسپر شاہد ہے۔ کونسا ملک ہے۔ جہاں طاعون یا زلزلہ یا انفلوئنزا یا قحط یا جنگ نے بربادی نہیں کی۔ اور شہروں اور علاقوں کو ویران نہیں کیا ٭

افراد پر جو عذاب نازل ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قسم کے بھی ہوتے تھے۔ کہ جو لوگ آپ پر کوئی اتہام لگاتے تھے۔ اسی بلا میں خود مبتلا ہو جاتے تھے مثلاً بعض لوگ کہدیتے کہ آپکو نعوذ باللہ برص ہے۔ تو خدا تعالیٰ ان کو برص کی بیماری میں مُبتلا کر دیتا۔ اور بعض لوگ آپؑ کی نسبت یہ مشہور کر دیتے کہ آپؑ طاعون سے فوت ہو گئے ہیں یا ہونگے۔ تو وہ خود طاعون سے فوت ہو جاتے ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالہ کے ایک میڈیکل افسر نے آپ کی نسبت پیشگوئی کی کہ "پھیپھڑے کے مرض سے" فوت ہونگے۔ وہ سل سے ہی مرا۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں کہ جس شخص نے جو جھوٹ آپ پر باندھا۔ وہی اُسپر اُلٹ پڑا۔ اور ایسے قہری نشان اللہ تعالیٰ نے آپکی تائید میں دکھائے کہ ہر شخص جو تعصب سے خالی ہو کر انکو دیکھتا ہے۔ اُسے خدا تعالیٰ کی قدرت اور اسکے شدید العقاب ہونے پر کامل ایمان حاصل ہوتا ہے! اور وہ اس امر کے ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ حضرت اقدس خدا تعالیٰ کے استیاز بندہ تھے۔ ورنہ کیا سبب ہے۔ کہ آپکے لئے وہ اسقدر غیرت دکھاتا تھا۔ اور اب بھی دکھاتا ہے ٭

آٹھویں دلیل

سجدۂ ملائکہ

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا تھا کہ اسکو سجدہ

کریں سجدہ ایک عبادت ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کے آگے سجدہ کرنا خواہ وہ کس قدر ہی عظمت اور شوکت رکھتی ہو۔ جائز نہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء اور انبیاء میں سے انکے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بھی سجدہ جائز نہیں۔ اور یہی نہیں کہ سجدہ کرنا غیراللہ کو جائز نہیں بلکہ سخت گناہ ہے۔ اور اس فعل کا مرتکب خدا تعالےٰ کے قُرب اور اس کے فضل سے محروم رہ جاتا ہے

پس سجدہ سے مُراد وہ سجدہ تو نہیں ہو سکتا۔ جو کہ بطور عبادت کیا جاتا ہے ✣

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پہلے زمانہ میں سجدہ کرنا جائز ہوگا۔ بعد میں منع ہو گیا۔ کیونکہ شرک اُن گناہوں میں سے نہیں۔ جو کبھی جائز ہوں اور کبھی منع ہو جائیں۔ توحید باری اصل الاصول ہے۔ اور اس میں کسی وقت بھی کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ پہلے غیراللہ کو سجدہ جائز تھا لیکن بعد میں اسے شرک قرار دیکر حرام کر دیا گیا۔ تو پھر شیطان کا حق ہو کہ دعویٰ کرے کہ جو بات میں پہلے کہتا تھا۔ آخر نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو بھی کرنی پڑی میرا بھی تو یہی عذر تھا۔ کہ غیراللہ کے سامنے میں سجدہ نہیں کر سکتا۔ خدا کے آگے سجدہ کرنے سے تو میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔

غرض کسی صورت میں غیراللہ کے آگے سجدہ جائز نہیں ہو سکتا۔ نہ اب جائز ہے۔ اور نہ پہلے کبھی جائز تھا پس ملائکہ کو سجدہ کا حکم دینے سے مُراد عبادت کرنے والا سجدہ تو نہیں ہو سکتا۔ اس سے ضرور کچھ اور مُراد ہے۔ اور وہ مُراد مطابق لغت عربی کامل فرمانبرداری ہے۔ جس طرح سجدہ کے معنے سجدۂ عبادت کے ہیں سجدہ کے معنے اطاعت کے بھی ہیں۔ لسان العرب کی جلد چار میں لفظ سَجَدَ کے نیچے لکھا ہے۔ وکل من ذَلَّ وخَضَعَ لِما اُمِرَبہٖ فقد سَجَدَ۔ یعنی جس نے کسی کا حکم پوری طرح مانا اسکی نسبت کہتے ہیں کہ اس نے سجدہ کیا۔ پس آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دینے کے یہ معنی ہیں کہ انکی فرمانبرداری کریں۔ اور ملائکہ کی فرمانبرداری بندوں کے لئے یہ ہے۔ کہ ان کے کام میں مدد دیں۔ اور یہ حکم آدمؑ سے ہی خاص نہیں۔ بلکہ ہر نبی جو دُنیا میں آتا ہے۔ اس کے لئے یہی حکم دیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کسی شخص کے لئے ملائکہ کو اس قسم کا حکم نہ دیا جائے۔ تو وہ مامور کہلا ہی نہیں سکتا ✣

ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ ملائکہ نے آپؐ کے کام میں آپ کی مدد کی۔ جیسے بدر کے موقعہ پر۔ کہ ملائکہ نے کفار کے دلوں

میں رُعب ڈالا۔ یا آپ کے کنکر پھینکنے پر آندھی زور سے چلی یا احزاب کے موقعہ پر آندھی نے ایک سردار کی آگ بُجھا دی جس سے لشکر کفار پراگندہ ہو گیا۔ یا مثلاً ایک یہودیہ کے زہر دینے پر اُسکی شرارت آپ پر ظاہر ہو گئی۔ ملائکہ کی فرمانبرداری کا اظہار زیادہ تر قوانین طبعیہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے وہ چونکہ قوانین طبعیہ کا سبب اوّل ہیں۔ وہ ایسے مواقع پر جبکہ نبی اور اس کے دشمنوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ قوانین طبعیہ کو اسکی تائید میں لگا دیتے ہیں۔ اور یہی سبب ہوتا ہے کہ جبکہ بظاہر ظاہری اسباب نبیوں کے مخالف ہوتے ہیں نتیجہ ان کے حق میں نکل آتا ہے۔ اور یہ بات ان کے صادق ہونے کی دلیل ہوتی ہے ✣

یہ ملائکہ کی مدد حضرت مسیح موعود کو بھی حاصل تھی۔ آپ کی تائید میں بھی ملائکہ لگے رہتے تھے اور عجیب عجیب رنگ میں آپ کو مشکلات سے بچاتے تھے۔ اور قوانین طبعیہ کو آپکی نصرت میں لگا دیتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ اور چند اور لوگ جنمیں ہندو مسلمان مختلف مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ ایک مکان میں سوئے ہوئے تھے۔ آپکی اچانک آنکھ کھُل گئی۔ اور آپنے اپنے دل میں یہ شعور محسوس کیا کہ مکان گرنے لگا ہے۔ مکان کے گرنے کی بظاہر کوئی علامت نہ تھی۔ صرف چھت میں سے اس قسم کی آواز آرہی تھی جیسے کہ لکڑی کو کیڑے کے کاٹنے سے آتی ہے آپنے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ اور کہا کہ وہ مکان کو خالی کر دیں۔ مگر اُنھوں نے کچھ پروا نہ کی اور یہ کہکر کہ صرف آپ کا وہم ہے۔ ورنہ کوئی خطرہ نہیں۔ پھر سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے پھر وہی شعور محسوس کیا۔ اور پھر ان لوگوں کو جگایا۔ اور بہت زور دیا۔ اسپر ان لوگوں نے آپ کا لحاظ کیا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر شکایت کی۔ کہ آپنے اپنے وہم کی پیروی میں لوگوں کو خواہ مخواہ دُکھ دیا۔ آپنے اپنے دل میں یہ محسوس کیا۔ کہ یہ مکان صرف میرا انتظار کر رہا ہے۔ میں اگر نکلا تو فوراً مکان گر جائیگا اسپر آپنے پہلے ان لوگوں کو نکالا۔ اور سب کے آخر میں خود نکلے۔ ابھی آپنے ایک پیر سیڑھی پر رکھا تھا۔ اور دوسرا اُٹھایا تھا کہ مکان کی چھت زور سے گری۔ اور لوگ بہت حیران ہوئے۔ اور آپ کے ممنون ہوئے۔ اور سمجھ لیا کہ حضرت آپکی وجہ سے انکی جانیں بچائی گئی ہیں ✣

اسی طرح کبھی ایسا ہوتا تھا کہ بعض بیماریوں کے موقعہ پر ادویہ متمثل ہو کر اپنی حقیقت کو ظاہر کر دیتی تھیں اور یہ ظاہر ہے کہ ادویہ تو بے جان ہیں۔ درحقیقت یہ ملائکہ کی مدد تھی۔ جو تاثیر

ادویہ کے ظہور کے لئے مقرر ہیں اور ہر چیز کا سبب اوّل ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپکو کسی بیماری سے سخت تکلیف تھی مختلف ادویہ کے استعمال سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اتنے میں ایک شکل متمثل ہوئی۔ اور کہا کہ "خاکسار پیپرمنٹ" جب اس دوائی کا استعمال کیا گیا تو فوراً آرام آگیا +

بعض وقعہ آپکے دشمن آپ کے قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے۔ مگر وہ لوگ جو آپکے قتل کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ یا تو ان کے آنے کی اطلاع آپ کو پہلے سے ہو جاتی تھی۔ یا انکے دل میں ملائکہ اہلِ بدر کی طرح کچھ اس قسم کا رُعب ڈال دیتے تھے کہ وہ خود ہی قتل ہو جاتے تھے۔ یعنی توبہ کر کے آپکے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ اور حضرت عمرؓ کیطرح دشمنی چھوڑ کر اطاعت اختیار کر لیتے +

مگر ان سب واقعات سے بڑھ کر وہ عظیم الشان نشان ہے جو طاعون کے متعلق ظاہر ہوا جسے میں آگے چلکر بیان کرونگا۔ کہ طاعون کس طرح آپ کی پیشگوئیوں کے ماتحت دنیا میں ظاہر ہوئی سردست اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاعون بصورت ہاتھی دکھائی۔ جو تمام دنیا میں تباہی ڈال رہی ہے۔ مگر سب طرف خونریزی کر کے آپکے آگے آکر مؤدب بیٹھ جاتی ہے۔ اس خواب کے معنی یہ تھے کہ طاعون کے ملائکہ کو آپکی تائید کا حکم دیا گیا ہے۔ اس نظارہ کی تائید میں اور بھی بہت سے الہام ہوئے۔ مثلاً یہ کہ "آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے"۔ اور آپنے اعلان کر دیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے۔ کہ میری جماعت کے لوگ طاعون سے نسبتاً محفوظ رہیں گے۔ گو بعض حادثات بھی ہو جائیں۔ مگر وہ اسی طرح ہونگے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کفار کے مقابلہ میں بعض مسلمان بھی شہید ہو جاتے تھے۔ مگر مقابلتہً کفار بہت زیادہ مرتے تھے۔ اور صحابہ بہت کم +

اسی طرح یہ بھی اعلان کیا کہ بستیوں میں سے قادیان نسبتاً محفوظ رہے گا۔ اور یہاں اس قسم کی سخت طاعون نہیں پڑیگی جیسے کہ دوسری جگہوں پر پڑیگی۔ اور گھروں میں سے آپکا گھر کلی طور پر محفوظ رہے گا۔ ایمیں طاعون کا کوئی حادثہ نہیں ہوگا۔ ان اعلانوں کے بعد طاعون ہندوستان میں اس شدت کے ساتھ پھیلی کہ الامان! ہر سال کئی کئی لاکھ آدمی طاعون سے مرجاتا تھا۔ مگر باوجود اسکے کہ آپنے اپنی جماعت کو طاعون کا ٹیکا کرانے سے منع کر دیا تھا۔ جو طاعون کا ایک ہی علاج سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے لوگ طاعون سے مرتے تھے۔ مگر آپ کی جماعت کے لوگ نسبتاً طاعون سے محفوظ رہتے

تھے اور متواتر اور کئی سال تک اسی طرح ہوتا ہوا دیکھ کر لوگوں نے سوچا کہ آخر کوئی بات ہے کہ اس طرح طاعون کے کیڑے احمدیوں کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو پکڑتے ہیں۔ اور ہزارہا لوگ اس کو دیکھ کر ایمان لائے۔ بلکہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے اکثر احمدی وہی ہیں جو اس نشان کو دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ یہ بات انکے لئے حیرت انگیز تھی۔ کہ طاعون کے کیڑے کو کون بتاتا ہے کہ فلاں شخص مرزا صاحب کا ماننے والا ہے۔ اور فلاں منکر۔

بڑے بڑے دشمن جیسا کہ پہلی بیان کردہ بعض مثالوں سے ظاہر ہے۔ طاعون سے ہی ہلاک ہوئے لیکن آپ کی جماعت بہت حد تک محفوظ رہی۔ صرف کبھی کبھی اور کسی کسی جگہ کوئی واقعہ ایسا ہو جاتا تھا کہ ان میں سے بھی کوئی اس مرض میں مبتلا ہو جائے۔ متواتر کئی سال تک سارے ملک میں طاعون کی وباء کا پھوٹنا اور ماننے والوں کا نسبتاً محفوظ رہنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپکی مذکورہ بالا رؤیا اور آپ کے الہام "آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے" کے ماتحت ملائکہ اس مرض کے جرموں کو آپ کی تائید لیکن آپ کے دشمنوں کی ہلاکت میں لگا رہے تھے۔ اور اس طرح فرمانبرداری کا وہ حق پورا کر رہے تھے۔ جو ہر مرسل کے متعلق انکے ذمہ لگایا گیا ہے +

قادیان میں بھی ایسا ہی ہوا کہ دوسرے شہروں کی نسبت یہاں بہت ہی کم طاعون ہوئی۔ اور صرف تین سال ہو کر ہٹ گئی۔ حالانکہ دوسرے شہروں میں دس دس سال بلکہ بعض جگہ اس سے بھی زیادہ رہی +

آپ کے گھر کے متعلق تو ملائکہ کی فرمانبرداری کا عجیب نمونہ نظر آیا یعنی باوجود اسکے کہ تین سال تک متواتر آپ کے گھر کے بائیں طرف بھی اور دائیں طرف بھی طاعون پھوٹی۔ آپکے گھر کی دائیں طرف والے ملحق گھر میں بھی موتیں ہوئیں اور بائیں طرف کے گھر میں بھی موتیں ہوئیں۔ لیکن آپ کا گھر جس میں سو سے زیادہ آدمی رہتے تھے۔ اور نشیب کے حصہ میں واقع ہونے کے سبب سے صحت افزا جگہ بھی نہیں کہلا سکتا۔ نہ صرف یہ کہ ایمیں کوئی موت نہیں ہوئی۔ بلکہ کوئی چوہا بھی اس میں مبتلا نہیں ہوا۔ حالانکہ طاعون جب کسی گاؤں میں پڑے۔ تو چوہے فوراً مرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک عجیب نشان ہے اور صاحب دانش کیلئے موجب تسلی۔ اگر ملائکہ آپ کی تائید نہیں کر رہے تھے تو یہ کیا چیز تھی۔ جو امور طبیعیہ کو جو حاکموں اور بادشاہوں کے قبضہ میں نہیں ہوتے آپ کی تائید اور

غلامی میں لگائے ہوئے تھی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر جورات دن طبّی احتیاطوں سے کام لے رہے تھے طاعون کا شکار ہوتے تھے۔ شہروں سے باہر صاف محلات میں رہنے والے اسکی گرفت سے بچ نہیں سکتے تھے ٹیکا کرانیوالے بھی محفوظ نہ تھے۔ مگر آپؑ کے گھر کے لوگ بلا کسی ظاہری سبب کے۔ بلا علاج کے۔ بلا حفظان صحت کے سامانوں کی موجودگی کے۔ بلا آبادی سے باہر جانے کے۔ اس وباء کے حملہ سے محفوظ رہتے۔ بلکہ جانوروں تک اسکے اثر کو قبول نہ کرتے۔ حالانکہ گھر کے ساکنین بہت بڑی تعداد میں تھے۔ بلکہ طاعون کے دنوں میں اور بہت سے لوگ بھی درخواست کر کے گھر کے اندر آجاتے تھے ؂

اگر قادیان میں طاعون نہ آتا۔ یا اگر قادیان میں طاعون آتا مگر آپؑ کے گھر کے اردگرد نہ آتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اتفاق تھا۔ مگر قبل از وقت یہ بات شائع کر دیتے کہ ملائکہ۔ اللہ آپؑ کی تائید میں ہیں۔ اور طاعون کو اپنی غلامی کا طوق پہنائے ہوئے ہیں۔ طاعون کا قادیان میں آنا پھر آپؑ کے گھر کے اردگرد آنا مگر آپؑ کے گھر میں سے کسی آدمی یا جانور کا بھی اس سے متاثر نہ ہونا ایک زبردست ثبوت ہے اس بات کا کہ ملائکہ کو آپؑ کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ آپؑ کی حفاظت پر مامور تھے۔ اسوجہ سے وہ اسباب طبعیہ بھی جو ان کے زیر انتظام تھے آپؑ کی نصرت میں لگے ہوئے تھے ؂

اُمور طبعیہ کا اس طرح آپؑ کی تائید کرنا بہت سے واقعات سے ثابت ہوتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کی مذکورہ بالا چند مثالیں کافی ہونگی۔ اور ان سے اس قسم کے معجزات کی حقیقت آپ پر روشن ہو جائیگی۔ اور آپ معلوم کر سکینگے کہ اس قسم کی تائید جن کو حاصل ہو۔ وہ مُفتری اور کاذب ہرگز نہیں ہو سکتے ؂

نویں دلیل

علوم آسمانی کا انکشاف

نویں دلیل آپؑ کی صداقت کی کہ درحقیقت وہ بھی بہت سے دلائل پر مشتمل ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر قادرانہ طور پر ایسے علوم کا انکشاف کیا کہ جن کا حصول انسانی طاقت سے بالا ہے۔

نبیوں کی بعثت کی غرض ہی یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ لوگوں کو اس چشمہ تک پہنچائیں جس سے سیراب ہوئے بغیر رُوحانی زندگی قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ یعنی تمام زندگیوں کے منبع حضرت احدیت سے ان کو وابستہ اور متعلق کر دیں۔ اور یہ بات بلا علوم رُوحانیہ کے حصُول کے نہیں ہو سکتی۔ وہی شخص اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کر سکتا ہے۔ کہ جسے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔ اور اس کے قُرب کے ذرائع معلوم ہوں۔ اور اس کی صفات کا باریک در باریک علم رکھتا ہو۔ اور دوسروں کو وہی شخص رُوحانی اُمور میں ہدایت کر سکتا ہے۔ جو ان باتوں سے حصہ وافر رکھتا ہو ؂

پس کسی ماموریت کے مدعی کا دعوٰی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدا تعالیٰ کے غیر محدود علم سے حصہ نہ پائے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کی علمی غور و پرداخت نہ کرے۔ پس حضرت اقدسؑ کے دعوٰی کی سچائی کے معلوم کرنے کے لئے ہم اس قانون کے ذریعہ سے بھی آپؑ کے دعوٰی پر غور کرتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر کیا کیا علوم کھولے ہیں ؂

خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ وعلّم اٰدم الاسماء کُلّھا (سُورۃ بقرہ رکوع ۴) اور اس نے آدم کو سب صفات الٰہیہ کا علم دیا۔ اور صفات الٰہیہ کے علم کے ماتحت سب قسم کا علم آجاتا ہے۔ کیونکہ معرفت الٰہیہ کے معنے صفات الٰہیہ کا ایسا علم ہی ہے۔ جو مشاہدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ یہ علم ہر مامور کو دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت لوطؑ کی نسبت فرماتا ہے ولوطًا اٰتینٰہ حکما وعلما (سُورہ انبیاء رکوع ۵) اور داؤد و سلیمانؑ کی نسبت فرماتا ہے۔ ولقد اٰتینا داؤد و سلیمان علما (سورہ نمل ر ۲) اور حضرت یوسفؑ کی نسبت فرماتا ہے۔ ولما بلغ اشدّہٗ اٰتینٰہ حکما وعلما (یوسف ع ۳) اور حضرت موسٰیؑ کی نسبت فرماتا ہے و لما بلغ اشدّہٗ واستوٰی اٰتینٰہ حکما وعلما۔ وکذٰلک نجزی المحسنین (قصص ع ۲) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے:۔ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیمًا (نساء رکوع ۱۷) کہ آپؐ کو وہ علم سکھایا ہے۔ جو پہلے آپؐ کو معلوم نہ تھا۔ اور پھر اور علوم کے اظہار کا وعدہ کرتا ہے۔ اور یہ دُعا سکھاتا ہے۔ قل ربّ زدنی علما۔ پس ان آیات سے معلوم ہُوا۔ کہ ہر مامور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص علم دیا

جاتا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کا علم حضرت مسیح موعودؑ کو بھی دیا گیا۔ صرف فرق یہ ہے کہ پہلے مامور کو تو صرف باطنی علم دیا جاتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے متاع اور آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ظاہری و باطنی دونوں قسم کا علم دیا۔ یعنی علم رُوحانی بھی دیا۔ اور اُس کے بیان کرنے کا اعلیٰ طریق بخشا۔ اور دونوں باتوں میں آپ کو بے نظیر بنایا۔ نہ تو علوم باطنیہ کے جاننے میں کوئی شخص آپ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور نہ ان کے بیان کرنے میں کوئی شخص آپ کا مقابلہ کر سکتا ہے ؀

ان دونوں قسم کے علموں میں سے پہلے میں ظاہری قسم کا علم لیتا ہوں۔ یہ معجزہ آپ سے پہلے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے۔ پہلے انبیاء میں اس کی نظیر نہیں ملتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوئی۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل ان کنتم فی ریبٍ ممّا نزّلنا علےٰ عبدنا فأتوا بسورۃٍ من مثلہٖ۔ وادعوا شھدآءکم من دون اللّٰہ ان کنتم صادقین (سورہ بقرہ ع ۳) کہدے اگر تم کو اس کتاب سے جو ہم نے اپنے اس بندہ پر نازل کی ہے۔ شکوک وشبہات پیدا ہو گئے۔ تو پھر اس کی ایک سورۃ جیسی ہی کوئی عبارت لے آؤ۔ اور اس کی تیاری کیلئے اللہ تعالیٰ کے سوا جس قدر تمہارے بزرگ ہیں سب کو اپنی مدد کے لئے جمع کر لو۔ مگر یاد رکھو کہ پھر بھی تم اس کی مثال لانے پر قادر نہیں ہو سکو گے۔ اس آیت میں ہر قسم کی خوبیوں میں قرآن کریم کو بے مثل قرار دیا گیا ہے۔ جنمیں سے ایک خوبی ظاہری خوبی کی بھی ہے۔ قرآن کریم کی فصاحت کی طرف اور جگہوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ کتابٌ احکمت اٰیٰتہ ثمّ فصّلت من لدن حکیم خبیر (سورہ ہود ع ۱) یہ کتاب ایسی ہے۔ کہ اس کے احکام نہایت مضبوط چٹان پر قائم کئے گئے ہیں۔ اور پھر ان کو بے نظیر طور پر کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اس خدا کیطرف سے جو بڑی حکمتوں کا مالک ہے۔ اور واقعات سے باخبر ہے یعنی حکیم کی طرف سے پُر حکمت کلام ہی آنا چاہیئے تھا۔ اور خبیر جانتا ہے کہ اب علمی زمانہ شروع ہونیوالا ہے اس لئے علمی معجزات کی ضرورت ہے پس اس نے قرآن کریم کی زبان کو بھی مفصل بنایا ہے یعنی وہ اپنی وضاحت آپ کرتا ہے۔ اور اپنی خوبی کا خود

شاہد ہے ؀

چونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور آپ کے ظل تھے۔ اور آپ ہی کے نُور سے حصّہ لینے والے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی اس خوبی میں سے حصّہ دیا۔ اور آپ کو بھی کلام کی فصاحت عطاء فرمائی میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ حضرت اقدسؑ کسی مشہور مدرسہ کے پڑھے ہوئے نہ تھے معمولی لیاقت کے اُستاد آپ کی تعلیم کے لئے رکھے گئے تھے۔ جنہوں نے عام درسی کتب کا ایک حصّہ آپ کو پڑھا دیا تھا۔ آپ کبھی عرب وغیرہ ممالک کی طرف بھی نہیں گئے تھے۔ اور نہ آپ ایسے شہروں میں رہے تھے۔ جہاں عربی کا چرچا ہو۔ دیہاتی زندگی اور معمولی کتب پڑھنے سے جسقدر علم انسان کو حاصل ہو سکتا ہے اسی قدر آپ کو حاصل تھا ؀

جب آپ نے دعویٰ کیا۔ اور دُنیا کی اصلاح کی طرف توجّہ کی۔ تو آپ کے دشمنوں کی نظر سب سے پہلے ان حالات پر پڑی۔ اور اُنھوں نے سوچا۔ کہ یہ سب سے بڑا حملہ ہے جو ہم آپ کی ذات پر کر سکتے ہیں۔ اور پیش کرنا شروع کیا۔ کہ آپ ایک منشی آدمی ہیں۔ اُردو نوشت وخواند میں چونکہ مہارت ہو گئی۔ اور لوگوں میں بعض مضامین اچھی نظر سے دیکھے گئے۔ تو خیال کر لیا۔ کہ اب میں بھی کچھ بن گیا۔ اور دعویٰ کر دیا۔ عربی سے ناواقف ہیں۔ اس لئے علوم دینیہ میں رائے دینے کے اہل نہیں۔ اس اعتراض کو ہر مجلس اور ہر تحریر میں پیش کیا جاتا۔ اور لوگوں کو بدظن کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا یہ اعتراض تو کہ آپ عربی زبان سے ناواقف ہیں۔ بالکل جھوٹا تھا۔ کیونکہ آپ نے عام درسی کتب پڑھی ہوئی تھیں مگر یہ سچ تھا۔ کہ آپ کسی بڑے عالم سے نہیں پڑھے تھے۔ اور نہ باقاعدہ کسی پُرانے مدرسہ کے سند یافتہ تھے۔ اسلئے ملک کے بڑے عالموں میں شمار نہ ہوتے تھے۔ اور نہ مولوی کی حیثیت آپ کو حاصل تھی ؀

جب اس اعتراض کا بہت چرچا ہُوا۔ اور مخالف مولویوں نے وقت اور بے وقت اس بات کو پیش کرنا شروع کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک رات میں چالیس ہزار مادہ عربی زبان کا سکھا دیا۔ اور یہ معجزہ عطا فرمایا کہ آپ عربی زبان میں کتب لکھیں۔ اور وعدہ کیا کہ ایسی فصاحت آپ کو عطا کی جاویگی۔ کہ لوگ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ آپ نے عربی زبان میں ایک مضمون لکھ کر اپنی کتاب

آئینہ کمالاتِ اسلام کے ساتھ شائع کیا۔ اور مخالفوں کو اس کے مقابلہ میں رسالہ لکھنے کیلئے بلایا مگر کوئی شخص مقابلہ پر نہ آسکا۔ اس کے بعد متواتر آپؑ نے عربی کتب لکھیں جو بیس سے بھی زیادہ ہیں اور بعض کتب کے ساتھ دس دس ہزار روپیہ تک کا انعام ان لوگوں کے لئے مقرر کیا۔ جو مقابلہ میں ویسی ہی فصیح کتب لکھیں مگر ان تحریرات کا جواب کوئی مخالف نہ لکھ سکا۔ بلکہ بعض کتب عربوں کے مقابلہ میں لکھی گئیں۔ اور وہ بھی جواب نہ دے سکے۔ اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ چنانچہ سیّد رشید رضا صاحب مدیر المنار کو مخاطب کر کے بھی ایک کتاب لکھی گئی۔ اور اس کو مقابلہ کے لئے بلایا گیا مگر وہ مقابلہ پر نہ آیا۔ اسی طرح بعض اور عربوں کو مقابلہ کے لئے دعوت دی گئی مگر وہ جرأت نہ کرسکے ؎

ہندوستان کے مولویوں نے اپنی شکست کا ان لفظوں میں اقرار کیا۔ کہ یہ کتابیں مرزا صاحب خود نہیں لکھتے۔ بلکہ انھوں نے عرب چھپا کر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو کتب لکھ کر دیدیتے ہیں اس اعتراض سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ کی کتب کی عربی زبان کے وہ بھی قائل تھے مگر ان کو یہ شک تھا۔ کہ آپؑ خود یہ کتب نہیں لکھ سکتے۔ اور لوگ آپؑ کو کتابیں لکھ کر دیدیتے ہیں۔ اسپر آپؑ نے اعلان کیا۔ کہ آپ لوگ بھی عربوں اور شامیوں کی مدد سے میرے مقابلہ پر کتابیں لکھ دیں مگر باوجود بار بار غیرت دلانے کے کوئی سامنے نہ آیا۔ اور وہ کتب اب تک بے جواب پڑی ہیں ؎

ان کتب کے علاوہ ایک دفعہ آپؑ کو الہام ہوا کہ آپؑ فی البدیہہ ایک خطبہ عربی زبان میں کہیں۔ حالانکہ آپؑ نے عربی زبان میں کبھی تقریر نہ کی تھی۔ دوسرے دن عید الاضحی تھی۔ اس الہام کے ماتحت آپ نے عید کے بعد عربی زبان میں ایک لمبی تقریر کی۔ جو خطبہ الہامیہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اس تقریر کی عبارت بھی ایسی اعلیٰ درجہ کی تھی کہ عرب و عجم پڑھ کر حیران ہوتے ہیں اور ایسے غوامض و رموز اسمیں بیان کئے کہ ان کی وجہ سے اس خطبہ کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے ؎

یہ علمی معجزہ آپؑ کا نہایت زبردست معجزات میں سے ہے۔ کیونکہ ایک تو ان معجزات پر اسے فوقیت حاصل ہے۔ جو زیادہ تر صرف اس وقت کے لوگوں پر کرتے ہیں۔ جو دیکھنے والے ہوں۔ دوم اس معجزہ کا اقرار دشمنوں کی زبانوں سے بھی کرا دیا گیا ہے۔ اب جب تک دُنیا قائم ہے۔ یہ معجزہ آپؑ کا بھی قائم رہے گا اور قرآن کریم کی طرح آپؑ کے دشمنوں کے خلاف

حُجّت رہیگا۔ اور روشن نشان کی طرح چمکتا رہیگا ؎

بعض لوگ جب اس معجزہ کو دیکھ کر آپؑ کی صداقت کا انکار کرنے کی کوئی صورت نہیں دیکھتے۔ تو ایک اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اس قسم کے معجزہ کا دعویٰ کرنا قرآن کریم کی ہتک ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے۔ کہ اس کی زبان بےمثل ہے۔ اگر مرزا صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایسی زبان میں کتب لکھنے کی توفیق دیدی۔ جو اپنی خوبیوں میں بےمثل ہے۔ تو اسمیں قرآن کریم کی ہتک ہو گئی اور اس کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ ان لوگوں کا یہ اعتراض محض تعصب کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر یہ سوچتے تو انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ باوجود حضرت اقدسؑ کی عربی کتب کے بےمثل ہونیکے قرآن کریم کا دعویٰ حق اور راست ہے۔ اور اس کا معجزانہ رنگ موجود ہے۔ بلکہ آگے سے بڑھ گیا ہے ؎

دُنیا میں ہر ایک فضیلت دو۲ قسم کی ہوتی ہے۔ کامل فضیلت اور وہ فضیلت جو اضافی ہوتی ہے یعنی ایک فضیلت تو وہ جو بلا دوسری چیزوں کو مدّنظر رکھنے کے ہوتی ہے۔ اور ایک فضیلت وہ جو بعض اور چیزوں کو مدّنظر رکھ کر ہوتی ہے۔ اسکی مثال قرآن کریم سے ہی میں پیش کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی نسبت قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وفضّلتکم علی العالمین (البقرہ) میں نے تم کو تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت دی ہے۔ اور پھر مسلمانوں کی نسبت فرماتا ہے کہ کنتم خیرَ اُمّۃٍ اُخرجت للناس (سورہ آل عمران ع ۱۲) تم سب سے بہتر اُمّت ہو۔ جو سب لوگوں کیلئے نکالی گئی۔ تو ایک طرف بنی اسرائیل کو سب جہانوں پر فضیلت دیتا ہے۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کو سب جہانوں پر فضیلت دیتا ہے۔ بظاہر اس بات میں اختلاف نظر آتا ہے لیکن اصل میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ ایک جگہ پر تو اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت مُراد ہے۔ اور دوسری جگہ اولین اور آخرین پر۔ اسی طرح حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کتب کو جو بےمثلیت حاصل ہے وہ انسانوں کے کلاموں کو مدّنظر رکھ کر ہے۔ اور قرآن کریم کو جو بےمثلیت عطا ہوئی ہے۔ وہ تمام انسانی کلاموں پر بھی ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنیوالے دوسرے کلاموں پر بھی ہے۔ اور انمیں حضرت اقدسؑ کے الہامی خطبات اور آپؑ کی کتب بھی شامل ہیں۔ پس قرآن کریم کا بےمثل ہونا حقیقی ہے۔ اور حضرت اقدسؑ کی کتب کی زبان کا بےمثل ہونا اضافی۔ پس آپؑ کا یہ معجزہ گو لوگوں کے لئے حُجّت ہے۔ مگر قرآن کریم کی شان کا گھٹانیوالا نہیں ؎

میں نے اوپر بیان کیا تھا۔ کہ آپ کے معجزہ سے قرآن کریم کے معجزہ کی شان دوبالا ہو گئی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بے مثلیت بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بے مثلیت ایسی ہوتی ہے۔ کہ بے مثل کلام کو دوسرے کلاموں پر فضیلت تو ہوتی ہے۔ مگر بہت زیادہ فضیلت نہیں ہوتی ہیں گو اسکو افضل کہینگے مگر دوسرے کلام بھی اسکے قریب قریب پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ مثلاً گھوڑ دوڑ میں جب گھوڑے دوڑتے ہیں۔ تو ایک گھوڑا جو اوّل نکلے۔ دوسرے گھوڑے سے ایک بالشت بھی آگے ہو سکتا ہے ایک گز بھی ہو سکتا ہے۔ اور ایک گھوڑے کے کھڑے ہونیکی جگہ کی مقدار بھی آگے ہو سکتا ہے۔ یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہی حال بے مثل کلام کا ہے۔ کہ وہ ان دوسرے کلاموں کی نسبت جنکے مقابلہ میں اسے بے مثل ہونیکا دعویٰ ہو معمولی فضیلت بھی رکھ سکتا ہے۔ اور بہت زیادہ فضیلت بھی رکھ سکتا ہے۔ اب یہ امر کہ اس کلام اور دوسرے کلاموں کا فرق تھوڑا ہے یا بہت۔ اسی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے درمیان اور ان کلاموں کے درمیان جن سے وہ افضل ہونے کا مدعی ہے اور کلام آکر کھڑے ہو سکیں کہ وہ بھی بے مثل ہوں لیکن اس کے مقابلہ میں وہ بھی ادنیٰ ہوں۔ پس حضرت اقدس کی کتب نے دوسرے انسانوں کے کلاموں کے مقابلہ میں اپنی بے مثلیت ثابت کر کے بتا دیا ہے کہ قرآن کریم اپنی بے مثلیت میں دوسرے کلاموں سے بہت ہی بڑھا ہوا ہے کیونکہ وہ کلام جنکو قرآن کے مقابلہ پر کھڑا کیا جاتا تھا۔ آپ کے کلام نے اُن کو پیچھے ڈال دیا۔ مگر پھر بھی آپ کا کلام قرآن کریم کے ماتحت ہی رہا۔ اور اس کا خادم ہی ثابت ہوا جس سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن کریم دوسرے کلاموں سے اس قدر آگے نکلا ہوا ہے۔ کہ اس کے اور دوسرے کلاموں کے درمیان ایک وسیع فاصلہ ہے

اس فصاحت کے علاوہ جو آپ کو عطا ہوئی۔ ایک علم ظاہری آپ کو یہ عطا ہوا۔ کہ آپ کو الہاماً عربی زبان کے اُم الالسنہ ہونے کا علم دیا گیا۔ یہ ایک عظیم الشان اور عجیب علم تھا کیونکہ یورپ کے لوگ اُم الالسنہ کے متعلق لمبی کوششوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ یا سنسکرت یا پہلوی زبان اُم الالسنہ ہے۔ اور بعض لوگ ان دونوں زبانوں کو بھی اس زبان کی جو سب سے پہلی زبان تھی شاخ قرار دیتے تھے اور خیال کرتے تھے۔ کہ ابتدائی زبان دُنیا سے مٹ گئی ہے۔ یہ تو یورپ کے لوگوں کا حال تھا۔ عرب جن کی زبان عربی ہے۔ وہ بھی اس فضیلت کے قائل نہ تھے۔ بلکہ یورپ کی تعلیم کے اثر سے اُم الالسنہ کی دوسرے ممالک کی زبانوں میں تلاش کر رہے تھے۔ ان حالات

میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم دیا جاتا کہ اصل میں عربی زبان ہی اُم الالسنہ ہے۔ ایک قابل حیرت انکشاف تھا۔ مگر قرآن کریم پر تدبر کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ یہ انکشاف قرآن کریم کی تعلیم کے بالکل مطابق تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا وہ کلام جو سب دُنیا کی طرف نازل ہونا تھا۔ اسی زبان میں نازل ہونا چاہئے تھا۔ جو سب سے ابتدائی زبان ہونے کے لحاظ سے سب دُنیا کی زبان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وما ارسلنا من رسولٍ الّا بلسان قومہ (سورۃ ابراہیم ع ۱) ہم کوئی رسول نہیں بھیجتے۔ مگر اسی زبان میں اسپر کتاب نازل کرتے ہیں جو ان لوگوں کی زبان ہوتی ہے۔ جن کی طرف وہ مبعوث ہوا ہو۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب دُنیا کی طرف مبعوث ہوئے۔ تو انکی طرف اسی زبان میں کلام نازل ہونا چاہئے تھا۔ کہ جو بوجہ اُم الالسنہ ہونے کے سب دُنیا کی زبان کہلا سکے۔ اور چونکہ آپ پر عربی زبان میں کلام نازل ہوا ہے۔ اس لئے عربی زبان ہی اُم الالسنہ ہے ؂

آپ نے اس انکشاف کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ سے علم پا کر ایسے اصُول مدوّن کئے جن سے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا۔ کہ فی الواقع عربی زبان ہی اُم الالسنہ اور الہامی زبان ہے اور باقی کوئی زبان اُم الالسنہ کہلانے کی مستحق نہیں۔ آپ نے اس تحقیق کے متعلق ایک کتاب بھی لکھنی چاہی مگر افسوس کہ وہ نامکمل رہ گئی مگر اصل الاصول آپ نے اس میں بیان کر دئے جنکو پھیلا کر اس امر کو دُنیا کے ذہن نشین کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ تو میرا منشا ہے کہ ان اصُول کے ماتحت جو آپ نے تجویز کئے ہیں اور اس علم کے مطابق جو آپ نے اس کتاب میں مخفی رکھا ہے۔ ایک کتاب تصنیف کروں جس میں بوضاحت آپ کے بیان کردہ دعویٰ کو ثابت کروں۔ اور اہل یورپ کے تیار کردہ علم اللسان سے جو اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ وہ بھی بیان کروں۔ اور جہاں اہل یورپ نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اس کو بھی کھول دوں۔ وما التوفیق الّا من اللہ۔ یہ تحقیق عربی زبان کے مطابق ایک ایسی بے نظیر تحقیق ہے۔ کہ دُنیا کے نقطۂ نظر کو اسلام کے مطابق بالکل بدل دیگی۔ اور اسلام کو بہت بڑی شوکت اس سے حاصل ہوگی ؂

ان ظاہری علوم کے علاوہ جو آپ کو دئے گئے۔ باطنی علوم جو انبیاء کا ورثہ ہیں۔ وہ بھی

آپ کو عطا ہوئے۔ اور ان علوم کے مقابلہ سے سب دشمن عاجز رہے۔ اور کوئی شخص آپ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ آپ کوئی جدید شریعت لیکر نہ آئے تھے۔ بلکہ پہلی پیشگوئیوں کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت اور اشاعت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اور علوم قرآنیہ کا پھیلانا اور سکھانا آپ کا کام تھا۔ قرآن کریم کے بعد اب کوئی نیا علم آسمان سے نازل نہیں ہو سکتا۔ سب علوم اسکے اندر ہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا معلّم نہیں آ سکتا۔ جو شخص آئیگا۔ آپ کے سکھائے ہوئے علوم کی تجدید کرنیوالا ہی ہوگا۔ اور انہی کو دوبارہ تازہ کریگا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام ہے۔ کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فتبارک من علّم و تعلّم۔ ہر ایک برکت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے آتی ہے پس مبارک ہے۔ وہ جس نے سکھایا۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور مبارک ہے وہ جس نے سیکھا۔ یعنی مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ؎

غرض علوم چونکہ قرآن کریم پر ختم ہو گئے۔ اب جو مامور آئینگے۔ انکو قرآن کریم کے خاص علوم ہی سکھائے جائینگے۔ نہ کہ کوئی جدید علوم۔ اور ان کی سچائی کی یہی علامت ہو گی۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا وسیع علم عطا فرمائے۔ جو استدلالیوں والا نہ ہو۔ بلکہ صفات الٰہیہ کا علم ہو۔ اور روحانی منازل کا علم ہو۔ اور اے بادشاہ! ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علوم سے ایسا وافر حصہ دیا ہے۔ کہ اگر یوں کہیں کہ آپ کے وقت میں قرآن کریم دوبارہ نازل ہوا ہے۔ تو یہ کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ بلکہ بالکل سچ ہوگا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ آپ سے بھی ایک روایت ہے کہ لو کان القراٰن معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس۔ کہ اگر قرآن ثریا پر اُڑ کر چلا جائے۔ تو ایک شخص فارسی الاصل اسکو واپس لے آویگا ؎

سب سے پہلے تو میں علم قرآن کے اس حصّہ کو بیان کرتا ہوں جس نے اصولی رنگ میں اسلام کو ایسی مدد دی۔ اور مختلف ادیان کے مقابلہ میں اسلام کے مقام کو اس طرح بدل دیا۔ کہ فاتح مفتوح ہو گیا۔ اور غالب مغلوب۔ یعنی قرآن کریم جو اس سے پہلے ایک مُردہ کتاب سمجھی جاتی تھی ایک زندہ کتاب بن گئی۔ اور اس کی خوبیوں کو دیکھ کر اسکے مخالف گھبرا کر بھاگ گئے ؎

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے نزول سے پہلے عام طور پر مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ معارف قرآنیہ

جو بزرگوں نے بیان کئے ہیں۔ وہ اپنی حد کو پہنچ گئے ہیں۔ اور اب ان سے زیادہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا بلکہ اور جستجو کرنی فضول اور دین کیلئے مُضر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ کو یہ علم دیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی مادی پیدایش اپنے اندر بے انتہا اسرار رکھتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اپنے اندر بے انتہا معانی اور معارف رکھتا ہے۔ اگر ایک مکھی جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے نہایت ادنیٰ درجہ رکھتی ہے۔ ہر زمانہ میں اپنی پوشیدہ طاقتوں کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اسکی بناوٹ کے رازوں اور اس کے خواص کی وسعت اور اسکی عادات کی تفاصیل کا علم زیادہ سے زیادہ حاصل ہوتا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے گھانس اور پودوں کے نئے سے نئے خواص اور تاثیریں معلوم ہوتی جاتی ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ خدا کا کلام محدود ہو۔ کہ کچھ مدت تک تو لوگ اسمیں سے معانی اور معارف اخذ کریں۔ اور اس کے بعد وہ اس کان کی طرح ہو جائے جس کا خزانہ ختم ہو جاتا ہے۔ خدا کا کلام تو مادی اشیاء کی نسبت زیادہ کثیر المعانی اور وسیع المطالب ہونا چاہیئے۔ اگر نئے سے نئے علوم دنیا میں نکل رہے ہیں۔ اگر فلسفہ اور سائنس تیزی کیساتھ ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر طبقات الارض اور علم آثار قدیمہ اور علم افعال الاعضاء اور علم نباتات اور علم حیوانات اور علم ہیئت اور علم سیاسیات اور علم اقتصاد اور علم معاملات اور علم نفس اور علم روحانیات اور علم اخلاق اور اسی قسم کے نئے علوم یا تو نئے دریافت ہو رہے ہیں۔ یا انھوں نے پچھلے زمانہ کے علوم کے مقابلہ میں حیرت انگیز ترقی حاصل کر لی ہے تو کیا خدا کا کلام ہی ایسا راکد ہونا چاہیئے۔ کہ وہ اپنے پر غور کرنیوالوں کو تازہ علوم اور نئے مطالب نہ دے سکے۔ اور سینکڑوں سال تک وہیں کا وہیں کھڑا رہے ؎

اسوقت جسقدر بے دینی اور خدا تعالیٰ سے دُوری اور شریعت سے بُعد نظر آتا ہے۔ وہ ان علوم کے بالواسطہ یا بلا واسطہ اثر ہی کا نتیجہ ہے۔ پس اگر قرآن کریم خدا کا کلام ہے۔ تو چاہیئے تھا کہ ان علوم جدیدہ کی ایجاد یا وسعت کے ساتھ اسمیں سے بھی ایسے معارف ظاہر ہوں کہ یا تو ان علوم کی غلطی کو ظاہر کریں۔ اور بدلائل انسان کو تسلّی دیں یا یہ بتائیں کہ جو شبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ درحقیقت پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور صرف قلّت تدبّر کا نتیجہ ہے ؎

اس اصل کو قائم کر کے آپ نے بدلائل ثابت کیا۔ کہ قرآن کریم میں اس زمانہ کی ترقیات اور تمام حالات کا ذکر موجود ہے۔ بلکہ اس زمانہ کی بعض جزئیات تک کا ذکر ہے لیکن پہلے مسلمان چونکہ اس

زمانہ میں نہیں پیدا ہوئے تھے۔ وہ ان اشارات کو نہیں سمجھ سکے۔ اور ان واقعات کو قیامت پر محمول کرتے رہے ؏

مثلاً سُورۃ التکویر میں اس زمانہ کی بہت سی علامات مذکور ہیں جیسے (۱) اذا الشمس کوّرت (۲) واذا النجوم انکدرت (۳) واذا الجبال سیّرت (۴) واذا العشار عطّلت (۵) واذا الوحوش حشرت (۶) واذا البحار سجّرت (۷) و اذا النفوس زوّجت (۸) و اذا المؤدۃ سئلت۔ بایّ ذنبٍ قتلت (۹) واذا الصّحف نشرت (۱۰) واذا السماء کشطت (۱۱) واذا الجحیم سُعّرت (۱۲) واذا الجنۃ اُزلفت۔ یعنی (۱) جب سُورج لپیٹا جائیگا۔ (۳) واذا الجبال سیّرت۔ اور جب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹائے جائینگے یعنی ایسے سامان نکل آئینگے۔ کہ ان کے ذریعہ سے پہاڑوں کو کاٹا جائیگا۔ اور ان کے اندر سُوراخ کر دئے جائینگے (۴) واذا العشار عطّلت۔ اور جب دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائینگی۔ یعنی ایسا زمانہ آجائیگا۔ کہ نئی سواریوں کیوجہ سے اونٹوں کی وہ قدر نہ رہیگی۔ جو آب ہے (۵) واذا الوحوش حشرت۔ اور جب دینی علوم سے لوگوں کو ناواقفیت ہوگی اور وہ مثل وحشیوں کے ہو جائینگے۔ اور اسی طرح وہ اقوام جو پہلے وحشی سمجھی جاتی تھیں جیسے یُورپ کے باشندے کہ آج سے چھ سات سَو سال قبل جسوقت ایشائی لوگ نہایت مہذب اور ترقی یافتہ تھے۔ یہ لوگ ننگے پھرتے تھے۔ دُنیا میں پھیلا دئے جائینگے اور دُنیا کی حکومتوں پر قابض ہو جائینگے۔ اور یہ بھی کہ اس زمانہ میں کچھ وحشی اقوام ہلاک کر دی جائینگی۔ کہ ان کا نام ہی باقی رہ جائیگا۔ اور یہ عربی زبان کا محاورہ ہے کہ کہتے ہیں حشر الوحوش ای اھلکت۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہوا ہے کہ آسٹریا اور امریکہ کے اصلی باشندے کہ انکو کہتے بھی وحشی ہی ہیں۔ آہستہ آہستہ اسطرح ہلاک کر دئے گئے ہیں۔ کہ اب اُن اقوام کا ان میں نشان تک نہیں ملتا ؏

پھر فرمایا کہ (۶) واذا البحار سجّرت۔ جب دریاؤں کو پھاڑا جائیگا۔ اور انمیں سے نہریں نکالی جائینگی اور (۷) واذا النفوس زوّجت۔ اور جب لوگ آپسمیں جمع کر دئے جائینگے۔ یعنی آپس کے تعلقات کے ایسے سامان نکل آئینگے۔ کہ دُور دُور کے لوگ آپسمیں ملا دئے جائینگے۔ جیسے آلۂ ٹیلیفون [illegible] ہیں۔ کہ ہزاروں میل کے لوگوں کو آپسمیں ملا کر [illegible] کروا دیتے ہیں۔ یا ریل اور تار اور

ڈاک کے انتظام ہیں کہ ساری دُنیا کو اُنہوں نے ایک شہر بنا دیا ہے (۸) واذا الموءدۃ سئلت بایّ ذنبٍ قتلت۔ اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکیاں یا عورتیں پُوچھی جائینگی یعنی مذہبی طور پر انسان کا زندہ گاڑ دینا خواہ جائز ہو مگر قوانین حکومت اس کی اجازت نہ دینگے۔ اور صرف مذہبی جواز کا فتوٰی پیش کر دینا قبول نہ کیا جائیگا۔ جیسے کہ اس سے پہلے زمانوں میں ہوتا چلا آیا ہے۔ (۹) واذا الصّحف نشرت۔ اور جبکہ کتب اور اخبارات اور رسالہ جات پھیلائے جائینگے۔ جیسا کہ آجکل ہے۔ کہ اخبارات اور کتب کی کثرت کو دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے (۱۰) واذا السماء کشطت۔ اور جب آسمان کا چھلکا اُتارا جائیگا۔ یعنی آسمانی علوم کا ظہور ہوگا۔ علم ہیئت کی ترقی کے ذریعہ سے بھی۔ اور علوم قرآنیہ کے اظہار اور اشاعت کے ذریعہ سے بھی (۱۱) واذا الجحیم سُعّرت۔ جب دوزخ بھڑکا دی جائیگی یعنی نئے نئے علوم ایجاد ہونگے جنکی وجہ سے لوگوں کو دین سے نفرت ہو جائیگی۔ اور دلوں سے ایمان نکل جائیگا۔ اور عیش و عشرت کے سامانوں کی کثرت سے بھی لوگوں میں فساد پیدا ہو جائیگا (۱۲) واذا الجنّۃ اُزلفت۔ اور جب جنّت قریب کر دی جائیگی یعنی اس زمانہ میں خدا تعالٰی کا فضل بھی جوش میں آئیگا۔ اور جنت بھی قریب کر دی جائیگی یعنے جب فساد اور شرارت بڑھ جائیگی۔ اور بے دینی ترقی کر جائیگی۔ اسوقت اللہ تعالٰی اپنی طرف سے ایسا سامان کر دیگا۔ کہ لوگوں کے ایمان تازہ ہوں۔ اور دین کی خوبی ظاہر ہو جائے۔ اور اُن کاموں کا کرنا لوگوں کے لئے آسان ہو جائے۔ کہ جن کے کرنے پر جنّت ملتی ہے ؏

اب آپ غور کر کے دیکھ لیں کہ کیا یہ سب نشانیاں اس زمانہ کی نہیں ہیں۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان علامات کو قیامت یا کسی اور زمانہ پر لگایا جائے۔ صرف اذا الشمس کوّرت اور اذا النجوم انکدرت کے الفاظ سے دھوکا کھا کر یہ خیال کر لینا کہ یہ باتیں قیامت کو ہونگی۔ کب جائز ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس کی باقی آیات کا قیامت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ قیامت کو دس مہینہ کی گابھن اُونٹنیاں بھلا کیوں چھوڑی جائینگی؟ اگر کہا جائے کہ گھبرا کر تو اس کا جواب یہ ہے کہ اونٹنی کا کیا ذکر ہے اسوقت تو باپ۔ ماں۔ بیٹا۔ بیٹی۔ بیوی۔ بھائی۔ بہن سب کچھ چھوڑ دیگا۔ ایسے اعلٰی تعلقات جسوقت ٹوٹ جائیں گے۔ اسوقت کے ذکر میں اونٹنی کے چھوڑ دینے کا ذکر بے محل ہو جاتا ہے اسی طرح سوال پیدا ہوتا ہے کہ وحشی کیوں اکٹھے کئے جائینگے۔ دریاؤں میں سے اُسوقت نہریں کیوں

نکالی جائینگی۔ یا یہ کہ دریا آپسمیں کیوں ملائے جائینگے۔ اور موؤدہ کے متعلق اسوقت کیوں سوال ہوگا اعمال کے متعلق پرسش تو فنا کے بعد حشر اجساد کے دن ہوگی۔ نہ کہ جسوقت کارخانہ عالم درہم برہم ہورہا ہوگا۔ اسی طرح ان آیات کے مابعد بھی ایسی باتوں کا ذکر ہے۔ جو ثابت کر رہی ہیں کہ اسی دُنیا میں یہ سب کچھ ہونیوالا ہے۔ جیسے واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفّس۔ اور رات کی قسم جبکہ وہ جاتی رہیگی۔ اور صبح کی قسم جبکہ وہ سانس لیگی یعنی طلوع ہونے لگیگی۔ اور جبکہ شروع سُورۃ میں اذا الشمس کوّرت آچکا ہے۔ اگر اس سورۃ میں قیامت کا ہی ذکر ہو۔ تو سُورج کے لپیٹے جانے کے بعد رات کس طرح چلی جائیگی۔ اور صبح کس طرح نمودار ہونے لگیگی غرض ان باتوں کا جو اس سورۃ میں بیان ہوئی ہیں۔ قیامت کے ساتھ کچھ بھی تعلّق نہیں۔ ہاں اس زمانہ کے حالات کے یہ بالکل مطابق ہیں۔ اور گویا اسوقت کا پُورا نقشہ ان میں کھینچ دیا گیا ہے۔ پس درحقیقت اس زمانہ کی خرابیوں اور مادی ترقیوں اور گناہوں کی کثرت۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کی اس سورۃ میں خبر دی گئی تھی جس کو پڑھ کر مومن کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اور سب شکوک و شبہات ہوا ہو جاتے ہیں ؛

یہ ایک مثال مَیں نے اُن اخبار کی دی ہے۔ جو اس زمانہ کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں اور جنکو حضرت اقدسؑ نے خود بیان فرمایا ہے یا جنکو آپؑ کے بتلائے ہوئے اصُول کے ماتحت آپکے خدام نے قرآنِ کریم سے اخذ کیا ہے۔ ورنہ اس زمانہ کے مفاسد اور حالات کی خبریں اور ان کے علاج قرآن کریم میں اس کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ کہ انکو دیکھ کر سخت سے سخت دشمن بھی یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ قرآن کریم خدا کی کتاب ہے۔ جس سے ماضی۔ حال اور مستقبل کسی زمانہ کے بھی حالات پوشیدہ نہیں مگر انکے بیان کرنے سے اصل مضمون رہ جائیگا۔ اور یہ مکتوب بہت زیادہ لمبا ہو جائیگا ؛

دوسرا اصُولی علم جو قرآن کے متعلق آپؑ کو دیا گیا۔ یہ ہے۔ کہ قرآن کریم میں کوئی دعویٰ بلا دلیل بیان نہیں کیا جاتا۔ اس اصل کے قائم کرنے سے اس کے علوم کے انکشاف کے لئے ایک نیا دروازہ کھُل گیا۔ اور جب اس کو مدّنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم پر غور کیا گیا۔ تو معلوم ہؤا کہ وہ ہزاروں باتیں جو اس سے پہلے بطور دعویٰ کے سمجھی جاتی تھیں۔ اور ان کی دلیل یہ سمجھ لی گئی تھی کہ خدا نے

کہا ہے۔ اِسلئے مان لو۔ وہ سب اپنے دلائل اپنے ساتھ رکھتی تھیں۔ اس دریافت کا یہ نتیجہ ہؤا۔ کہ فطرت انسانی جو علوم کی ترقی کیوجہ سے اس زبردستی کی حکومت کا جُوا اُتار کر پھینکنے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ عقلی طور پر تسلی پا کر نہایت جوش اور خروش سے قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصُول سے لپٹ گئی۔ اور قرآن کریم کی باتوں کے ماننے میں بجائے ایک بوجھ محسوس ہونے کے فرحت حاصل ہونے لگی۔ اور محسوس ہونے لگا کہ قرآن کریم ایک طوق کے طور پر ہماری گردنوں میں نہیں ڈالا گیا بلکہ ایک واقف کار رہنما کی مانند ہمارے ہمراہ کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات کے وہ زبردست ثبوت آپؑ نے قرآن کریم سے پیش کئے کہ جنکو موجودہ سائنس رد نہیں کرسکتی۔ اور جنکے اثر سے تعلیمیافتہ دہریوں کی ایک جماعت واپس خدا پرستی کی طرف آرہی ہے ؛

اِسی طرح ملائکہ پر جو اعتراض ہوتے تھے۔ انکے جواب قرآن کریم سے دئے۔ نبوّت کی ضرورت اور نبیوں کی صداقت کے دلائل قرآن کریم سے بیان کئے۔ قیامت کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کیا۔ اعمال صالحہ کی ضرورت اور انکے فوائد۔ اور نواہی کے خطرناک نتائج اور ان سے بچنے کی ضرورت یہ سب مسائل اور انکے سوا باقی اور بہت سے مسائل کے متعلق آپؑ نے قرآن کریم ہی کے ذکر کردہ عقلی اور نقلی دلائل بیان کر کے ثابت کر دیا۔ کہ قرآن کریم پر علوم جدیدہ کی دریافت کا کوئی خراب اثر نہیں پڑسکتا۔ کیونکہ آپ نے بتایا۔ کہ یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ خدا کا فعل اور اس کا قول مخالف ہوں۔ جو کلام اسکے فعل کے مخالف ہے۔ وہ اس کا کلام ہی نہیں۔ اور جو اس کا کلام ہے۔ وہ اس کے فعل کے مخالف نہیں ہوسکتا ؛

ان علوم کے بیان کرنے کا نتیجہ یہ ہؤا کہ اسوقت صرف آپؑ ہی کی جماعت ہے۔ جو ایک طرف تو علوم جدیدہ کی تحصیل میں پُوری طرح لگی ہوئی ہے۔ اور دوسری طرف سیاسی ضرورت یا نسلی تعصب کیوجہ سے نہیں۔ بلکہ سچّے طور پر۔ تقلیدی طور پر نہیں۔ بلکہ علیٰ وجہ البصیرت اسلام کے بیان کردہ تمام عقائد پر یقین رکھتی ہے۔ اور ان کی صداقت کو ثابت کرسکتی ہے۔ باقی جسقدر جماعتیں ہیں۔ وہ ان علوم سے بے بہرہ ہونے کیوجہ سے یا تو علوم جدیدہ کی تکذیب کر کے اور ان کے حصُول کو کفر قرار دیکر اپنے خیالی ایمان کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں یا پھر ان کے اثر سے متاثر ہو کر دین کو عملاً چھوڑ بیٹھی ہیں۔ یا ظاہر میں لوگوں کے خوف سے اظہار اسلام کرتی ہیں مگر دلمیں سوفسطائی قسم

کے شکوک اور شبہات اسلامی تعلیم کے متعلق رکھتی ہیں ؛

تیسرا اُصولی علم قرآن کریم کے متعلق آپؑ کو یہ دیا گیا ہے۔ کہ انسانی عقل کوئی شبہ یا وسوسہ قرآن کریم کی تعلیم کے متعلق پیدا کرے اس کا جواب قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ اور آپؑ نے اس مضمون کو اس وسعت سے بیان کیا ہے۔ کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہر قسم کے وساوس اور شکوک کا جواب آپؑ نے قرآن کریم سے دیا ہے۔ اور اس طرح نہیں کہ کہدیا ہو کہ قرآن کریم اس خیال کو رد کرتا ہے۔ اس لئے یہ خیال مردود ہے۔ بلکہ ایسے دلائل کے ذریعہ سے جو کو بیان تو قرآن کریم نے کئے ہیں۔ مگر ہیں عقلی اور علمی جن کو ماننے پر ہر مذہب و ملت کے لوگ مجبور ہیں ؛

چوتھا اصولی علم قرآن کریم کے متعلق آپؑ کو یہ دیا گیا ہے۔ کہ اس سے پہلے لوگ عام طور پر یہ تو بیان کرتے تھے۔ کہ قرآن کریم سب کتب سے افضل ہے۔ مگر یہ کسی نے ثابت نہ کیا تھا۔ کہ کتب مقدسہ یا دوسری تصانیف پر اسے کیا فضیلت حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے نظیر ہے اور بے مثل ہے۔ اس مضمون کو آپؑ نے قرآن کریم ہی کے بیان کردہ دلائل سے اس وسعت سے ثابت کیا ہے۔ کہ بے اختیار انسان کا دل قرآن کریم پر قربان ہونے کو چاہتا ہے۔ اور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے کو چاہتا ہے جس کے ذریعہ سے یہ تعلیم ہمیں ملی ؛

پانچواں اُصولی علم جو آپؑ کو دیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ قرآن ذوالمعانی ہے۔ اس کے کئی بطون ہیں اسکو جس عقل اور جس فہم کے آدمی پڑھیں انہیں انکی سمجھ اور انکی استعداد کے مطابق سچی تعلیم موجود ہے۔ گویا الفاظ ایک ہیں لیکن مطالب متعدد ہیں اگر معمولی عقل کا آدمی پڑھے۔ تو وہ اس میں ایسی موٹی موٹی تعلیم دیکھیگا جس کا ماننا اور سمجھنا اس کیلئے کچھ بھی مشکل نہ ہوگا۔ اور اگر متوسط درجہ کے علم کا آدمی اس کو پڑھیگا۔ تو وہ اپنے علم کے مطابق اس میں مضمون پائیگا۔ اور اگر اعلیٰ درجہ کے علم کا آدمی اس کو پڑھیگا۔ تو اپنے علم کے مطابق اس میں علم پائیگا۔ غرض یہ نہ ہوگا کہ کم علم لوگ اس کتاب کا سمجھنا اپنی عقل سے بالا پائیں۔ یا اعلیٰ درجہ کے علم کے لوگ اس کو ایک سادہ کتاب پائیں اور اسمیں اپنی دلچسپی اور علمی ترقی کا سامان نہ دیکھیں ؛

چھٹا اصولی علم آپؑ کو قرآن کریم کے متعلق یہ دیا گیا کہ قرآن کریم علاوہ روحانی علوم کے ان ضروری علوم کا بھی بیان کرتا ہے جن کا معلوم ہونا انسان کے لئے ضروری ہے اور

ان علوم کا انکشاف زمانہ کی ترقی کیساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے تاکہ ہر زمانہ کے لوگوں کا ایمان تازہ ہو۔

ساتواں اصُولی علم آپؑ کو یہ دیا گیا کہ تفسیر قرآن کریم کے متعلق آپؑ کو وہ اصول سمجھائے گئے کہ جنکو مدّنظر رکھکر انسان تفسیر قرآن کریم میں غلطی کھانے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور جن کی مدد سے انسان پر نئے سے نئے علوم کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور ہر دفعہ قرآن کریم کا مطالعہ اس کے لئے مزید لذت اور سرور کا موجب ہوتا ہے ؛

آٹھواں اُصولی علم آپؑ کو قرآن کریم کے متعلق یہ دیا گیا۔ کہ قرآن سے تمام رُوحانی ترقیات کے مدارج آپؑ کو سکھائے گئے۔ اور جو علوم اس سے پہلے لوگ اپنی عقل سے دریافت کر رہے تھے۔ اور بعض دفعہ غلطی کھا جاتے تھے۔ ان کے متعلق آپؑ کو قرآن کریم سے علم دیا گیا۔ اور سمجھایا گیا۔ کہ تمام رُوحانی حالتیں ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک قرآن کریم نے ترتیب وار بیان کی ہیں۔ جن پر چل کر انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ثمرات ایمان بھی کھاتا جاتا ہے۔ یہ بات پہلے لوگوں کو میسّر نہ تھی۔ کیونکہ وہ قرآن کریم کی مختلف آیات سے تو استدلال کرتے تھے۔ مگر سب مدارج رُوحانیہ یکجائی طور پر ان کو قرآن کریم سے معلوم نہ تھے ؛

نواں اصُولی علم آپؑ کو یہ دیا گیا کہ قرآن کریم تمام کا تمام کیا سُورتیں اور کیا آیتیں سب کا سب خاص ترتیب کے ساتھ اترا ہوا ہے۔ اس کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک جملہ اپنی صحیح جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ اور ایسی اعلیٰ درجہ کی ترتیب اسمیں پائی جاتی ہے۔ کہ دوسری کتب کی ترتیب اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ کیونکہ دیگر کتب کی ترتیب میں صرف ایک ہی بات مدّنظر رکھی جاتی ہے کہ مناسب مضامین یکے بعد دیگرے آجائیں۔ لیکن قرآن کریم کی ترتیب میں یہ خصوصیّت ہے۔ کہ اسمیں مضامین کی ترتیب نہ صرف مضامین کے لحاظ سے ہے۔ بلکہ ایسی طرز سے ہے کہ مختلف جہات سے اس کی ترتیب قرار دی جا سکتی ہے۔ یعنی اگر مختلف مطالب کو مدنظر رکھا جائے۔ تو ہر مطلب کے لحاظ سے اس کے اندر ترتیب پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی ایک تفسیر کریں۔ تو ترتیب قائم رہے۔ اور دوسری تفسیر کریں۔ تو ترتیب میں خلل آجاوے۔ بلکہ جس قدر معنے اس کے صحیح اور مطابق اصُول تفسیر کے ہیں۔ ان سب کی رعایت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اور کوئی سے معنے لیکر اس کی تفسیر شروع کر دو۔ اس کی ترتیب میں فرق نہیں آئیگا۔ اور یہ ایسی

صفت ہے کہ کسی انسانی کلام میں نہیں پائی جاتی اور نہ پائی جا سکتی ہے ؛

دسواں اصولی علم آپؑ کو یہ دیا گیا ہے کہ قرآن کریم میں نیکیوں اور بدیوں کے مدارج بیان کئے گئے۔ یعنی یہ بتایا گیا ہے۔ کہ کون کون سی نیکی سے کون کون سی نیکی کی تحریک ہوتی ہے۔ اور کون کون سی بدی سے کون کون سی بدی پیدا ہوتی ہے۔ اس علم کے ذریعہ سے انسان اخلاق کی اصلاح میں عظیم الشان فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس تدریجی علم کے ذریعہ سے وہ بہت سی نیکیوں کو حاصل کر سکتا ہے جنکو وہ پہلے باوجود کوشش کے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور بہت سی بدیوں کو چھوڑ سکتا ہے۔ جن کو وہ باوجود بہت سی کوشش کے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ گویا قرآن کریم کا یہ عظیم الشان معجزہ آپؑ نے بتا دیا ہے۔ کہ اُسنے انسان کو نیکیوں اور بدیوں کے چشمے بتا دیئے ہیں۔ جہاں پہنچ کر وہ اپنی پیاس کو بجھا سکتا ہے یا تباہ کر دینے والے طوفان کو روک سکتا ہے ؛

گیارھواں اصولی علم آپؑ کو یہ دیا گیا۔ کہ سورہ فاتحہ قرآن کریم کے سب مضامین کا خلاصہ ہے اور باقی قرآن کے لئے بمنزلہ متن ہے۔ اور کل اصولی مسائل اس کے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ اور نہایت مفصل اور ضخیم تفاسیر آپؑ نے اس سورۃ کی شائع کیں۔ اور نہایت پُرلطف اور ایمان کو تازہ کرنیوالے مضامین اس سے اخذ کرکے تقسیم کئے۔ اس علم کے ذریعہ سے آپؑ نے حفاظت اسلام کے کام کو آسان کر دیا۔ کیونکہ ہر ایک بات جو مفصل ہیں سے انسان کی سمجھ میں نہ آئے۔ وہ اس مجمل پر نگاہ کرکے اس کو سمجھ سکتا ہے۔ اور صرف اسی سورۃ کو لیکر تمام دُنیا کے ادیان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور کل مدارج رُوحانی کو معلوم کر سکتا ہے ؛

یہ تو بعض امثلہ اصولی علوم کی مَیں نے بیان کی ہیں۔ انکے علاوہ بارھواں علم قرآن کریم کے متعلق آپؑ کو تفصیلی دیا گیا ہے جس کے مطابق مختلف آیات کے تراجم اور ان کے معارف جو آپؑ نے بیان کئے ہیں۔ اور ضروریات زمانہ کے متعلق جو ہدایات آپؑ نے قرآن کریم سے اخذ کی ہیں۔ ان کو اگر بیان کیا جائے۔ تو اسکے لئے کئی مجلد کتابیں چاہئیں۔ ان علوم کے چشموں نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ آپؑ کا اس مبدء فیض سے خاص تعلق ہے۔ جو علیم ہے۔ اور جس کی نسبت آتا ہے کہ ولا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الا بما شاء (بقرہ رکوع ۳۴) کیونکہ انسان کی طاقت سے بالکل باہر ہے۔ کہ وہ ایسے علوم کو اپنی عقل سے دریافت کر سکے۔ آپؑ کے بتائے ہوئے

علوم اور اُصول کے مطابق جب ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں۔ تو اس کے اندر علوم کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کا کنارہ نظر نہیں آتا ؛

آپؑ نے آیت لا یمسہ الا المطھرون کے مضمون کی طرف توجہ دلاکر بار بار اپنے مخالفوں کو توجہ دلائی۔ کہ اگر آپ لوگوں کے خیالات کے مطابق مَیں جھوٹا ہوں تو پھر وجہ کیا ہے کہ ایسے باریک در باریک علم مجھے عطا کئے جاتے ہیں۔ اور اپنے مخالفوں کو بار بار دعوت مقابلہ دی کہ اگر تم میں سے کوئی عالم یا شیخ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ تو میرے مقابلہ پر علوم قرآن کو ظاہر کرے۔ اور ایسا کیا جائے کہ ایک جگہ ایک ثالث شخص بطور قرعہ اندازی قرآن کریم کا کوئی ٹکڑا نکال کر دونو کو دے۔ اور اس کی تفسیر معارف جدیدہ پر مشتمل دونوں لکھیں۔ پھر دیکھا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ کس فریق کی مدد کرتا ہے مگر باوجود بار بار کہنے کے کوئی مقابلہ پر نہ آیا۔ اور آتا بھی کیونکر؟ کیونکہ آپؑ کا مقابلہ تو الگ رہا۔ علوم قرآن میں آپؑ کے خدام کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور قرآن کریم گویا اسوقت صرف ہمارا ہی ہے ؛

اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے مَیں آپؑ کی ایک فارسی نظم قرآن کریم کے متعلق درج کرتا ہوں جسمیں آپؑ نے علوم قرآنیہ کے متعلق لوگوں کو توجہ دلائی ہے :-

از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ | بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد | ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ
یُوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا | ویں یُوسفے کہ تنہا از چاہ بر کشیدہ
از مشرقِ معانی صد ہا دقائق آوردہ | قدِّ ہلالِ نازک زاں نازکی خمیدہ
کیفیتِ علومش دانی چہ شان دارد | شہدیست آسمانی از وحیِ حق چکیدہ
آں نیّرِ صداقت چوں رُو بعالم آورد | ہر بومِ شب پرستے در کُنجِ خود خزیدہ
روئے یقینِ نہ بیند ہرگز کسے بدُنیا | اِلّا کسے کہ باشد بارویش آرمیدہ
آں کس کہ عالمش شد شد مخزنِ معارف | واں بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ
باران فضلِ رحمٰن آمد بمقدمِ او | بد قسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویدہ
میلِ بدی نباشد اِلّا رگے ز شیطاں | آں را بشر بدانم کز ہر شرے رمیدہ

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی	تو نُورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ
میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس	زیرا کہ زاں فغاں رس نُورت بمارسیدہ

دسویں دلیل

دسویں دلیل آپ کی صداقت کی کہ وہ بھی درحقیقت سینکڑوں بلکہ ہزاروں دلائل پر مشتمل ہے یہ ہے۔ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت کثرت سے اپنے غیب پر مطلع کیا تھا۔ پس معلوم ہوا۔ کہ آپ خدا کے فرستادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔ ولا یظھر علٰی غیبہٖ احدًا الا من ارتضٰی من رسول (سورہ جن۔ رکوع ۲) یعنی وہ غیب پر کثرت سے اطلاع نہیں دیتا مگر اپنے رسولوں کو (اظھر علیہ کے معنے ہیں۔ اس کو اس پر غلبہ دیا) پس جس شخص کو کثرت سے اُمورِ غیبیہ پر اطلاع ملے اور اُس کی وحی مُصفّا پانی کی طرح ہو۔ جو ہر قسم کی کدورت سے پاک ہو۔ اور روشن نشان اس کو دئے جاویں۔ اور عظیم الشان اُمور پر اُسے قبل از وقت آگاہ کیا جائے وہ خدا تعالیٰ کا مامور ہے۔ اور اس کا انکار کرنا گویا قرآن کریم کا انکار کرنا ہے۔ جس نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے۔ اور سب نبیوں کا انکار کرنا ہے۔ جنہوں نے اپنی صداقت کے ثبوت میں ہمیشہ اس امر کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ بائبل میں بھی آتا ہے کہ جھوٹے نبی کی علامت یہ ہے کہ جو بات وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کہے۔ وہ پُوری نہ ہو:

اِس معیار کے ماتحت جب ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دعویٰ کو دیکھتے ہیں۔ تو آپ کی سچائی ایسے دن کی طرح نظر آتی ہے۔ کہ جس کا سُورج نصف النہار پر ہو۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت اور اس تواتر کے ساتھ غیب کی خبریں ظاہر کیں۔ کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اور کسی نبی کی پیشگوئیوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ ان کی تعداد اِس قدر بڑھی ہوئی ہے۔ کہ اگر ان کو تقسیم کیا جائے۔ تو کئی نبیوں کی نبوت ان سے ثابت ہوجائے میں ان اخبارِ غیبیہ میں سے بارہ بطور مثال کے پیش کرتا ہوں:۔

پیشگوئیاں جو آپ نے کیں۔ بیسیوں اقسام کی تھیں بعض سیاسی اُمور کے متعلق تھیں بعض

اجتماعی اُمور کے متعلق تھیں بعض تغیراتِ جو کے متعلق تھیں بعض مذہبی اُمور کے متعلق تھیں بعض دماغی قابلیتوں کے متعلق تھیں بعض نسلی ترقی یا قطع نسل کے متعلق تھیں بعض تغیرات زمینی کے متعلق تھیں بعض تعلقات دُوَل کے متعلق تھیں بعض تعلقات رعایا و حکام کے متعلق تھیں بعض اپنی ترقیات کے متعلق تھیں۔ بعض دُشمنوں کی ہلاکت کے متعلق تھیں۔ بعض آیندہ حالات دُنیا کے متعلق تھیں غرض مختلف انواع و اقسام کے اُمور کے متعلق تھیں۔ کہ ان کی اقسام ہی ایک لمبی فہرست میں بیان کی جاسکتی ہیں:

اَب میں ذیل میں بارہ پیشگوئیاں آپ کی جو پُوری ہوچکی ہیں۔ بیان کرتا ہوں۔ اور سب سے پہلے اس پیشگوئی کا ذکر کرتا ہوں۔ جو افغانستان ہی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے:

پہلی پیشگوئی

صاحبزادہ عبداللطیف شہید و مولوی عبدالرحمن صاحب شہید کی شہادت اور واقعات مابعد کے متعلق

اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ اور ان غلطیوں کے بدنتائج سے محفوظ رکھے جن کے ارتکاب میں آپ کا کوئی دخل نہ تھا۔ آج سے چالیس سال پہلے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو الہام میں بتایا گیا تھا۔ کہ شاتان تذبحان وکُلّ من علیھا فان۔ یعنے دو بکرے ذبح کئے جاوینگے اور ہر ایک جو اس زمین پر بستا ہے۔ فنا ہوجائیگا۔ علم التعبیر کے مطابق شاۃ کی دو تعبیریں ہوسکتی ہیں۔ ایک تو عورتیں اور دوسرے نہایت مطیع اور فرمانبردار رعایا۔ چونکہ عورتوں کے معنوں کیساتھ اگلے فقرہ کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ عورتوں کا ذبح ہونے سے کم ہی تعلق ہوتا ہے زیادہ تر جان دینے والے مرد ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے زیادہ تر قرین قیاس اس کے یہی معنے ہوسکتے ہیں۔ کہ دو آدمی جو اپنے بادشاہ کے نہایت فرمانبردار اور مطیع ہونگے۔ باوجود اس کے کہ انھوں نے کوئی جُرم اپنے بادشاہ کا نہ کیا

ہوگا اور اس کا کوئی قانون نہ توڑا ہوگا اور سزائے قتل کے مستحق نہ ہونگے۔ قتل کئے جاوینگے اور اس کے بعد اس ملک پر ایک عام تباہی آوے گی۔ اور بلائیں آسمان سے برسیں گی اور زمین سے اُبلیں گی ۔

اس پیشگوئی میں گو ملک وغیرہ کا پتہ نشان نہیں دیا گیا تھا مگر اس کی عبارت سے یہ ضرور معلوم ہوتا تھا کہ اول تو یہ واقعہ انگریزی علاقہ میں نہیں ہوگا۔ بلکہ کسی ایسے ملک میں ہوگا کہ جہاں عام ملکی قانون کی اطاعت کرتے ہوئے بھی لوگوں کے غصہ اور ناراضگی کے نتیجہ میں انسان قتل کئے جا سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ مقتول الہام کے پیروؤں میں سے ہونگے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو۔ تو پھر اسکو صرف دو مقتولوں کے متعلق خبر دینے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ تیسری یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ قتل ناواجب ہوگا کسی سیاسی جرم کے متعلق نہ ہوگا۔ چوتھے یہ کہ اس ناواجب فعل کے بدلہ میں اس ملک پر ایک عام تباہی آوے گی ۔

یہ چاروں باتیں ملکر اس پیشگوئی کو معمولی پیشگوئیوں سے بہت بالا کر دیتی ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ چونکہ اس میں ملک کی تعیین نہیں۔ اس لئے یہ پیشگوئی مبہم ہے۔ ان چار باتوں کا یکجا طور پر پورا ہونا پیشگوئی کی عظمت کو ثابت کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ چاروں باتیں اتفاقی طور پر جمع نہیں ہو سکتیں ۔

اس پیشگوئی کے بعد قریباً بیس سال تک کوئی ایسے آثار نظر نہ آئے جن سے کہ یہ پیشگوئی پوری ہوتی معلوم ہو مگر جبکہ قریباً بیس سال اس الہام پر گذر گئے۔ تو ایسے سامان پیدا ہونے لگے۔ جنھوں نے اس پیشگوئی کو حیرت انگیز طور پر پورا کر دیا۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض کتب کوئی شخص افغانستان میں لے گیا اور وہاں سے ایک عالم جو حکومت افغانستان میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اور بڑے بڑے حکام اُن کا تقویٰ اور دیانت دیکھ کر ان سے اخلاص رکھتے تھے اس نے ان کو وہ کتب دیں آپ نے ان کتابوں کو پڑھ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ حضرت اقدس راستباز اور صادق ہیں اور اپنے ایک شاگرد کو مزید تحقیقات کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی اجازت دی کہ وہ اُن کی طرف سے بیعت بھی کر آئے اس شاگرد کا نام مولوی عبدالرحمن تھا انھوں نے قادیان آکر خود بھی بیعت کی اور مولوی عبداللطیف صاحب کیطرف سے بھی بیعت کی اور پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی کتب لیکر واپس افغانستان کو چلے گئے اور ارادہ کیا کہ پہلے کابل جاویں۔ تاکہ وہاں اپنے بادشاہ تک بھی اس دعوت کو پہنچا دیں ۔

ان کے کابل پہنچنے پر بعض کوتہ اندیش بدخواہان حکومت نے امیر عبدالرحمن خان صاحب کو ان کے خلاف اُکسایا اور کہا کہ یہ شخص مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج اور واجب القتل ہے اور ان کو دعوکا دیکر ان کے قتل کا فتویٰ حاصل کیا۔ اور نہایت ظالمانہ طور پر ان کو قتل کر دیا اور وہ جو اپنے بادشاہ سے اسقدر پیار کرتا تھا۔ کہ پیشتر اس کے کہ اپنے وطن جاتا پہلے اپنے بادشاہ کے پاس یہ خوشخبری لیکر پہنچا۔ کہ خدا کا مسیح اور مہدی آگیا ہے۔ اسکی محبت اور اس کے پیار کا اُس کو یہ بدلا دیا گیا۔ کہ اُسے گردن میں کپڑا ڈال کر اور دم بند کر کے شہید کر دیا گیا مگر اس واقعہ میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ تھا۔ اُس نے قریب بیس سال پہلے دو وفادار افراد رعایا کی بلا کسی قانون شکنی کے قتل کئے جانے کی خبر دی ہوئی تھی اور اس خبر نے پورا ہو کر رہنا تھا۔ سو اس قتل کے ذریعہ سے ان دو شخصوں میں سے جن کے قتل کی خبر دی گئی تھی ایک قتل ہوگیا ۔

اس واقعہ کے ایک دو سال کے بعد صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید حج بیت اللہ کے ارادہ سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ چونکہ حضرت اقدس کی بیعت تو وہ کر ہی چکے تھے ارادہ کیا۔ کہ جاتے وقت آپ سے بھی ملتے جاویں۔ چنانچہ اس ارادہ سے قادیان تشریف لائے مگر یہاں آکر اس سے پہلے جو کتابوں کے ذریعہ سے سمجھا تھا۔ بہت کچھ زیادہ دیکھا اور صفائی قلب کی وجہ سے نور الٰہی کی طرف ایسے جذب کئے گئے۔ کہ حج کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ اور قادیان ہی رہ گئے۔ چند ماہ کے بعد واپس وطن کو گئے اور فیصلہ کر لیا۔ کہ اپنے بادشاہ کو بھی اس نعمت میں شریک کر دوں۔ جو مجھے ملی ہے۔ اور خوست پہنچتے ہی چار خط کابل کے چار درباریوں کے نام لکھے۔ ان خطوط کے کابل پہنچنے پر جناب کے والد امیر حبیب اللہ خان صاحب والی ریاست کابل کو لوگوں نے بھڑکایا۔ اور ہر قسم کے جھوٹے اتہام لگا کر ان کو اس بات پر آمادہ کر دیا۔ کہ وہ ان کو پکڑوا کر کابل بلوائیں۔ خوست کے گورنر کے نام حکم گیا۔ اور صاحبزادہ عبداللطیف کابل حاضر کئے گئے۔ امیر صاحب نے آپکو مُلانوں کے سپرد کیا جنھوں نے کوئی قصور آپکا ثابت نہ پایا۔ مگر بعض لوگ جن کو سلطنت کے مفاد کے مقابلہ میں اپنی ذاتی خواہشات کا پورا کرنا زیادہ مدنظر ہوتا

ہے۔ انھوں نے امیر حبیب اللہ خان صاحب کو بھڑکایا۔ کہ اگر اس شخص کو چھوڑ دیا گیا۔ اور لوگوں نے اس کا اثر قبول کر لیا۔ تو لوگوں کے دلوں میں جہاد کا جوش سرد پڑ جائیگا۔ اور حکومت کو نقصان پہنچیگا۔ اور ان کے سنگسار کئے جانے کا فتویٰ دیدیا گیا۔ امیر حبیب اللہ خان صاحب نے اپنے نزدیک انکی خیر خواہی سمجھ کے ان کو کئی دفعہ توبہ کرنے کیلئے کہا۔ مگر انھوں نے یہی جواب دیا کہ میں تو اسلام پر ہوں۔ توبہ کر کے کیا میں کافر ہو جاؤں میں کسی صورت میں بھی اس حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ جسے میں نے سوچ سمجھ کر قبول کیا ہے۔ جب ان کے رجوع سے بالکل مایوسی ہو گئی۔ تو ایک بڑی جماعت کے سامنے ان کو شہر سے باہر لے جا کر سنگسار کر دیا ۔

یہ وفادار اور اپنے بادشاہ کا جان نثار چند خود غرض اور مطلب پرست سازشیوں کی سازش کا شکار ہوا۔ اور انھوں نے امیر صاحب کو دھوکا دیا۔ کہ اس کا زندہ رہنا ملک کے لئے مُضر ہو گا۔ حالانکہ یہ لوگ ملک کے لئے ایک پناہ ہوتے ہیں۔ اور خدا انکے ذریعہ سے ملک کی بلائیں ٹالدیتا ہے انھوں نے بادشاہ کے سامنے یہ امر تو پیش کیا۔ کہ اگر یہ شخص زندہ رہا۔ تو لوگ جہاد کے خیال میں سُست ہو جائینگے۔ مگر یہ نہ پیش کیا کہ یہ شخص جس سلسلہ میں ہے اس کی یہ بھی تعلیم ہے۔ کہ جس حکومت کے ماتحت رہو اس کی کامل فرمانبرداری کرو۔ پس ایسی باتوں کی اشاعت سے افغانستان کی خانہ جنگیاں اور آپس کے اختلاف دُور ہو کر سارے کا سارا ملک اپنے بادشاہ کا سچّا جان نثار ہو جائیگا۔ اور جہاں اس کا پسینہ بہے گا وہاں اپنا خون بہانے کیلئے تیار ہو گا۔ اور یہ نہ بتایا۔ کہ جس سلسلہ سے یہ تعلق رکھتا ہے اسکی تعلیم ہے کہ خفیہ سازشیں نہ کرو۔ رشوتیں نہ لو۔ جھوٹ نہ بولو۔ اور منافقت نہ کرو۔ اور نہ صرف تعلیم دی جاتی ہے۔ بلکہ اس کی پابندی بھی کروائی جاتی ہے پس اگر اسکے خیالات کی اشاعت ہوئی۔ تو یک دم ملک کی حالت سُدھر کر ہر طرح کی ترقیات شروع ہو جائینگی۔ اسی طرح انہوں نے یہ نہ بتایا۔ کہ یہ اس جہاد کا مُنکر ہے۔ کہ بلا ان کی طرف سے مذہبی دست اندازی کے غیر اقوام پر حملہ کیا جائے۔ اور اسلام کو بدنام کیا جائے۔ نہ کہ اس حقیقی ربانی جہاد کا جو خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور نہ ان سیاسی جنگوں کا جو ایک قوم اپنی ہستی کے قیام کیلئے دوسری اقوام سے کرتی ہے۔ اس کا تو صرف یہ عقیدہ ہے کہ بغیر اس کے کہ غیر اقوام کیطرف سے مذہبی دست اندازی ہو۔ ان کیساتھ جہاد کے نام پر

جنگ نہیں کرنی چاہیئے۔ تا اسلام پر حرف نہ آئے۔ ہاں سیاسی فوائد کی حفاظت کے لئے اگر جنگ کی ضرورت پیش آئے۔ تو بیشک جنگ کریں۔ مگر اس کا نام جہاد نہ رکھیں۔ کیونکہ وہ فتح جس کے لئے اسلام کی نیک نامی کو قربان کیا جائے۔ اس شکست سے بدتر ہے جسمیں اسلام کی عزّت کی حفاظت کر لی گئی ہو ۔

غرض بلا وجہ اور امیر حبیب اللہ خان صاحب کو غلط واقعات بتا کر سید عبد اللطیف صاحب کو شہید کرا دیا گیا۔ اور اس طرح الہام کا پہلا حصّہ مکمل طور پر پورا ہو گیا۔ کہ شاتان تذبحان اس جماعت کے دو نہایت وفادار اور اطاعت گذار آدمی باوجود ہر طرح بادشاہ وقت کے فرمانبردار ہونیکے ذبح کر دئے جائینگے۔ اور وہ حصّہ پُورا ہونا باقی رہ گیا کہ اس واقعہ کے بعد اس سرزمین پر عام تباہی آئیگی۔ اور اسکے پُورا ہونے میں بھی دیر نہیں لگی۔ ابھی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب کی شہادت پر ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا۔ کہ کابل میں سخت ہیضہ پھُوٹا۔ اور اس کثرت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ کہ بڑے اور چھوٹے اس مُصیبت ناگہانی سے گھبرا گئے۔ اور لوگوں کے دل خوف زدہ ہو گئے۔ اور عام طور پر لوگوں نے محسوس کر لیا۔ کہ یہ بلا اس سیّد مظلوم کی وجہ سے ہم پر پڑی ہے جیسا کہ ایک بے تعلق شخص مسٹر اے فرنک مارٹن جو کئی سال تک افغانستان کی حکومت میں انجینئر انچیف کے عہدہ پر ممتاز رہ چکے ہیں۔ اُنکی اس شہادت سے ثابت ہوتا ہے۔ جو انھوں نے اپنی کتاب مسمّٰی بہ "انڈر دی ابسولیٹ امیر" میں بیان کی ہے۔ یہ ہیضہ بالکل غیر مترقب تھا کیونکہ افغانستان میں ہیضہ کے پچھلے دوروں پر نظر کرتے ہوئے ابھی اور چار سال تک اس قسم کی وبا نہیں پھوٹ سکتی تھی۔ پس یہ ہیضہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص نشان تھا۔ جس کی خبر وہ اپنے مامور کو قریباً اٹھائیس سال پہلے دے چکا تھا۔ اور عجیب بات ہے۔ کہ اس پیشگوئی کی مزید تقویت کے لئے اس نے صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید کو بھی اس امر کی اطلاع دیدی تھی چنانچہ انہوں نے لوگوں سے کہدیا تھا۔ کہ میں اپنی شہادت کے بعد ایک قیامت کو آتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس ہیضہ کا اثر کابل کے ہر گھرانہ پر پڑا۔ جس طرح عوام الناس اسکے حملہ سے محفوظ نہ رہے۔ اُمرا بھی محفوظ نہ رہے۔ اور اُن گھرانوں میں بھی اُسنے ہلاکت کا دروازہ کھولدیا۔ جو ہر طرح کے حفظان صحت کے سامان مہیّا رکھتے تھے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے شہید سیّد کے سنگسار کرنے میں خاص حصّہ لیا

تھا۔ خاص طور پر پکڑے گئے۔ اور بعض خود مبتلا ہوئے۔ اور بعض کے نہایت قریبی رشتہ دار ہلاک ہوئے۔ غرض ایک لمبے عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا کلام لفظاً لفظاً پُورا ہوا۔ اور اُس نے اپنے قہری نشانوں سے اپنے مامور کی شان کو ظاہر کیا۔ اور صاحب بصیرت کے لئے ایمان لانے کا راستہ کھول دیا کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس قسم کی پیشگوئی کرنا کسی انسان کا کام ہے۔ کونسا انسان اس حالت میں جبکہ اسپر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔ یہ خبر شایع کر سکتا تھا کہ اسپر کسی زمانہ میں کثرت سے لوگ ایمان لے آئینگے حتیٰ کہ اس کا سلسلہ اسکے ملک سے نکلکر باہر کے ممالک میں پھیل جائے گا۔ اور پھر وہاں اسکے دو مُرید صرف اسپر ایمان لانیکی وجہ سے نہ کہ کسی اور جرم کے سبب سے شہید کئے جاوینگے اور جب ان دونوں کی شہادت ہو چکیگی۔ تو خدا تعالیٰ اس علاقہ پر ایک ہلاکت نازل کریگا۔ جو ان کے لئے قیامت کا نمونہ ہوگی۔ اور بہت سے لوگ اس سے ہلاک ہونگے۔ اگر بندہ بھی اس قسم کی خبریں دے سکتا ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کے کلام اور بندوں کے کلام میں فرق کیا رہا ۔

مَیں اسجگہ اس شبہ کا بھی ازالہ کر دینا پسند کرتا ہوں۔ کہ الہام میں تو لفظ کلّ من علیہا فان ہے۔ یعنی اس سرزمین کے سب لوگ ہلاک ہو جائینگے لیکن سب لوگ ہلاک نہ ہوئے کچھ لوگ ہلاک ہوئے اور بہت سے بچ گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان کے محاورہ میں کُلّ کا لفظ کبھی عمومیّت کے لئے اور کبھی بعض کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس لفظ کے معنے جمع کے ہی ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ مکھی کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ کلی من کل الثمرات۔ حالانکہ ہر مکھی سارے پھلوں کو نہیں کھاتی۔ پس اس کے معنے یہی ہیں۔ کہ پھلوں میں سے بعض کو کھا۔ اسی طرح ملکہ سبا کے متعلق فرماتا ہے:۔ و اوتیت من کلّ شیٔ۔ اسکو ہر ایک چیز دی گئی تھی۔ حالانکہ وہ دُنیا کے ایک نہایت مختصر علاقہ کی بادشاہ تھی۔ پس اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ دُنیا کی نعمتوں میں سے کچھ اسکو دی تھیں۔ ہاں یہ ضروری ہوتا ہے کہ جب کُل کا لفظ بولا جائے۔ تو وہ اپنے اندر ایک عمومیت رکھتا ہو۔ اور کل افراد میں سے ایک نمایاں حصہ اسمیں آجائے۔ اور یہ دونوں باتیں وبائے ہیضہ میں جو شہید مرحوم کی شہادت کے بعد کابل میں پڑا۔ پائی جاتی تھیں۔ ہر ایک جان اسکے خوف سے لرزاں تھی۔ اور ایک بڑی تعداد آدمیوں کی اسکے ذریعہ ہلاک ہوئی حتیٰ کہ ایک انگریز مصنف جو اس الہام کی حقیقت سے بالکل ناواقف تھا۔ اُسے بھی اپنی کتاب میں اس ہیضہ کا خاص طور پر اور نمایاں

کر کے ذکر کرنا پڑا ۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ الہام میں لفظ تُذْبحان کا ہے۔ مگر ان دونوں مقتولوں میں سے ایک کو گلا گھونٹ کر مارا گیا۔ اور دوسرے صاحب سنگسار کئے گئے پس یہ بات درست نہ نکلی۔ کہ دو آدمی ذبح کئے گئے۔ یہ اعتراض بھی قلّت تدبّر اور قلّتِ معرفت کا ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ذبح کے معنے عربی زبان میں ہلاک کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ خواہ کسی طرح ہلاک کیا جائے۔ اور قرآن کریم میں متعدد جگہ پہ یہ محاورہ استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں آتا ہے کہ یذبحون ابناءکم و یستحیون نساءکم۔ تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ فرعونی لوگ لڑکوں کو ذبح نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پہلے تو دائیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ بچّوں کو مار دیں مگر جب انھوں نے رحم دلی سے کام لیا۔ تو دریا میں پھینکنے کا حکم فرعون نے دیا (خروج باب آیت ۲۲ اور اعمال باب ۷ آیت ۱۹ و طالمود) تاج العروس میں ہے۔ الذبح الهلاك۔ ذبح کے معنے ہلاک کر دینے کے بھی ہوتے ہیں (جلد ۲ صفحہ ۱۴۱) پس یہ اعتراض کرنا درست نہ ہوگا کہ سیّد عبد اللطیف صاحب سنگسار کئے گئے تھے۔ ذبح نہیں کئے گئے۔ کیونکہ ذبح کا لفظ ہلاک کر دینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ خواہ کسی طریق پر ہلاک کیا جائے ۔

دوسری پیشگوئی

سلطنتِ ایران کا انقلاب

دوسری پیشگوئی جو میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کثیر التعداد پیشگوئیوں میں سے بیان کرنی چاہتا ہوں۔ وہ آپ کی ہمسایہ سلطنت یعنی ایران کے بادشاہ کے متعلق ہے پندرہ جنوری ۱۹۰۶ء کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو الہام ہوا کہ "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد"۔ یہ الہام حسب معمول سلسلہ کے اُردو اور انگریزی اخبارات و رسائل میں شائع کر دیا

گیا جسوقت یہ الہام شائع ہوا ہے۔ بادشاہ ایران کی حالت بالکل محفوظ تھی کیونکہ ۱۹۰۵ء میں باشندگان ملک کے مطالبات کو قبول کر کے شاہِ ایران نے پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کر دیا تھا۔ اور تمام ایران میں اس امر پر خوشیاں منائی جارہی تھیں۔ اور بادشاہ مظفرالدین شاہ قبولیت عامہ حاصل کر رہے تھے۔ ہر شخص اس امر پر خوش تھا کہ انھوں نے بلا کسی قسم کی خونریزی کے ملک کو حقوق نیابت عطا کر دیئے ہیں۔ باقی دُنیا بھی اس نئے تجربہ پر جو جاپان کو چھوڑ کر باقی ایشیائی ملک کے لئے بالکل جدید تھا۔ شوق و اُمید کی نظریں لگائے بیٹھی تھی۔ اور ان خطرناک نتائج سے ناواقف تھی۔ جو نیم تعلیمیافتہ اور ناتجربہ کار لوگوں میں اس قسم کی دو عملی حکومت رائج کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایسے وقت میں حضرت اقدس کا یہ الہام شائع کرنا کہ تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد دُنیا کی نظروں میں عجیب تھا۔ مگر خدا کیلئے وہ کام معمولی ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کو عجیب نظر آتے ہیں۔ ایران اپنی تازہ آزادی پر اور شاہ مظفرالدین اپنی قبولیت پر خوش ہی ہو رہے تھے کہ ۱۹۰۷ء میں کل پچپن سال کی عمر میں شاہ اس دُنیا سے رحلت کر گئے۔ اور اُن کا بیٹا مرزا محمد علی تخت نشین ہوا۔ گو محمد علی مرزا نے تخت پر بیٹھتے ہی مجلس کے استحکام اور نیابتی حکومت کے دوام کا اعلان کیا۔ لیکن چند ہی دن کے بعد دُنیا کو وہ آثار نظر آنے لگے۔ جن کی خبر حضرت مسیح موعودؑ کے الہام میں دی گئی تھی۔ اور حضرت اقدسؑ کے الہام کے ایک ہی سال بعد ایران میں فتنہ اور فساد کے آثار نظر آنے لگے۔ بادشاہ اور مجلس کی مخالفت شروع ہو گئی۔ اور مجلس کے مطالبات پر بادشاہ نے لیت و لعل کرنا شروع کر دیا۔ آخر مجلس کے زور دینے پر ان افراد کو دربار سے علیحدہ کرنیکا وعدہ کیا۔ جنکو مجلس فتنہ کا بانی سمجھتی تھی۔ مگر ساتھ ہی طہران سے جانیکا بھی ارادہ کر لیا۔ اس تغیر مکانی کیوقت کاسکوں کی فوج جو بادشاہ کی باڈی گارڈ تھی۔ اور قوم پرستوں کے حمائتیوں کے درمیان اختلافات ہو گیا۔ اور الہام ایک رنگ میں اس طرح پورا ہوا کہ ایران کا دارالمبعوثین توپخانوں سے اُڑا دیا گیا۔ اور بادشاہ نے پارلیمنٹ کو موقوف کر دیا۔ بادشاہ کے اس فعل سے ملک میں بغاوت کی عام رو پھیل گئی۔ اور لارستان۔ لابدجان۔ اکبرآباد بوشہر اور شیراز اور تمام جنوبی ایران میں علی الاعلان حکام سلطنت کو برطرف کر کے ان کی جگہ جمہوریت کے دلدادوں نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور

بادشاہ نے دیکھ لیا۔ کہ حالت نازک ہے۔ خزانہ اور اسباب رُوس کے ملک میں بھیجنا شروع کر دیا۔ پورا زور لگایا۔ کہ بغاوت فرو ہو مگر گھٹنے کی بجائے فساد بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ جنوری ۱۹۰۹ء میں اصفہان کے علاقہ میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی۔ اور بختیاری سردار بھی قوم پرستوں کے ساتھ مل گئے۔ اور شاہی افواج کو سخت شکست دی۔ بادشاہ نے ڈر کر حکومت نیابتی کی حفاظت کا عہد کیا۔ اور بار بار اعلان شائع کئے۔ کہ وہ استبدادی حکومت کو ہرگز قائم نہیں کریگا۔ مگر خدا کے وعدے کب ٹل سکتے تھے۔ ایوان کسریٰ میں گھبراہٹ بڑھتی گئی۔ اور آخر وہ دن آ گیا۔ کہ کاسک فوج جسپر بادشاہ کو ناز تھا۔ وہ بھی بادشاہ کو چھوڑ کر باغیوں سے مل گئی۔ اور بادشاہ اپنے حرم سمیت اپنے ایوان کو چھوڑ کر پندرہ جولائی ۱۹۰۹ء کو رُوسی سفارت گاہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ اور پورے اڑھائی سال کے بعد حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا الہام تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد۔ نہایت عبرت انگیز طور پر پورا ہوا۔ ایران سے استبدادیت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور جمہوریت کا نیا تجربہ جس کے نتائج خدا کو معلوم ہیں۔ شروع ہوا۔ جون اور جولائی کے مہینوں میں گھبراہٹ۔ خوف اور یاس کے بادل جو ایوان کسریٰ پر چھا رہے تھے۔ ان کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس قسم کے حالات کا مشاہدہ کر چکے ہوں۔ یا خدا تعالیٰ کیطرف سے انکو غیر معمولی قوت متخیلہ ملی ہو۔ مگر بہرحال صاحب بصیرت کے لئے یہ نشان حضرت اقدس کی سچائی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ مگر کم ہیں جو فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تیسری پیشگوئی

آتھم کے متعلق پیشگوئی جس سے دُنیا کے مسیحیوں پر عموماً اور ہندوستان کے مسیحیوں پر خصوصاً حجت پوری ہوئی

تیسری مثال پیشگوئیوں کی میں ان اخبار غیبیہ میں سے بیان کرتا ہوں۔ جو حضرت اقدس مسیح موعود نے مسیحی معاندین اسلام کے خلاف شائع کیں تاکہ مسیحی دُنیا پر حجت قائم ہو۔ اے بادشاہ! میں نہیں جانتا کہ آپ کو ان حالات سے واقفیت ہے یا نہیں کہ مسیحی منادا ور مبلغ مسلمانوں کے غلط عقاید اور

انکی بیان کردہ غلط روایات سے فائدہ اٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت سے سخت حملہ کرنے کے عادی ہیں۔ مگر انکے حملوں کی سختی آج سے تیس چالیس سال پہلے جس حد کو پہنچی ہوئی تھی اس کی مثال آجکل نہیں مل سکتی۔ ان لوگوں کی حد سے بڑھی ہوئی زبان درازی کو دیکھکر حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے نہایت زور سے ان کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ اور آخر آپ کے حملوں کی تاب نہ لاکر مسیحی حملہ آور اپنے مقام کو چھوڑ گئے۔ اور اب اس طرز تحریر کا نام نہیں لیتے۔ جو اسوقت انھوں نے اختیار کر چھوڑی تھی۔ ان لوگوں میں سے جو سخت گندہ دہانی سے کام لیتے تھے۔ ایک صاحب ڈپٹی عبداللہ آتھم بھی تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا۔ کہ مسلمانوں اور مسیحیوں نے حضرت اقدس علیہ السلام اور ان کے درمیان امرتسر میں مباحثہ کروا دیا۔ مباحثہ میں عبداللہ آتھم صاحب بہت کچھ ہاتھ پیر مارتے رہے مگر ان سے کچھ نہ بنا۔ اور اپنوں پرایوں میں ان کو بہت ذلّت نصیب ہوئی۔ چونکہ دوران مباحثہ میں معجزات کا بھی ذکر آیا تھا۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے نہ چاہا۔ کہ یہ مباحثہ بغیر کسی اعجاز کے خالی چلا جائے۔ اور آپ کو الہاماً بتایا گیا۔ کہ "اس بحث میں دونوں فریق میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا۔ اور اس کو سخت ذلّت پہنچیگی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔"

جب آخری پرچہ آپؑ کی طرف سے لکھا گیا۔ تو اسمیں آپ نے یہ پیشگوئی بھی شامل کر دی۔ اور لکھا۔ کہ اگر یہ پیشگوئی پوری ہو گئی تو اس سے ثابت ہوگا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جن کو تم نے اپنی کتاب اندرونہ بائبل میں نعوذ باللہ من ذٰلک دجّال لکھا ہے۔ خدا کے فرستادہ اور رسولؐ تھے۔

اس پیشگوئی میں یہ دو باتیں بتائی گئی تھیں۔ اوّل یہ کہ مسیح علیہ السلام کو خدا بنانیوالا فریق یعنے ڈپٹی آتھم پندرہ ماہ کے اندر اپنی ضد اور تعصّب کی وجہ سے اور بدگوئی کے سبب سے ہاویہ میں گرایا جاویگا۔ دوم یہ کہ اگر یہ فریق حق کیطرف رجوع کرے۔ اور اپنی بات پر پشیمان ہو۔ اور اپنی غلطی کو سمجھ جائے۔ تو اس صورت میں وہ اس عذاب سے بچایا جائیگا۔ اگر دوسرا فریق حق کیطرف رجوع نہ کرتا۔ اور اپنی ضد پر قائم رہتا۔ اور ہلاک ہو جاتا۔ تو پیشگوئی جھوٹی جاتی۔ اور اگر وہ

رجوع کرتا۔ اور اس پندرہ ماہ کے عرصہ میں مر جاتا۔ تو بھی پیشگوئی جھوٹی جاتی کیونکہ یہ پیشگوئی بتا رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آتھم کی عمر پندرہ ماہ سے زائد ہے۔ اسی صورت میں وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں مریگا جبکہ وہ ضد پر قائم رہے۔ ایک ادنیٰ غور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس پیشگوئی کی دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت کے دونوں پہلو پہلی صورت کے دونوں پہلوؤں سے زیادہ شاندار ہیں۔ کیونکہ پہلی صورت کے دو پہلو یہ تھے۔ کہ اگر آتھم ضد پر قائم رہا۔ تو پندرہ ماہ میں مر جائیگا۔ اور آتھم کا ضد پر قائم رہنا ایک طبعی امر تھا۔ کیونکہ وہ مسیحیوں کا ایک بڑا عالم تھا۔ متعدد کتب مسیحیت کی تائید میں اور اسلام کے خلاف لکھ چکا تھا۔ دُنیاوی حیثیت سے بھی نہایت معزز تھا۔ اور انگریزوں کے ساتھ اسکے بہت سے تعلقات تھے۔ اس عظیم الشان مباحثہ میں تمام پادریوں کو چھوڑ کر اسے مقابلہ کیلئے منتخب کیا گیا تھا۔ اور بڑے بڑے پادری اسکے مددگار اور نائب بنے تھے۔ پس ایسے شخص کی نسبت یہی خیال ہو سکتا ہے کہ اسکو مسیحیت پر کامل یقین تھا۔ اور یہ کہ وہ مسیحیت کی اسقدر تائید کرنے اور اس کا سب سے بڑا مناظر قرار پانے کے بعد مسیح کی خدائی کا ایک منٹ کے لئے بھی منکر نہ ہوگا۔ اور کبھی اسلام کی معجزانہ طاقت کا خیال اپنے دل میں نہیں آنے دیگا۔ اور یہ بات کہ اس صورت میں وہ پندرہ ماہ میں مر جاویگا۔ گو اپنی ذات میں شاندار ہے۔ مگر پھر بھی ایک پینسٹھ سال کی عمر کے آدمی کی نسبت شبہ کیا جا سکتا تھا کہ شاید اسکی عمر ہی پوری ہو چکی ہو مگر ان کے مقابلہ میں دوسری صورت کے دونوں پہلو زیادہ شاندار ہیں یعنی یہ کہ اگر وہ رجوع کریگا۔ تو پندرہ ماہ کے اندر ہاویۂ موت میں نہیں گرایا جاویگا۔ اس صورت کا پہلا پہلو بھی کہ آتھم رجوع کر لے اس بات سے کہ وہ اپنی ضد پر قائم رہے زیادہ شاندار ہے کیونکہ کسی انسان کی موت تو انسانوں کے ہاتھوں سے بھی آ سکتی ہے مگر کسی کو پندرہ ماہ تک زندہ رکھنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ پس اگر دوسری صورت پیشگوئی کی پوری ہوتی۔ تو وہ پہلی صورت کے پورا ہونیکی نسبت بہت شاندار ہوتی۔ اور خدا تعالیٰ جس کے آگے کوئی بات ناممکن نہیں۔ اس نے دوسرے پہلو کو ہی جو زیادہ مشکل تھا اختیار کیا یعنی اس نے اپنا رعب اس کے دل پر ڈالدیا۔ اور پہلا اثر اس پیشگوئی کا یہ ظاہر ہوا۔ کہ آتھم نے عین مجلس مباحثہ میں اپنے کانوں پر ہاتھ رکھکر کہا۔ کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دجّال نہیں کہتا ہے۔ اس پیشگوئی کے شائع ہونیکے بعد تمام ہندوستان کی نظریں اس طرف

لگ گئیں۔ کہ دیکھئے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پندرہ ماہ کا انتظار نہیں کروایا۔ اس پیشگوئی کے شایع کرنے کیوقت سے ہی آتھم کی حالت بدلنی شروع ہوگئی۔ اور اس نے مسیحیت کی تائید میں کتب و رسالہ جات لکھنے کا کام بالکل بند کر دیا۔ ایک مشہور مبلغ اور مصنف کا اپنے کام کو بالکل چھوڑ دینا اور خاموش ہو کر بیٹھ جانا معمولی بات نہ تھی۔ بلکہ بیّن دلیل تھی۔ اس امر کی کہ اس کا دل محسوس کرنے لگ گیا ہے۔ کہ اسلام سچا ہے۔ اور اس کا مقابلہ کرنے میں اُس نے غلطی کی ہے مگر خاموشی پر ہی اس نے بس نہ کی۔ بلکہ ایک رُوحانی ہاویہ میں گرایا گیا یعنی اس خیال کا اثر کہ اس نے اس مقابلہ میں غلطی کی ہے۔ اس قدر گہرا ہوتا چلا گیا کہ اسے عجیب عجیب قسم کے نظارے نظر آنے لگے۔ جیسا کہ اس نے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے بیان کیا کبھی تو اُسے سانپ نظر آتے جو اُسے کاٹنے کو دوڑتے۔ کبھی کُتّے اُسے کاٹنے کو دوڑتے اور کبھی نیزہ بردار لوگ اس کے خیال میں اُس پر حملہ آور ہوتے۔ حالانکہ نہ تو سانپ اور کُتّے اس طرح سدھائے جاسکتے ہیں۔ کہ وہ خاص طور پر عبداللہ آتھم کو جاکر کاٹیں۔ اور نہ ہندوستان میں اسلحہ کی عام آزادی ہے۔ کہ لوگ نیزے لیکر شہروں کی سڑکوں پر کھڑے رہیں۔ تاکہ عبداللہ آتھم کو مار دیں۔ درحقیقت یہ ایک ہاویہ تھی۔ جو اس پشیمانی کیوجہ سے جو اس کے دل میں مسیحیّت کی حمایت اور اسلام کے خلاف کھڑے ہونے کے متعلق پیدا ہو چکی تھی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بڑی ہاویہ کے بدلہ میں پیدا کی گئی تھی جس میں بصورت ضد پر قائم رہنے کے اس نے ڈالے جانا تھا۔ اگر فی الواقعہ اس کا ایمان مسیحیّت پر قائم رہتا۔ اور اسلام کو وہ اسی طرح جھوٹا سمجھتا جس طرح کہ پہلے جھوٹا سمجھتا تھا۔ تو کس طرح ممکن تھا۔ کہ وساوس اور خطرات کی اس جہنم میں پڑ جاتا۔ اور جانوروں اور کیڑوں تک کو اپنا دشمن سمجھ لیتا۔ اور خیالی سانپ اور کُتّے اُسے کاٹنے کو دوڑتے۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کو اپنے خلاف نہیں سمجھنے لگ گیا تھا۔ تو کیوں اُسے خدا کی تمام مخلوق اپنے خلاف کھڑی نظر آتی تھی۔ اور وہ مسیحیت کی قلمی اور زبانی ہر قسم کی مدد کا کام یک لخت ترک کر کے مختلف شہروں میں بھاگتا پھرا ؎

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام میں جو دوسری شق رجوع الی الحق کی بتائی تھی۔ اور جو کہ پہلی شق سے زیادہ مشکل تھی۔ وہ عجیب روشن طور پر پُوری ہوئی۔ اور آتھم کا دل مسیح کی خدائی

میں شک لانے لگ گیا۔ اور اسلام کی سچّائی کا نقش اس کے دل پر جم گیا۔ تب خدا تعالیٰ کی خبر کا دوسرا حصّہ بھی پُورا ہوا۔ یعنی باوجود اس کے کہ اُسے اندرونی خوف نے موت کے بالکل قریب کر دیا تھا۔ پندرہ ماہ تک زندہ رکھا گیا۔ تاکہ خدا کی بات پُوری ہو کہ اگر اُس نے رجوع کیا تو وہ بچایا جائے گا ؎

یہ ایک زبردست پیشگوئی تھی۔ جو لوگوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی تھی لیکن چونکہ اگر یہ خاموشی سے گذر جاتی۔ تو شاید کچھ مُدّت کے بعد لوگ کہدیتے کہ آتھم نے کوئی رجُوع نہ کیا تھا یہ آپ لوگوں کی بناوٹ ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کی مزید وضاحت کے لئے مسیحیوں اور مُسلمانوں میں سے ایک گروہ کو کھڑا کر دیا۔ جو ایک مسیحی کی حمایت میں شور کرنے لگے کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اور آتھم نہیں مرا۔ اسپر انکو بتایا گیا۔ کہ پیشگوئی کی ۲ صورتیں تھیں۔ ان میں سے دوسری صورت وضاحت سے پُوری ہوگئی ہے۔ مگر انھوں نے انکار کیا۔ اور کہا کہ آتھم نے ہرگز رجُوع نہیں کیا۔ اسپر آتھم کو حضرت اقدسؑ نے دعوت دی۔ کہ اس کے مسیحی اور مسلمان وکیل جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اگر سچ ہے۔ تو اُسے چاہیئے۔ کہ قسم کھا کر اعلان کرے۔ کہ اس کے دل میں اس عرصہ میں اسلام کی صداقت اور مسیحی عقائد کے باطل ہونیکے خیالات نہیں آئے۔ مگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ ہاں بلا قسم کے ایک اعلان کر دیا۔ کہ میں اب بھی مسیحی مذہب کو سچا سمجھتا ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ جس کا دلوں اور دماغوں پر تصرف ہے۔ اُس نے اُس کے انہی اعلانات میں اُس کے قلم سے یہ نکلوا دیا۔ کہ میں مسیح کو دوسرے مسیحیوں کی طرح خدا نہیں سمجھتا۔ اور جیسا کہ الہام کے الفاظ اُوپر نقل کئے گئے ہیں۔ پیشگوئی یہ تھی۔ کہ جو ایک بندہ کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ ہاویہ میں گرایا جاویگا۔ اور آتھم نے اقرار کیا۔ کہ وہ مسیح کو خدا نہیں سمجھتا۔ مگر پھر بھی اسپر زور دیا گیا۔ کہ اگر وہ فی الحقیقت ان ایّام میں اپنے مذہب کی سچّائی کے متعلق متردد نہیں ہوا۔ اور اسلام کی صداقت کا احساس اس کے دل میں نہیں پیدا ہوگیا تھا۔ تو وہ قسم کھا کر اعلان کر دے۔ کہ میں [illegible] انہی خیالات پر قائم رہا ہوں۔ جو اس سے پہلے میرے تھے۔ اگر وہ قسم کھا جائے۔ اور ایک سال تک اسپر عذاب الٰہی نہ آئے۔ تو پھر ہم جھوٹے ہونگے۔ اور یہ بھی لکھا کہ اگر آتھم قسم کھا جائے۔ تو اُسے ہم ایک ہزار روپیہ انعام

بھی دینگے۔ اس کا جواب آتھم نے یہ دیا۔ کہ اُس کے مذہب میں قسم کھانی جائز نہیں۔ حالانکہ انجیل میں حواریوں کی بہت سی قسمیں درج ہیں۔ اور مسیحی حکومتوں میں کوئی بڑا عہدہ دار نہیں جسے بغیر قسم کھانے کے عہدہ دیا جائے۔ یہانتک کہ بادشاہ کو بھی قسم دیجاتی ہے۔ ججوں کو بھی قسم دیجاتی ہے ممبران پارلیمنٹ کو بھی قسم دی جاتی ہے۔ عہدہ دارانِ سول و فوج کو بھی قسم دی جاتی ہے۔ اور عدالتوں میں گواہوں کو بھی قسم دی جاتی ہے۔ بلکہ مسیحی عدالتوں کا تو یہ قانون ہے کہ انھوں نے قسم کو صرف مسیحیوں کے لئے مخصوص کر دیا۔ سوائے مسیحیوں کے دوسروں سے وہ قسم نہیں لیتیں۔ بلکہ گواہی کے وقت یہ کہلواتی ہیں۔ کہ میں جو کچھ کہوں گا۔ خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہوں گا۔ پس جبکہ مسیحیوں کے نزدیک قسم صرف مسیحیوں کا حق ہے۔ تو اس کا یہ عذر بالکل نامعقول تھا اور صرف قسم سے بچنے کے لئے تھا۔ کیونکہ وہ ان ہیبت ناک نظاروں کو پہلے دیکھ چکا تھا جو اس کو یقین دلا رہے تھے۔ کہ اگر اُس نے قسم کھائی۔ تو وہ ہلاک ہو جائیگا۔ اس شخص کے قسم کھانے سے انکار کرنے کی حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحیوں میں کوئی بڑا[1] مذہبی عہدہ نہیں دیا جاتا۔ جب تک کہ اُمیدوار قسم نہیں کھا لیتا۔ اور پراٹسٹنٹ فرقہ کے پادریوں کو تو جس سے آتھم تعلق رکھتا تھا۔ [2]دو قسمیں کھانی پڑتی ہیں۔ ایک گرجا سے وفاداری کی۔ اور ایک حکومت سے وفاداری کی۔ جب اسکے سامنے یہ سب باتیں رکھی گئیں۔ تو پھر وہ بالکل ہی خاموش ہو گیا۔ ادھر سے انعام کی رقم ایک ہزار سے بڑھا کر آہستہ آہستہ چار ہزار تک کر دی گئی۔ اور یہ بھی کہا گیا۔ کہ سال بھر کا انتظار کئے بغیر ہی یہ رقم لے لو۔ اور قسم کھا جاؤ۔ مگر جبکہ اُس کا دل جانتا تھا۔ کہ وہ اپنی قوم سے ڈر کر اپنی اس حالت کو چھپا رہا ہے۔ جو پندرہ ماہ تک اُسکی رہی ہے۔ وہ قسم کیونکر کھا سکتا تھا۔ اُس نے قسم نہ کھائی پر نہ کھائی۔ اور خاموشی سے اپنے دن گذار دئے۔ اور اسلام کے خلاف کتابیں لکھنا یا زبانی مسیحیّت کی تبلیغ کرنا بالکل چھوڑ دیا۔ اور اسطرح اس پیشگوئی کی صداقت اور بھی واضح ہو گئی۔ اور گویا اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے دشمن سے مسیح کی خدائی کے عقیدہ سے رجوع کا تحریراً اقرار کرا لیا۔ اور اسلام کی صداقت کے متعلق جو اُس کے دل میں خیالات (حالانکہ اسی مباحثہ میں جس کے بعد پیشگوئی کی گئی ہے۔ اُس نے ایک پرچہ میں مسیح کی خدائی ثابت کی تھی۔ اور تمام صفات الٰہیّہ کو اس کی ذات میں ثابت کرنے کی

[1] و [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ؎

کوشش کی تھی) پیدا ہوئے تھے۔ ان کا اقرار اس سے اس کے رویّہ سے کروا دیا۔ جو قسم کے مطالبہ پر اس نے اختیار کیا ؎

یہ پیشگوئی اپنی عظمت اور شوکت میں ایسی ہے کہ ہر سعید الفطرت انسان اس کے ذریعہ سے ایمان میں ترقی حاصل کرتا ہے۔ اور خدا کے جلوہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ ایک اشد ترین مخالفِ اسلام اور ایک بڑی قوم کے سرکردہ ممبر کا جو دوسرے مذہب کے خلاف بطور مناظر کے پیش کیا گیا ہو۔ اور جس کی عمر اپنے مذہب کی تائید اور دوسرے مذہب کی مخالفت میں گذر گئی ہو۔ اس کے دل میں اپنے مذہب کی نسبت شکوک پیدا کر دینا اور دوسرے مذاہب کی صداقت کے خیالات پیدا کر دینا اور فوق العادت نظارے اس کو دکھانے اور تبدیلیٔ خیالات کے بدلہ میں مطابق پیشگوئی اُس کو پندرہ ماہ تک زندہ رکھنا انسانی طاقت سے بالکل باہر ہے ؎

چوتھی پیشگوئی

ڈوئی امریکہ کے مدعی کی نسبت پیشگوئی جو مسیحیوں کیلئے عموماً اور امریکہ کے باشندوں کیلئے خصوصاً حُجّت ہوئی

اَب مَیں ایک اور پیشگوئی جو وہ بھی مسیحیوں پر حُجّت قائم کرنے کیلئے کی گئی تھی۔ مگر اس میں زیادہ تر مغربی ممالک کے لوگوں پر حُجّت تمام کرنا مدّنظر تھا۔ بیان کرتا ہوں۔ الیگزنڈر ڈوئی امریکہ کا ایک مشہور آدمی تھا۔ یہ شخص اصل میں آسٹریلیا کا رہنے والا تھا۔ وہاں سے امریکہ چلا گیا۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں اُس نے مذہبی وعظ کہنے شروع کئے۔ اور جلدی ہی اس دعویٰ کی وجہ سے کہ اُسے بلا علاج کے شفا بخشنے کی طاقت ہے۔ اُس نے قبولیّت عامہ حاصل کرنی شروع کر دی۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں اُس نے یہ دعویٰ کیا۔ کہ وہ مسیح کی آمد ثانی کے لئے بطور ایلیاء کے ہے۔ اور اس کا راستہ صاف کرنے آیا ہے۔ چونکہ علاماتِ ظہور مسیح کے پُورا ہونے کی وجہ سے مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو مسیح کی آمد کا انتظار لگ رہا تھا۔ اس دعویٰ سے اُس کو بہت ترقی ہُوئی۔ اُس نے ایک زمین خرید کر اُسپر صیحوں نامی ایک شہر بسایا

اور اعلان کیا کہ مسیح اسی شہر میں اُترینگے۔ بڑے بڑے مالدار لوگوں نے سب سے پہلے مسیح کو دیکھنے کی غرض سے لاکھوں روپیہ کے خرچ سے زمین خرید کر وہاں مکان بنوائے! اور یہ اس شہر میں ایک بادشاہ کیطرح رہنے لگا۔ اس کے مُرید تھوڑے ہی عرصہ میں ایک لاکھ سے زیادہ بڑھ گئے اور تمام بلاد مسیحیہ میں اس کے مناد تبلیغ کے لئے مقرر کئے گئے۔ اس شخص کو اسلام سے سخت عداوت تھی! اور ہمیشہ اسلام کے خلاف سخت کلامی کرتا رہتا تھا۔ ۱۹۰۲ء میں اس نے شایع کیا کہ اگر مسلمان مسیحیت کو قبول نہ کرینگے۔ تو وہ سب کے سب ہلاک کر دئے جائینگے۔ اس پیشگوئی کی خبر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو ملی۔ تو آپنے فوراً اسکے خلاف ایک اشتہار شایع کیا جسمیں اسلام کی فضیلت بیان کرتے ہُوئے لکھا۔ کہ مسیحیت کی صداقت ظاہر کرنے کیلئے کروڑوں آدمیوں کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح کر کے بھیجا گیا ہوں۔ مجھ سے مُباہلہ کر کے دیکھ لو۔ اس سے سچے اور جھوٹے مذہب کا فیصلہ ہو جائیگا! اور لوگوں کو فیصلہ کرنے میں مدد ملیگی۔ یہ اشتہار آپکا ستمبر ۱۹۰۲ء میں شایع کیا گیا۔ اور اس کثرت سے یورپ اور امریکہ میں شایع کیا گیا کہ دسمبر ۱۹۰۲ء سے لیکر ۱۹۰۳ء کے اختتام تک اس اشتہار پر مختلف اخبارات امریکہ و یورپ میں ریویو چھپتے رہے جنمیں سے قریباً چالیس اخبارات نے تو اپنے پرچے یہاں بھی بھیجے۔ اس قدر اخبارات میں اس اشتہار کی اشاعت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ کم سے کم بیس پچیس لاکھ آدمیوں کو اس دعوت مقابلہ کا علم ہو گیا ہوگا۔

اس اشتہار کا ڈوئی نے جواب تو کوئی نہ دیا۔ اسلام کے خلاف بددُعائیں کرنی شروع کر دیں اور اسپر سخت حملے کرنے شروع کر دئے۔ ۱۴ر فروری[1] کو اُس نے شایع کیا۔ کہ "میں خدا سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ وہ دن جلدی آئے جب اسلام دُنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا تو میری اس دُعا کو قبول کر۔ اے خدا تو اسلام کو ہلاک کر۔" پھر ۲۵ر اگست ۱۹۰۳ء میں شایع کیا۔ کہ "انسانیت پر اس سخت بدنماد ھبہ کو (اسلام کو) صیحون ہلاک کر کے چھوڑ دیگا۔" جب حضرت اقدسؑ نے دیکھا کہ یہ شخص اپنی مخالفت سے باز نہیں آتا۔ تو آپنے ۱۹۰۳ء میں ایک اور اشتہار دیا جس کا نام یہ تھا "ڈوئی اور پگٹ کے متعلق پیشگوئیاں"۔ اس اشتہار میں آپنے لکھا۔ کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اسوقت

[1] ڈوئی کے اخبار میں جو صیحون سے شایع ہوتا تھا۔

اِسلئے بھیجا ہے۔ تا اسکی توحید کو قائم کروں۔ اور شرک کو مٹاؤں! اور پھر لکھا کہ امریکہ کیلئے خدا نے مجھے یہ نشان دیا ہے کہ اگر ڈوئی میرے ساتھ مباہلہ کرے۔ اور میرے مقابلہ پر خواہ صراحتاً یا اشارتاً آجائے تو وہ "میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دُنیائے فانی کو چھوڑ دیگا"۔ اس کے بعد لکھا۔ کہ ڈوئی کو مَیں نے پہلے بھی دعوت مباہلہ دی تھی۔ مگر اُس نے اب تک اس کا کوئی جواب نہیں دیا اِسلئے آج سے اسکو سات ماہ کی جواب کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ پھر لکھا کہ "پس یقین رکھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے"۔ آخر میں بلا اس کے جواب کا انتظار کئے دُعا کی۔ کہ اے خدا "یہ فیصلہ جلد کر کہ پگٹ اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے"۔ یہ اشتہار بھی کثرت سے بلاد مغربیہ میں تقسیم کیا گیا۔ اور یُورپ و امریکہ کے متعدد اخبارات مثلاً گلاسگو ہیرلڈ انگلستان نیویارک کمرشل ایڈورڈ ٹائمز امریکہ وغیرہا نے اس کے خلاصے اپنے اخبارات میں شایع کئے۔ اور لاکھوں آدمی اس کے مضمون پر مطلع ہو گئے۔

جس وقت یہ اشتہار شایع ہُوا ہے۔ اُسوقت ڈوئی کا ستارہ اپنے عروج پر تھا۔ اُسکے مُریدوں کی تعداد بہت بڑھ رہی تھی! اور وہ لوگ اس قدر مالدار تھے۔ کہ ہر نئے سال کے شروع میں تیس لاکھ روپیہ کے تحائف اُس کو پیش کرتے تھے۔ اور کئی کارخانے اُسکے جاری تھے۔ چھ کروڑ کے قریب اُسکے پاس روپیہ تھا۔ اور بڑے بڑے نوابوں سے زیادہ اُس کا عملہ تھا۔ اُس کی صحت ایسی اچھی تھی۔ کہ وہ اسکو اپنا معجزہ قرار دیتا تھا! اور کہتا تھا۔ کہ مَیں دوسروں کو بھی اپنے حکم سے اچھا کر سکتا ہوں۔ غرض مال صحت۔ جماعت اقتدار ان چاروں باتوں سے اُس کو حصّہ وافر ملا ہُوا تھا۔

اِس اشتہار کے شایع ہونے پر لوگوں نے اُس سے سوال کیا کہ وہ کیوں آپکے اشتہارات کا جواب نہیں دیتا۔ تو اُس نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ "تم فلاں فلاں بات کا جواب کیوں نہیں دیتے جواب! کیا تم خیال کرتے ہو کہ مَیں ان کیڑوں مکوڑوں کو جواب دُونگا۔ اگر مَیں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ایک دم میں انکو کچل سکتا ہوں۔ مگر مَیں انکو موقع دیتا ہوں کہ میرے سامنے سے دُور چلے جائیں۔ اور کچھ دن اور زندہ رہ لیں"۔ انسان بعض دفعہ کیسی نادانی کر لیتا ہے۔ ڈوئی نے مقابلہ سے انکار کرتے ہُوئے مقابلہ کر لیا۔ اُس نے غور نہ کیا کہ حضرت اقدسؑ نے صاف لکھ دیا تھا۔ کہ اگر یہ اشارتاً بھی میرے مقابل پر آئیگا۔ تو دُکھ کے ساتھ میری زندگی میں ہلاک ہوگا۔ اُس نے

آپؑ کو کیڑا اقرار دیکر اور یہ کہکر کہ اگر میں اسپر اپنا پاؤں رکھ دُوں تو کچل دُوں۔ اور اپنے آپکو آپؑ کے مقابلہ پر کھڑا کر دیا۔ اور خدا کے عذاب کو اپنے اُوپر نازل کر لیا۔

مگر اُس کی سرکشی اور تکبّر یہیں پر ختم نہ ہُوا۔ اُس نے کچھ دن بعد آپؑ کا ذکر کرتے ہُوئے آپؑ کی نسبت یہ الفاظ استعمال کیئے "بیوقوف محمّدی مسیح"۔ اور یہ بھی لکھا کہ "اگر میں خدا کی زمین پر خدا کا پیغمبر نہیں۔ تو پھر کوئی بھی نہیں"۔ اور دسمبر ۱۹۰۲ء کو تو کھُلا کھُلا مقابلہ پر آ کھڑا ہُوا۔ اور اعلان کیا۔ کہ ایک[1] فرشتہ نے مجھے کہا ہے کہ تُو اپنے دشمنوں پر غالب آئیگا۔ گویا حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی کے مقابلہ میں آپؑ کی ہلاکت کی پیشگوئی شایع کر دی۔ یہ اس کا مقابلہ جو پہلے اشارتاً شروع ہوا اور آہستہ آہستہ صراحت کیطرف آتا گیا۔ جلد پھل لے آیا۔ اور اس آخری حملہ کے بعد چونکہ وہ مقابل پر آ گیا تھا۔ حضرت اقدس مسیح موعود نے اس کے خلاف لکھنا چھوڑ دیا۔ اور فانتظر انهم منتظرون کے حکم کے مطابق خدائی فیصلہ کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ آخر خدا تعالیٰ جو پکڑنے میں دھیما ہے۔ مگر جب پکڑتا ہے سخت پکڑتا ہے۔ اُس نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ اور وہ پاؤں جن کو وہ اس کے مسیح پر رکھ کر کچلنا چاہتا تھا۔ ان کو اس نے معطل کر دیا۔ اس کے مسیح پر پاؤں رکھنے کی طاقت تو اسکو کہاں سے مل سکتی تھی۔ وہ ان پاؤں کو زمین پر رکھنے کے قابل بھی نہ رہا یعنی خدا کا غضب فالج کی شکل میں اسپر نازل ہُوا۔ کچھ دن کے بعد افاقہ ہو گیا۔ مگر دو ماہ بعد ۱۹ر دسمبر کو دوسرا حملہ ہُوا۔ اور اُس نے رہی سہی طاقتیں بھی توڑ دیں۔ جب وہ بالکل لاچار ہو گیا تو اُس نے اپنا کام اپنے نائبوں کے سپرد کیا۔ اور خود ایک جزیرہ میں جس کی آب و ہوا فالج کے لئے اچھی تھی۔ بُود و باش اختیار کر لی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے غضب نے اُس کو اب بھی نہ چھوڑا۔ اور چاہا کہ جس طرح اُس نے اُس کے مسیح کو کیڑا کہا تھا۔ اُس کو کیڑے کی طرح ثابت کر کے دکھائے۔ اور وہ چیزیں جن پر گھمنڈ کر کے اُس نے یہ جرأت کی تھی۔ انہی کے ذریعہ اُسے ذلیل کرے۔ چنانچہ ایسا ہُوا۔ کہ اُس کے بیمار ہو کر چلے جانے پر اُس کے مُریدوں کے دل میں شک پیدا ہُوا۔ کہ یہ تو اَوروں کو دُعا سے نہیں۔ بلکہ اپنے حکم سے اچھا کرتا تھا۔ یہ خود ایسا کیوں بیمار ہُوا۔ اور اُنھوں نے اُس کے بعد اُس کے کمروں کی جنہیں وہ اور کسی کو جانے نہیں دیتا تھا۔ تلاشی لی۔ اور انمیں سے شراب کی بہت سی بوتلیں نکلیں۔ اور اسکی بیوی اور لڑکے نے گواہی دی کہ وہ چھپکر خوب شراب پیا کرتا تھا۔ حالانکہ

[1] ڈوئی کا اخبار

وُہ اپنے مُریدوں کو سختی سے شراب پینے سے روکتا تھا۔ اور کسی نشہ کی چیز کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ حتیٰ کہ تمباکو نوشی سے بھی منع کرتا تھا۔ اور اُس کی بیوی نے کہا کہ میں اُس کی سخت غربت کے ایّام میں بھی وفادار رہی ہوں۔ مگر اب مجھے یہ معلوم کر کے سخت افسوس ہُوا ہے۔ کہ اُس نے ایک مالدار بڑھیا سے شادی کرنے کی خاطر یہ نیا مسئلہ بیان کرنا شروع کیا ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں جائز ہیں۔ درحقیقت اس مسئلہ کی تہ میں اس کا اپنا ارادہ شادی کا ہے۔ چنانچہ اس نے اس بڑھیا کے جواب جو ڈوئی کے خطوں کے جواب میں آئے تھے۔ لوگوں کو دکھائے۔ اسپر لوگوں کا غصّہ اور بھی بھڑکا۔ اور جماعت کے اس روپیہ کا حساب دیکھا گیا۔ جو اُس کے پاس رہتا تھا۔ اور معلوم ہُوا کہ اُس نے اسمیں سے پچاس لاکھ روپیہ غبن کر لیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہُوا۔ کہ شہر کی کئی نوجوان لڑکیوں کو اُس نے خفیہ طور پر ایک لاکھ سے زائد روپیہ کے تحائف دیئے ہیں۔ اسپر اسکی جماعت کیطرف سے اُسے ایک تار دیا گیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: "تمام جماعت بالاتفاق تمہاری فضول خرچی ریاکاری۔ غلط بیانیوں۔ مبالغہ آمیز کلام۔ لوگوں کے مال کے ناجائز استعمال۔ ظلم اور غصب پر سخت اعتراض کرتی ہے۔ اسواسطے تمہیں تمہارے عہدہ سے معطل کیا جاتا ہے"۔

ڈوئی اِن الزامات کی تردید نہ کر سکا۔ اور آخر سب مُرید اُس کے مخالف ہو گئے۔ اُس نے چاہا کہ خود اپنے مُریدوں کے سامنے آ کر اُن کو اپنی طرف مائل کرے۔ مگر سٹیشن پر سوائے چند لوگوں کے کوئی اُس کے استقبال کو نہ آیا۔ اور کسی نے اس کی بات کیطرف توجہ نہ کی۔ آخر وہ عدالتوں کی طرف متوجہ ہُوا۔ مگر وہاں سے بھی اسکو قومی فنڈ پر قبضہ نہ ملا۔ اور صرف ایک قلیل گذارہ دلایا گیا۔ اور اس کی حالت لاچاری کی یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ اس کے حبشی نوکر۔ اُس کو اُٹھا اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پر رکھتے تھے۔ اور سخت تکلیف اور دُکھ کی زندگی وہ بسر کرتا تھا۔ اُس کی تکلیف اور دُکھ کو دیکھ کر اُس کے دو چار ملنے والے جو ابھی تک اُس سے ملتے تھے۔ انہوں نے اُسے مشورہ دیا کہ وہ اپنا علاج کروائے۔ مگر وہ علاج کرانے سے اس بناء پر انکار کرتا رہا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ لوگوں کو علاج سے منع کرتا تھا۔ اور خود علاج کراتا ہے۔ آخر جبکہ اُس کے ایک لاکھ سے زیادہ مُریدوں میں سے صرف دو سو کے قریب باقی رہ گئے۔ اور عدالتوں میں بھی ناکامی ہوئی اور بیماری کی بھی تکلیف بڑھ گئی۔ تو وہ ان تکالیف کو برداشت نہ کر سکا۔ اور پاگل ہو گیا۔ اور

ایک دن اُس کے چند مُرید جب اُس کا وعظ سُننے کے لئے گئے۔ تو اُنھوں نے دیکھا۔ کہ اُس کے تمام جسم پر پٹیاں بندھی ہُوئی ہیں۔ اور اُس نے اُن سے کہا۔ کہ اس کا نام جبری ہے۔ اور وہ ساری رات شیطان سے لڑتا رہا ہے۔ اور اس جنگ میں اس کا جرنیل مارا گیا ہے۔ اور وہ خود زخمی ہوگیا ہے۔ اسپر اُن لوگوں کو یقین ہوگیا۔ کہ یہ شخص بالکل پاگل ہوگیا ہے! اور وہ بھی اُسکو چھوڑ گئے اور حضرت اقدسؑ کے یہ الفاظ کہ وہ "میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اِس دُنیائے فانی کو چھوڑ دیگا" آٹھ مارچ ۱۹۰۲ء کو پُورے ہو گئے یعنی ڈوئی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دُنیا سے کوچ کر گیا۔ اُس کی موت کے وقت اُس کے پاس صرف چار آدمی تھے! اور اُس کی پُونجی کل تیس ۳۰ روپیہ کے قریب تھی ؎

اے بادشاہ! اس سے بڑھکر حسرت اور اس سے بڑھکر دُکھ کی کیا کوئی اور موت ہوسکتی ہے؟ یقیناً یہ ایک عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اور اہل مغرب کے لئے کُھلا کُھلا نشان ہے۔ چنانچہ بہت سے اخبارات نے اس امر کو تسلیم کیا۔ کہ حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی پُوری ہوگئی ہے۔ اور وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ مثال کے طور پر مَیں چند اخبارات کے نام لکھ دیتا ہوں۔ ڈونول گزٹ امریکن اخبار اس واقع کا ذکر کر کے لکھتا ہے "اگر احمدؑ اور اُن کے پیرو اس پیشگوئی کے جو چند ماہ ہوئے۔ پُوری ہوگئی۔ نہایت صحت کے ساتھ پُورے ہونے پر فخر کریں۔ تو ان پر کوئی الزام نہیں"۔ ۷ رجون ۱۹۰۷ء۔

امریکہ کا اخبار ٹرتھ سیکر لکھتا ہے: "ظاہری واقعات چیلنج کرنے والے کے زیادہ دیر تک زندہ رہنے کے خلاف تھے۔ مگر وہ جیت گیا" یعنی حضرت اقدسؑ کی عمر ڈوئی سے زیادہ تھی۔ اور وہ آپ کے مقابلہ میں جوان تھا ؎

بوسٹن امریکہ کا اخبار ہیرالڈ لکھتا ہے: "ڈوئی کی موت کے بعد ہندوستانی نبی کی شہرت بہت بلند ہوگئی ہے۔ کیونکہ کیا یہ سچ نہیں کہ اُنھوں نے ڈوئی کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔ کہ یہ اُنکی یعنی مسیح کی زندگی میں واقع ہوگی! اور بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس کی موت ہوگی۔ ڈوئی کی عمر پینسٹھ سال کی تھی۔ اور پیشگوئی کرنے والے کی پچھتر سال کی"۔

اِن چند اقتباسات سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس پیشگوئی کا اثر مسیحی بلکہ دہریہ اخبارات

کے ایڈیٹروں کے دل پر بھی نہایت گہرا پڑا تھا! اور وہ اس کے حیرت انگیز نتائج سے ایسے متاثر ہوگئے تھے۔ کہ اس اثر کو اخباروں میں ظاہر کرنے سے بھی نہ جھجکے۔ پس یہ بات بالکل یقینی ہے کہ جب مغربی ممالک کے باشندوں کے سامنے یہ نشان پُورے زور سے پیش کیا گیا۔ تو اپنے بیسیوں ہم مذہب اخبار نویسوں کی گواہی کی موجودگی میں وہ اس کی صداقت کا انکار نہیں کرسکینگے۔ اور اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہونگے۔ کہ اسلام ہی سچّا مذہب ہے۔ اس میں داخل ہوئے بغیر انسان نجات نہیں پاسکتا۔ اور اپنے پُرانے خیالات اور عقاید کو ترک کر کے وہ لوگ اسلام کے قبول کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسیح موعودؑ پر ایمان لانے میں دریغ نہیں کرینگے۔ بلکہ اس کے آثار ابھی سے شروع ہوگئے ہیں۔ اور امریکہ میں اس وقت دو سَو سے زیادہ لوگ احمدی ہوچکے ہیں ؎

پانچویں پیشگوئی

لیکھرام کے متعلق آپؑ کی پیشگوئی جو اہل ہند کے لئے حجّت بنی

اب مَیں آپؑ کی ان پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی بیان کرتا ہوں۔ جو اہل ہند پر صداقت اسلام کے ظاہر کرنے کے لئے کی گئی تھیں۔ اور جنہوں نے اپنے وقت پر پُوری ہو کر لاکھوں آدمیوں کے دل ہلادئے۔ اور اسلام کی صداقت کا اُنکو دل ہی دل میں قائل کردیا! اور بیسیوں آدمی ظاہر میں اسلام لائے۔ اور برابر اسلام لا رہے ہیں ؎

اِس پیشگوئی کی تفصیل یہ ہے۔ کہ چالیس پچاس سال سے ہندوؤں کا ایک فرقہ نکلا ہے جسے آریہ سماج کہتے ہیں۔ اس فرقہ نے اسلام کی موجودہ زمانہ میں خراب حالت دیکھ کر یہ ارادہ کیا ہے۔ کہ مُسلمانوں کو ہندو بنایا جائے! اور اس غرض کیلئے ہمیشہ اس کے مذہبی لیڈر اسلام کے خلاف سخت گندہ اور فحش لٹریچر شایع کرتے رہے ہیں۔ ان لیڈروں میں سے سب سے زیادہ گندہ دہن اور اعتراض کرنیوالا ایک شخص لیکھرام نامی تھا حضرت اقدسؑ نے

اس کے ساتھ بہت دفعہ گفتگو کی۔ اور اُسے اسلام کی صداقت کا قائل کیا۔ مگر وہ اپنی ضد میں بڑھتا گیا۔ اور ایسے ایسے گندے ترجمے قرآن کریم کی آیات کے شایع کرتا رہا کہ ان کو پڑھنا بھی ایک شریف آدمی کے لئے مشکل ہے۔ اس شخص کے نزدیک گویا سب سے بُرا شخص دُنیا میں وہ تھا جو تمام انسانی کمالات کا جامع تھا۔ اور سب سے لغو کتاب وہ کتاب تھی۔ جو سب علوم کی مخزن ہے۔ مگر سُورج کی روشنی ایک بیمار آنکھ کی بینائی کو صدمہ ہی پُہنچاتی ہے۔ یہی حال اس کا تھا جب بحث مباحثہ نے طُول پکڑا۔ اور یہ شخص رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بدگوئی میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور حضرت اقدسؑ کی نسبت بھی ٹھٹھے کرتا۔ اور کہتا رہا کہ مجھے کوئی نشان کیوں نہیں دکھاتے۔ تو آخر حضرت اقدس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کے متعلق اللہ تعالےٰ سے دُعا کی۔ اور آپؑ کو بتایا گیا۔ کہ اس کے لئے یہ نشان ہے۔ کہ یہ جلد ہلاک کیا جائے گا۔ اس پیشگوئی کے شایع کرنے سے پہلے آپؑ نے لیکھرام سے دریافت کیا۔ کہ اگر اس پیشگوئی کے شایع کرنے سے اس کو رنج پہنچے۔ تو اس کو ظاہر نہ کیا جائے۔ مگر اس نے اس کے جواب میں لکھا۔ کہ مجھے آپؑ کی پیشگوئیوں سے کچھ خوف نہیں ہے۔ آپ بیشک پیشگوئی شائع کریں۔ مگر چونکہ پیشگوئی میں وقت کی تعیین نہ تھی۔ اور لیکھرام وقت کی تعیین کا مطالبہ کرتا تھا۔ آپؑ نے اس پیشگوئی کے شایع کرنے میں اسوقت تک توقف کیا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت معلوم ہو جائے۔ اور آخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر پا کر کہ ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء سے لیکر چھ برس کے اندر لیکھرام پر ایک درد ناک عذاب آئیگا۔ جس کا نتیجہ موت ہوگا۔ اِس پیشگوئی کو شایع کر دیا۔ ساتھ ہی عربی میں یہ الہام بھی شایع کیا گیا جو لیکھرام کی نسبت تھا۔ یعنی عجلٌ جسدٌ له خوار۔ له نصبٌ وعذاب۔ یعنی یہ شخص گوسالہ سامری کی طرح ایک بچھڑا ہے۔ جو یُونہی شور مچاتا ہے۔ ورنہ اسمیں رُوحانی زندگی کا کچھ حصّہ نہیں۔ اس پر ایک بلا نازل ہو گی۔ اور عذاب آئیگا۔ اس کے بعد آپ نے لکھا۔ کہ اب میں سب فرقہ ہائے مذہب پر ظاہر کرتا ہوں۔ کہ اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ تک آج کی تاریخ سے یعنی ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء سے کوئی ایسا عذاب جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت ہو۔ اور اپنے اندر ہیبت الٰہی رکھتا ہو۔ نازل نہ ہو۔ تو سمجھو

کہ مَیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔"

اِس پیشگوئی کے کچھ عرصہ کے بعد آپ نے دوسری پیشگوئی جسمیں اس شخص کی ہلاکت کے متعلق مزید وضاحت تھی۔ شایع کی۔ اس کے الفاظ یہ تھے :-

وبشّرنی ربّی وقال مُبَشّرا سَتعرِفُ یوم العید والعیدُ اَقربُ

ومنها ما وعدنی ربی واستجاب دعائی فی رجلٍ مفسدٍ عدوّ الله ورسوله مُسمّی لیکھرام الفیشاوری واخبرنی ربّی انّه من الهالکین انه کان یَسُبُّ نبیَّ الله ویتکلّمُ فی شانه بکلماتٍ خبیثةٍ فدعوت علیه فبَشّرنی ربّی موته فی ستّ سنةٍ انّ فی ذٰلك لاٰیاتٍ للطالبین۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تُو ایک یوم عید دیکھیگا۔ اور وہ دن عید کے دن کے بالکل ساتھ لگتا ہوگا۔ اور پھر لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ مجھ پر فضل ہوئے ہیں۔ انہیں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص لیکھرام کے متعلق اُس نے میری دُعا کو قبول کرلیا ہے۔ اور مجھے خبر دی ہے۔ کہ وہ ہلاک ہو جائیگا یہ شخص رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ پس مَیں نے اس کے خلاف دُعا کی اور میرے ربّ نے مجھے بتایا کہ یہ چھ سال کے عرصہ میں مرجائیگا۔ اسمیں طلبگار دن کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اِس کے بعد اور مزید تشریح معلوم ہوئی۔ اور وہ آپؑ کی کتاب برکات الدُعا کے ٹائٹل پیج پر اس عنوان کے نیچے شائع کی گئی۔ کہ لیکھرام پشاوری کی نسبت ایک اور خبر۔ اور اس میں یہ لکھا گیا کہ "آج جو ۲ را پریل ۱۸۹۳ء مطابق ۱۴ ر رمضان (بروز یک شنبہ مؤلف) ۱۳۱۰ھ ہے۔ صبح کے وقت تھوڑی سی غنودگی کی حالت میں مَیں نے دیکھا۔ کہ مَیں ایک وسیع مکان میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اور چند دوست بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اتنے میں ایک شخص قوی ہیکل مہیب شکل گویا اس کے چہرہ سے خون ٹپکتا ہے۔ میرے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ مَیں نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک نئی خلقت اور شمائل کا شخص ہے۔ گویا انسان نہیں۔ ملائک شداد غلاظ میں سے ہے۔ اور اس کی ہیبت دلوں پر طاری تھی۔ اور مَیں اُسکو دیکھتا ہی تھا۔ کہ اُس نے مجھ سے پُوچھا۔ کہ لیکھرام کہاں ہے؟ اور ایک اور شخص کا نام لیا۔ کہ

وہ کہاں ہے۔ تب میں نے اُسوقت سمجھا کہ یہ شخص لیکھرام اور اس دوسرے شخص کی سزا دہی کیلئے مامور کیا گیا ہے"۔

اِس کے بعد آئینہ کمالات اسلام میں آپ نے لیکھرام کے متعلق اپنی ایک نظم میں یہ اشعار شایع کئے۔

الا اے دُشمنِ نادان و بے راہ | بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ
الا اے مُنکر از شانِ محمدؐ | ہم از نُورِ نمایانِ محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام و نشان است | بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

اِن تمام پیشگوئیوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپکو مختلف اوقات میں خبر دی گئی تھی کہ (۱) لیکھرام کسی عذاب سے جس کا نتیجہ موت ہوگا۔ ہلاک ہوگا (۲) یہ عذاب چھ سال کے عرصہ میں آئیگا (۳) یہ عذاب عید کے ساتھ کے دن آئیگا یعنی عید کے پہلے یا پچھلے دن (۴) لیکھرام کے ساتھ وُہی سلوک کیا جائیگا۔ جو گوسالہ سامری سے کیا گیا۔ اور وہ سلوک یہ تھا۔ کہ اُس کے ٹکڑے اُڑا دئے گئے تھے۔ اور وہ جلا کر دریا میں ڈالدیا گیا تھا (۵) اُس کی ہلاکت کے لئے ایک شخص جس کی نظروں سے خون ٹپکتا تھا مقرر کیا گیا ہے (۶) وہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نشانہ ہوگا۔ یہ نشانات اور علامتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کے منطوق اور مفہوم کی نسبت کچھ بھی شبہ نہیں رہ جاتا۔ اِن پیشگوئیوں کے پُورے پانچ سال کے بعد جبکہ دُشمن ہنس رہے تھے کہ پانچ سال گذر گئے۔ اور کچھ بھی نہیں ہوُا۔ مرزا صاحب جھوٹے نکلے۔ عید الفطر جو جمعہ کو ہوُئی تھی۔ اس کے دوسرے دن ہفتہ کو عصر کے وقت لیکھرام کسی نامعلوم شخص کے ہاتھوں ایک تیز خنجر کے ذریعہ سے قتل کیا گیا۔ اور اتوار کے دن مر گیا۔ اور خدا کا کلام اپنی تمام تفاصیل کے ساتھ پُورا ہوُا۔ الہام میں تھا کہ وہ چھ سال کے اندر مریگا۔ وہ چھ سال کے اندر مرا۔ بتایا گیا تھا کہ اس کا واقعہ عید کے دوسرے دن ہوگا۔ اور مومنوں کے لئے عید کا دن ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔ کہ وہ عید کے دوسرے دن زخمی ہوُا۔ کہا گیا تھا۔ کہ اس کو کوئی شخص جس کی نظروں سے معلوم ہوتا تھا کہ خون ٹپک رہا ہے۔ ہلاک کریگا۔ سو ایسا ہی ہوُا۔ بتایا گیا تھا۔ کہ اس کو تیغ محمدؐ قتل کریگی۔ سو وہ قتل کیا گیا۔ خبر دی گئی تھی۔ کہ اُس کا حال گوسالہ سامری کی طرح ہوگا۔ سو جس طرح گوسالہ سامری ہفتہ کے دن ٹکڑے

کیا گیا تھا۔ وہ بھی ہفتہ کے دن ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ اور جس طرح گوسالہ سامری پہلے جلایا گیا اور پھر اس کی راکھ دریا میں ڈالی گئی تھی۔ اسی طرح لیکھرام بسبب ہندو ہونے کے جلایا گیا اور پھر اس کی خاک دریا میں ڈالی گئی ؛

اس کے قتل کے واقعات کی تفصیل یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک شخص اس کے پاس آیا جس کی نسبت یہی بتایا جاتا ہے کہ اس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا۔ اور اُس نے آکر کہا کہ وہ مُسلمان سے ہندو ہونا چاہتا ہے۔ لیکھرام نے باوجود لوگوں کے سمجھانے کے کہ اس کو اپنے پاس رکھنا ٹھیک نہیں۔ اس کو اپنے پاس رکھا۔ اور اسپر اس کو بہت اعتبار ہو گیا۔ اور آخر اس نے وہی دن جس دن وہ مارا گیا۔ اس کے آریہ بنانے کے لئے مقرر کیا۔ ہفتہ کے دن وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ کہ اُس نے اُسے کسی کتاب کے دینے کے لئے کہا۔ اس نے ظاہر تو یہ کیا۔ گویا وہ اس چیز کو اُٹھا کر لا رہا ہے۔ لیکن پاس پہنچتے ہی اس نے اس کے پیٹ میں خنجر مارا۔ اور پھر اس کو کئی چکر دے کر ہلایا۔ تاکہ انتڑیاں کٹ جائیں۔ اور پھر وہ شخص جیسا کہ لیکھرام کے رشتہ داروں کا بیان ہے۔ غائب ہو گیا۔ لیکھرام مکان کی دوسری منزل پر تھا۔ اور اس کے مکان کے نیچے دروازہ کے پاس اُسوقت بہت سے لوگ جمع تھے۔ لیکن کوئی شخص گواہی نہیں دیتا۔ کہ وہ شخص نیچے اُترا ہے۔ اُس کی بیوی اور اُس کی ماں کو یہی یقین تھا کہ وہ گھر میں ہی ہے۔ لیکن اسی وقت لوگوں نے آکر تلاشی لی۔ مگر کوئی شخص نہ ملا۔ نہ معلوم کہ زمین میں غائب ہو گیا یا آسمان پر چڑھ گیا۔ لیکھرام سخت دُکھ کے عذاب میں مُبتلا ہو کر اتوار کو جو عین وہی دن ہے۔ جس دن کہ آپؑ کو کشف میں دکھایا گیا تھا۔ کہ ایک ہیبت ناک شخص جس کی آنکھوں سے خون ٹپکتا ہے۔ لیکھرام کا پتہ پُوچھتا ہے۔ مر گیا۔ اور خدا کے فرستادہ کی صداقت کے لئے ایک نشان ٹھہرا۔ اور ان لوگوں کے لئے جو

محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات
کے خلاف گندہ دہانی کرتے ہیں۔
موجب عبرت بنا ؛

چھٹی پیشگوئی

شہزادہ دلیپ سنگھ کے متعلق پیشگوئی جو سکھوں کے لئے حجّت ہوئی

اَب مَیں ان پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی بیان کرتا ہوں۔ جو اپنے وقت پر پُوری ہو کر سِکھّوں کے لئے صداقت اسلام اور صداقت مسیح موعودؑ کے لئے دلیل ہوئیں۔ جب پنجاب کو انگریزوں نے فتح کیا۔ تو مصالح ملکی کے ماتحت راجہ دلیپ سنگھ صاحب کو جو وارث تخت پنجاب تھے۔ مگر ابھی چھوٹی عمر کے تھے۔ انگریز ولایت لے گئے۔ وہ وہیں رہے۔ اور ان کو واپس آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہاں تک کہ پنجاب پر انگریزی قبضہ پُوری طرح ہو گیا۔ غدر کے بعد دہلی کی حکومت بھی مٹ گئی۔ اور کسی قسم کا خطرہ نہ رہا۔ اس وقت راجہ دلیپ سنگھ صاحب بہادر نے پنجاب آنے کا ارادہ کیا۔ اور عام طور پر مشہور ہو گیا۔ کہ وہ آنے والے ہیں۔ حضرت اقدسؑ کو الہاماً بتایا گیا۔ کہ وہ اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہونگے۔ چنانچہ آپ نے بہت سے لوگوں کو خصوصاً ہندوؤں کو اس کے متعلق اطلاع دیدی۔ اور ایک اشتہار میں اشارتاً لکھ دیا۔ کہ ایک نووارد رئیس پنجاب کو ابتلا پیش آئیگا۔ جس وقت یہ الہام شایع کیا گیا۔ کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ کہ ان کو ہندوستان آنے سے روک دیا جائیگا۔ بلکہ خوب خبر مشہور تھی۔ کہ عنقریب وہ ہندوستان پہنچنے والے ہیں۔ مگر اسی عرصہ میں گورنمنٹ کو معلوم ہوا۔ کہ راجہ دلیپ سنگھ صاحب کا ہندوستان میں آنا حکومت کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ جوں جوں اُن کے آنے کی خبر پھیلتی جاتی تھی۔ سِکھّوں میں پُرانی روایات تازہ ہو کر جوش پیدا ہوتا جاتا تھا۔ اور ڈر تھا۔ کہ اُن کے آنے پر کوئی فساد ہو جائے۔ آخر عدن تک آنے کے بعد اُن کو روک دیا گیا۔ اور یہ روکاوٹ کی خبر اس وقت معلوم ہوئی۔ جبکہ لوگ یہ سمجھ چکے تھے۔ کہ اب وہ کوئی دن میں ہندوستان میں داخل ہونیوالے ہیں۔ اور سکھّوں کی اُمیدوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ لیکن خُدائے ذوالجلال کا جلال ظاہر ہُوا۔ کہ وہ لوگوں کے دلوں کو اسوقت پڑھ لیتا ہے۔ جب وہ خود اپنے خیالات سے واقف نہیں ہوتے ؞

ساتویں پیشگوئی

طاعُون کی پیشگوئی جس سے ثابت کیا گیا۔ کہ خُدا تعالےٰ سب باریک در باریک اسباب کا مالک ہے

افغانستان اور اس کے ہمسایہ ملک کے متعلق حضرت اقدسؑ کی پیشگوئیاں بیان کرنیکے بعد مَیں نے چار پیشگوئیاں ایسی بیان کی ہیں۔ جن سے تین قوموں پر حجّت تمام کیگئی ہے۔ اَب مَیں ایک ایسی پیشگوئی بیان کرتا ہوں جس سے تمام اقوام ہند اور انکے ذریعہ سے تمام دُنیا پر حُجت قائم کیگئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ وہ باریک در باریک اسباب پر قادر ہے اور ان کو اپنے مامور کی تائید میں لگاتا ہے۔ اس قسم کی پیشگوئیاں بھی حضرت اقدسؑ نے بہت سی کی ہیں۔ جو اپنے وقت پر پُوری ہو چکی ہیں۔ اور بعض آیندہ پُوری ہونگی مگر میں انمیں سے مثال کے طور پر طاعون کی پیشگوئی کو لیتا ہوں جسمیں یہ خصوصیت ہے۔ کہ اس کی خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دی تھی۔ اور بتایا تھا کہ یہ بیماری مسیح موعود کے وقت میں پھُوٹیگی ؞

جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق رمضان کی تیرہ تاریخ کو چاند گرہن اور ۲۸ اٹھائیس کو سورج گرہن ہُوا۔ تو اسوقت حضرت اقدسؑ کو بتایا گیا۔ کہ اگر لوگوں نے اس نشان سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ اور تجھے قبول نہ کیا۔ تو ان پر ایک عام عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔ وحاصل الکلام انّ الکسوف والخسوف اٰیتانِ مُخوّفتان و اذا اجتمعا فھو تھدیدٌ شدیدٌ من الرحمٰن واشارةٌ الیٰ انّ العذاب قد تقرّر وُاکّد من اللہ لاھل العُدوان۔ نور الحق حصّہ دوم ؞

یعنی خسوف کسوف خدا تعالیٰ کیطرف سے ۲ دو ڈرانیوالے نشان ہیں اور جب اس طرح جمع ہو جائیں جس طرح اب جمع ہوئے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور تنبیہ ہوتے ہیں۔ اور اس بات کی طرف اشارہ ہوتے ہیں کہ عذاب مقرر ہو چکا۔ ان لوگوں کے لئے جو سرکشی سے باز نہ آویں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پیشگوئی کے پُورا کرنے کے لئے آپ کے دل میں تحریک کی۔ کہ آپ ایک وباء کے لئے دُعا کریں۔ چنانچہ آپ اپنے ایک عربی قصیدہ میں جو ۱۸۹۴ء

میں چھپا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

فلمّا طغیٰ الفسق المبید بسیلہٖ　　تمنّیتُ لو کان الوباء المتبّرُ

فانّ ھلاک الناس عند اولی النھاء　　اَحَبُّ واولیٰ من ضلالٍ یُخَسِّرُ

یعنی جب ہلاک کر دینے والا فسق ایک طوفان کیطرح بڑھ گیا۔ تو میں نے خدا سے چاہا کہ کاش ایک وبا پڑے۔ جو لوگوں کو ہلاک کر دے کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک لوگوں کا مر جانا اس سے زیادہ پسندیدہ اور عمدہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ تباہ کر دینے والی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں۔

اس کے بعد ۱۸۹۷ء میں آپ نے اپنی کتاب سراج المنیر میں لکھا کہ "اس عاجز کو الہام ہوا ہے یا مسیح الخلق عدوانا۔ یعنی اے خلقت کے لئے مسیح ہماری متعدی بیماریوں کیلئے توجہ کر" پھر فرماتے ہیں "دیکھو یہ کس زمانہ کی خبریں ہیں۔ اور نہ معلوم کس وقت پوری ہونگی۔ ایک وہ وقت ہے۔ جو دعا سے مرتے ہیں۔ اور دوسرا وہ وقت آتا ہے۔ کہ دعا سے زندہ ہونگے"

جسوقت یہ آخری پیشگوئی شایع ہوئی ہے۔ اسوقت طاعون صرف بمبئی میں پڑی تھی۔ اور ایک سال رہکر ہٹ گئی تھی۔ اور لوگ خوش تھے۔ کہ ڈاکٹروں نے اس کے پھیلنے کو روک دیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اطلاعیں اسکے برخلاف کہہ رہی تھیں۔ جبکہ لوگ اس مرض کے حملہ کو ایک عارضی حملہ خیال کر رہے تھے۔ اور پنجاب میں صرف ایک دو گاؤں میں یہ مرض نہایت قلیل طور پر پائی جاتی تھی۔ باقی سب علاقہ محفوظ تھا۔ اور بمبئی کی طاعون بھی بظاہر دبی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اسوقت آپ نے ایک اور اعلان کیا۔ اور اسمیں بتایا کہ "ایک ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے آمادہ کیا ہے۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں۔ اس کو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے۔ مگر میرا فرض ہے۔ کہ میں اس کو نوع انسان کی ہمدردی کے لئے ظاہر کروں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ آج جو ۶ر فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں۔ اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانیوالوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں۔ جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔ میرے پر یہ امر

مشتبہ رہا۔ کہ اُس نے یہ کہا کہ آئندہ جاڑے میں یہ مرض بہت پھیلیگا۔ یا یہ کہ اس کے بعد کے جاڑے میں پھیلیگا۔ لیکن نہایت خوفناک نمونہ تھا۔ جو میں نے دیکھا۔ اور مجھے اس سے پہلے طاعون کے بارہ میں الہام بھی ہوا۔ اور وہ یہ ہے:۔ انّ اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم انہ اوی القریۃ۔ یعنی جبتک دلوں کی وبائے معصیت دور نہ ہوگی۔ تب تک ظاہری وبا بھی دور نہیں ہوگی" اس اشتہار کے آخر میں چند فارسی اشعار بھی لکھے۔ جو یہ ہیں:۔

گراں چیزے کہ مے بینم عزیزاں نیز دیدندے　　زدنیا توبہ کردندے بچشم زار و خونبارے

خور و تاباں سیہ گشت است از بدکاری مردم　　زمیں طاعون ہمی آرد پئے تخویف و انذارے

بتشویشِ قیامت ماند ایں تشویش گر بینی　　علاجے نیست بہر دفعِ آں جز حسن کردارے

من از ہمدردی ات گفتم تو خود ہم فکر کن بارے　　خرد از بہر ایں روز است اے دانا و ہشیارے

ان پیشگوئیوں سے ظاہر ہے کہ آپ نے ۱۸۹۷ء سے پہلے ایک خطرناک عذاب اور پھر کھلے لفظوں میں وبا کی پیشگوئی کی۔ اور پھر جبکہ ہندوستان میں طاعون نمودار ہی ہوا تھا۔ آپ نے خصوصیت کے ساتھ پنجاب کی تباہی کی خبر دی۔ اور آنیوالی طاعون کو قیامت کا نمونہ قرار دیا اور فرمایا۔ کہ یہ طاعون اس وقت تک نہیں جائیگی۔ جبتک کہ لوگ دلوں کی اصلاح نہ کرینگے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ الفاظ اُسے ادا نہیں کر سکتے۔ طاعون کی ابتدا گو بمبئی سے ہوئی تھی۔ اور قیاس چاہتا تھا کہ وہیں اُس کا دورہ سخت ہونا چاہیئے۔ وہ تو پیچھے رہ گیا پنجاب میں طاعون نے اپنا ڈیرہ لگا لیا۔ اور اس سختی سے حملہ کیا۔ کہ بعض دفعہ ایک ایک ہفتہ میں تیس تیس ہزار آدمیوں کی موت ہوئی۔ اور ایک ایک سال میں کئی کئی لاکھ آدمی مر گئے۔ سینکڑوں ڈاکٹر مقرر کئے گئے۔ اور بیسیوں قسم کے علاج نکالے گئے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ہر سال طاعون مزید شدت اور سختی کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اور گورنمنٹ منہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اور بہت سے لوگوں کے دلوں نے محسوس کیا کہ یہ عذاب مسیح موعود کے انکار کی وجہ سے ہے۔ اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں آدمیوں نے اس قہری نشان کو دیکھ کر صداقت کو قبول کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے مامور پر ایمان لائے۔ اور

اسوقت تک طاعون کے زور میں کمی نہ ہوئی جبتک اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کو نہ بتایا کہ طاعون چلی گئی۔ بخار رہ گیا۔ اسکے بعد سے طاعون کا زور ٹوٹنا شروع ہوگیا۔ اور برابر کم ہوتی چلی گئی مگر بعض الہامات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرض کے ابھی کچھ اور دورے ہونگے۔ اس ملک میں بھی اور دوسرے ممالک میں بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاجز بندوں کو اپنی پناہ میں رکھے ؂

میرے نزدیک یہ پیشگوئی ایسی واضح اور مومن و کافر سے اپنی صداقت کا اقرار کرانیوالی ہے کہ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ضد کرتا ہے۔ تو اس کی حالت نہایت قابل رحم ہے جس کی آنکھیں ہوں۔ وہ دیکھ سکتا ہے کہ (۱) طاعون کی خبر ایک لمبا عرصہ پہلے دی گئی تھی اور کوئی طبی طریق ایسا نہیں ایجاد ہوا جس سے اتنا لمبا عرصہ پہلے وباؤں کا پتہ دیا جا سکے (۲) طاعون کے نمودار ہونے پر یہ بتایا گیا تھا کہ یہ عارضی دورہ نہیں ہے۔ بلکہ سال بسال یہ بیماری حملہ کرتی چلی جائیگی (۳) یہ بھی قبل از وقت بتایا گیا۔ کہ یہ بیماری پنجاب میں نہایت سخت ہوگی چنانچہ بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ پنجاب میں ہی یہ بیماری سب سے زیادہ پھیلی اور یہیں سب سے زیادہ موتیں ہوئیں (۴) ڈاکٹروں نے متواتر پیشگوئیاں کیں۔ کہ اب یہ بیماری قابو میں آگئی ہے مگر آپ نے بتایا۔ کہ اسوقت تک اس کا زور ختم نہ ہوگا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس کا علاج نہ ہوگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کہ اس کا دورہ برابر نو سال تک سختی سے ہوتا رہا (۵) آخر میں خدا تعالیٰ نے خود رحم کر کے اس کے زور کے توڑ دینے کا وعدہ کیا۔ اور آپ کو بتایا گیا کہ طاعون چلی گئی۔ بخار رہ گیا۔ چنانچہ اس الہام کے بعد طاعون کا زور ٹوٹ گیا۔ اور بخار کا شدید حملہ پنجاب میں ہوا جس سے قریباً کوئی گھر خالی نہیں رہا۔ اور سرکاری رپورٹوں میں تسلیم کیا گیا۔ کہ بخار کا یہ حملہ غیر معمولی تھا ؂

آٹھویں پیشگوئی

زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی کہ جو سب اہل مذاہب پر حجّت ہوئی۔ اور جس سے ثابت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ زمین کی گہرائیوں پر بھی ویسی ہی حکومت رکھتا ہے جیسی کہ اسکی سطح کے اوپر رہنے والی چیزوں پر۔

اب میں ایک پیشگوئی ان پیشگوئیوں میں سے پیش کرتا ہوں۔ جو اس امر کو ظاہر کرنیوالی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تصرف زمین کے اندر بھی ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ زمین کے اوپر۔ یہ پیشگوئی اس زلزلہ عظیمہ کے متعلق ہے۔ جو پنجاب میں ۴ راپریل ۱۹۰۵ء کو آیا۔ اور اسکے ذریعہ سے بھی کل ادیان کے پیروؤں پر صداقتِ اسلام اور صداقت مسیح موعودؑ کے متعلق حجّت قائم ہوئی اس زلزلہ کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے یہ الہام شایع کئے تھے ”زلزلہ کا دھکّہ“ ”عفت الدّیار محلّہا ومقامہا“ یعنی ایک خطرناک زلزلہ آئے گا۔ جس سے لوگوں کے مستقل رہایش کے مکانات بھی تباہ ہو جائینگے۔ اور عارضی رہایش کے کمپ بھی تباہ ہو جائینگے۔ یہ الہام سلسلہ احمدیہ کے متعدد اخبارات میں اسی وقت شایع کر دئے گئے۔ اور ان الہامات کا اپنے ظاہر لفظوں میں پورا ہونا ایسا بعید از قیاس سمجھا گیا۔ کہ شاید اس سے طاعون کی سختی مراد ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ اور مقدر تھا۔ اور اس کے حکم کے ماتحت کانگڑہ کی آتش فشاں پہاڑی جو بالکل بے ضرر سمجھی جاتی تھی۔ اور جس کی آتش فشانی توہّم پرست ہندوؤں کو ایک دیوی کا ہدیہ دینے کے سوا اور کسی مصرف کی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اور جس کے متعلق علم طبقات الارض کے ماہرین کا خیال تھا کہ یہ اب اپنی قوت انفجار کو ضائع کر چکی ہے۔ اور اس سے کسی تباہی کا خطرہ نہیں۔ چنانچہ سینکڑوں سالوں سے اس کے اردگرد بڑے بڑے قیمتی مندر بنائے گئے تھے۔ اور پجاری اُن میں رہتے تھے۔ اور ہزاروں آدمی زیارت کے لئے وہاں جاتے تھے۔ اُسے حکم دیا گیا۔ کہ وہ اپنے اندر ایک نیا جوش پیدا کرے۔ اور خدا تعالیٰ کے مامور کی صداقت پر گواہی دے ؂

جیسا کہ الہام کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اس الہام میں ایسی جگہ پر زلزلہ کے سب سے زیادہ تباہ کن ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ جس جگہ کثرت سے ایسے مکانات ہوں گے۔ جو عارضی رہایش کے لئے ہونگے یعنی کمپ وغیرہ اور ایسے مکانات یا تو ہوٹل اور سرائیں ہوتی ہیں یا فوجی بارکیں ہوتی ہیں۔ کہ جہاں فوجیں آتی جاتی رہتی ہیں اور کسی کی مستقل رہایش کیلئے وہ نہیں ہوتیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محلّہا کا پہلے رکھنا اسپر زور دینے کے لئے نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے۔ کہ جو مصرع الہام ہوا ہے۔ اسمیں شاعر نے اپنے قافیہ کی پابندی کیلئے محل کو مقام سے پہلے رکھا ہے۔

کیونکہ اس مصرع کے انتخاب کے لئے کوئی مجبوری نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کوئی اور عبارت نازل کر سکتا تھا۔ پھر یہ مصرع کسی شعر کے ساتھ چسپاں نہ ہوتا تھا۔ کہ رعایت قافیہ مدنظر ہو۔ وہ اسی کے الفاظ کو آگے پیچھے کر سکتا تھا۔ پس یہ الفاظ درحقیقت اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔ کہ زلزلہ ایک ایسے علاقہ میں آئے گا۔ جہاں کثرت سے عارضی رہائش کی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے۔ ایسی عمارتیں چھاؤنیوں میں یا سیرگاہوں زیارت گاہوں میں ہی زیادہ ہوتی ہیں۔ پس ایسے ہی مقامات میں سے کسی ایک میں زلزلہ کے آنے کی خبر دی گئی تھی۔

ان الہامات کے شائع کرنے کے ایک عرصہ بعد جبکہ کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کانگڑہ کی خاموش آتش فشاں پہاڑی جنبش میں آئی۔ اور ۴ اپریل ۱۹۰۵ء کی صبح کے وقت جبکہ لوگ نمازوں سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ اس نے سینکڑوں میل تک زمین کو ہلا دیا۔ کانگڑہ اور اس کے مندر اور اس کی سرائیں برباد ہو گئیں۔ آٹھ میل پر دھرم سالہ کی چھاؤنی تھی۔ اس کی بیرکیں زمین کے ساتھ مل گئیں۔ اور انگریزوں کی کوٹھیاں جو ایام گرمی کی رہائش کے لئے بنائی ہوئی تھیں۔ ان کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ڈلہوزی اور بکلوہ کی چھاؤنیوں کی عمارتیں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ اور دیگر شہروں اور دیہات کو بھی سخت صدمہ پہنچا۔ اور بیس ہزار آدمی اس زلزلہ کے ذریعہ موت کا شکار ہوئے۔ اور طبقات الارض کے ماہر حیران ہو گئے۔ کہ اس زلزلہ کا کیا باعث تھا۔ مگر وہ کیا جانتے تھے۔ کہ اس زلزلہ کا باعث وہ تکذیب تھی۔ جو مسیح موعودؑ کی کیگئی۔ اور اس کی غرض لوگوں کو اس کے دعویٰ کی طرف توجہ دلانا تھی۔ وہ اس کا باعث زمین کے نیچے تلاش کر رہے تھے۔ مگر درحقیقت اس کا باعث زمین کے اوپر تھا۔ اور کانگڑہ کی فراموش شدہ آتش فشاں پہاڑی اپنے رب کا حکم پورا کر رہی تھی۔ اس زلزلہ کے علاوہ آپ نے اور بہت سے زلزلوں کی خبر دی۔ جو اپنے وقت پر آئے۔ اور بعض ابھی آئینگے۔

نویں پیشگوئی

جنگِ عظیم کی پیشگوئی جو سب دُنیا کے لئے حجت ہوئی۔ اور جس سے ثابت کیا گیا۔ کہ اللہ تعالےٰ جس طرح جمادات و نباتات پر حکومت رکھتا ہے۔ اسی طرح اُن لوگوں کے دلوں پر بھی جو حکومت کے نشہ میں چُور ہو کر اپنے آپکو خدا کی خدائی سے باہر سمجھتے ہیں۔

نویں مثال میں ان پیشگوئیوں میں سے منتخب کرتا ہوں۔ جو ساری دُنیا کیلئے حُجت ہوئیں اور جن سے یہ ثابت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں اسی طرح اربابِ حکومت کے دل بھی ہیں جس طرح کہ عوام کے۔ اور اسی طرح انسان اسکی فرمانبرداری کرتا ہے جس طرح اور مخلوق۔ یہ پیشگوئی ۱۹۰۵ء میں شایع کیگئی تھی۔ اور اس میں اس جنگِ عظیم کی خبر دی گئی تھی۔ کہ جس نے پچھلے چند سال دُنیا کے ہر گوشہ کو حیران و پریشان کر رکھا تھا۔ اور لوگوں کے حواس پراگندہ کر دیئے تھے۔ اور اب بھی اس کا اثر پُوری طرح زائل نہیں ہوا۔ بلکہ کہیں نہ کہیں سے اس کی آگ کا شعلہ سر نکال ہی لیتا ہے۔

اصل الفاظ جنمیں اس جنگ کی خبر دی گئی تھی۔ ایک زلزلہ عظیمہ کی خبر دیتے تھے۔ لیکن جو علامات اس کی بتائی گئی تھیں۔ وہ ظاہر کرتی تھیں کہ زلزلہ کے سوا یہ کوئی اور مصیبت ہے اور دوسرے الہامات بھی اسی خیال کی تائید کرتے تھے۔ چنانچہ وہ الہامات جنمیں اس جنگ کی خبر دی گئی تھی۔ یہ ہیں:۔

"تازہ نشان۔ تازہ نشان کا دھکّا۔ زلزلۃ السّاعۃ۔ قوا انفسکم۔ نزلت لک لک نری آیاتٍ و نھدم مایعمرون۔ قل عندی شھادۃٌ من اللہ فھل انتم مؤمنون کففت عن بنی اسرائیل۔ انّ فرعون وھامان وجنودھما کانوا خاطئین فتح نمایاں۔ ہماری فتح۔ انّی مع الافواج آتیک بغتۃً۔ یہ الہام بار بار ہوا۔ پہاڑ گرا اور زلزلہ آیا۔ آتش فشاں مصالح العرب۔ مسیر العرب۔ عفت الدیار کذکری۔ اُریک

زلزلة الساعة یریکم اللہ زلزلة الساعة۔ لمن الملك الیوم للہ الواحد القھار" ترجمہ۔ قیامت کا نمونہ زلزلہ۔ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ مَیں تیری خاطر نازل ہوا۔ ہم تیری خاطر بہت سے نشان دکھائینگے۔ اور جو کچھ دُنیا بنا رہی ہے۔ اس کو منہدم کر دینگے تو کہدے میرے پاس ایک گواہی اللہ کی طرف سے ہے۔ کیا تم ایمان لاؤ گے۔ مَیں نے بنی اسرائیل کی مصیبت دور کر دی۔ فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکر غلطی پر ہیں۔ فتح نمایاں۔ ہماری فتح۔ میں فوجوں کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا۔ اور اچانک آؤں گا۔ پہاڑ گرا۔ اور زلزلہ آیا۔ آتش فشاں پہاڑ۔ اہل عرب کے لئے ایسے راستے نکلینگے۔ کہ ان پر چلنا ان کے لئے مفید ہوگا۔ اور اہل عرب اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہونگے۔ گھروں کو اس طرح اُڑا دیا جائیگا۔ جس طرح میرا ذکر وہاں سے مِٹ گیا ہے۔

اسی زلزلہ کی مزید تشریح آپؑ نے اپنی ایک نظم میں فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ یہ زلزلہ ایسا سخت ہوگا کہ اس سے انسانوں اور دیہات اور کھیتوں پر تباہی آجائیگی۔ ایک شخص بحالت برہنگی اگر اس زلزلہ کی زد میں آجاوے۔ تو اس سے یہ نہ ہو سکیگا۔ کہ کپڑے بھی پہن سکے مسافروں کو اس سے سخت تکلیف ہوگی۔ اور بعض لوگ اس کے اثر سے دُور دُور تک بھٹکتے نکل جائینگے۔ زمین میں گڑھے پڑ جائینگے۔ اور خون کی نالیاں چلینگی۔ پہاڑوں کی ندیاں خون سے سُرخ ہو جائینگی۔ تمام دُنیا پر یہ آفت آویگی۔ اور کل انسان خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے۔ اور کل حکومتیں اس کے صدمہ سے کمزور ہو جائینگی۔ اور خصوصاً زار کی حالت بہت زار ہو جائیگی۔ جانوروں پر تک اس کا اثر پڑیگا۔ اور ان کے حواس جاتے رہینگے۔ اور اپنی بولیاں بھول جائینگے۔

اِسکے علاوہ آپؑ کو الہام ہوا "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کُشتیاں۔ لنگر اُٹھا دو" اور یہ بھی آپؑ نے لکھا کہ یہ سب کچھ ۱۶ سولہ سال کے عرصہ میں ہوگا۔ پہلے آپؑ کو ایک الہام ہوا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ زلزلہ آپؑ کی زندگی میں آئیگا مگر پھر الہاماً یہ دُعا سکھائی گئی کہ اے خدا مجھے یہ زلزلہ نہ دکھلا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ یہ جنگ ۱۶ سولہ سال کے عرصہ کے اندر تو ہوئی لیکن آپؑ کی زندگی میں نہ ہوئی ؁

جیساکہ مَیں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس پیشگوئی میں زلزلہ کا لفظ ہے لیکن اس سے مُراد جنگ عظیم تھی۔ اَب مَیں وہ دلائل بیان کرتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اخبار میں جنگ عظیم کی ہی خبر دی گئی تھی (۱) زلزلہ کا لفظ جنگ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بلکہ ہر آفت شدید کے لئے قرآن کریم میں بھی یہ لفظ جنگ عظیم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سُورہ احزاب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اذجاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا۔ ھنالك ابتلی المؤمنون وزلزلو ازلزالاً شدید (سُورہ احزاب رکوع $\frac{2}{18}$) یعنی یاد کرو اس وقت کو جب دشمن تمہارے اُوپر کیطرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی حملہ آور ہوا تھا۔ آنکھیں پھر گئی تھیں۔ اور دل حلق میں آگئے تھے۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے متعلق قسم قسم کے گمان کرنے لگ گئے تھے۔ اس موقعہ پر مؤمنوں کی آزمایش کی گئی تھی۔ اور وہ ایک سخت آفت میں مبتلا کر دئے گئے تھے پس جبکہ زلزلہ کا لفظ ہر آفت پر بولا جا سکتا ہے۔ اور قرآن کریم میں جنگ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ تو پیشگوئی کے الفاظ متحمل ہیں اگر اس پیشگوئی کے معنے زلزلہ کی بجائے کچھ اور کئے جاویں ؁

(۲) جب حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس پیشگوئی کو شایع کیا۔ تو اس وقت یہ نوٹ بھی لکھ دیا۔ کہ گو ظاہر الفاظ زلزلہ ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مگر ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو۔ بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو۔ جو قیامت کا نظارہ دکھلا دے۔ جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو۔ اور جانوروں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے" براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۰۔ پس قبل از وقت مُلہم کا ذہن بھی اس کی طرف گیا تھا کہ عجب نہیں کہ زلزلہ سے مُراد کوئی اور مصیبت ہو۔ اور گو مخالفین نے اِس امر پر خاص زور دیا۔ کہ آپؑ زلزلہ کے لفظ کے کچھ اور معنے نہ قرار دیں۔ مگر آپ نے متواتر ان کے اعتراضات کے جواب میں یہی لکھا۔ کہ جبکہ الٰہی محاورات میں اختلاف معانی پایا جاتا ہے۔ تو میں اس لفظ کو ایک معنوں میں حصر نہیں کر سکتا۔ پیشگوئی کی عظمت یہ ہے کہ وہ بہت سی ایسی نشانیاں بتاتی ہے۔ کہ ان کا قبل از وقت بتانا انسان کا کام نہیں۔ پھر وہ وقت بھی بتاتی ہے جس کے

اندر وہ واقعہ ہوگا۔ اور یہ بھی بتاتی ہے کہ اس واقعہ کی نظیر پہلے زمانہ میں نہیں ملیگی ۔

(۳) خود پیشگوئی کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس سے مُراد زلزلہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوئی اور مُصیبت مراد ہے۔ کیونکہ (۱) پیشگوئی میں بتایا گیا ہے کہ یہ زلزلہ ساری دُنیا پر آئے گا۔ اور زلازل زمینی سب دُنیا پر ایک وقت میں نہیں آتے۔ بلکہ ٹکڑوں ٹکڑوں پر آتے ہیں (۲) پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ کی گھڑی مُسافروں پر سخت ہوگی۔ اور وہ راستہ بھول جائینگے۔ اور زلزلہ کا اثر مُسافر پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ زلزلہ ان لوگوں کے لئے خطرناک ہوتا ہے۔ جو گھروں اور شہروں میں رہنے والے ہوں۔ وہ مُصیبت جس سے مُسافر کو راستہ بھول جائے۔ اور وہ کدھر کا کدھر بھاگا پھرے۔ جنگ ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ جنگی لائنوں کو چیر کر وہ جا نہیں سکتا۔ اور اِدھر اُدھر مارا پھرتا ہے۔ (۳) پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زلزلہ کا اثر کھیتوں اور باغوں پر بھی ہوگا۔ اور زلازل ارضی کا اثر کھیتوں اور باغوں پر نہیں ہوتا۔ کھیتوں اور باغوں پر جنگ کا ہی اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں طرف کی توپوں سے وہ بالکل برباد ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جنگی فوائد کو مدّنظر رکھ کر کھیتوں اور باغوں کو کاٹ دیا جاتا ہے (۴) پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پرندوں پر بھی اس زلزلہ کا اثر شدید طور پر ہوگا۔ اور وہ اپنی بولیاں بھول جائینگے۔ اور ان کے حواس اُڑ جائینگے۔ یہ اثر بھی ظاہری زلزلہ کا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تھوڑی دیر اس کی حرکت رہتی ہے۔ اور اگر پرندے ہوا میں اُڑ جائیں۔ تو انکو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ مگر جنگ میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ بوجہ رات اور دن گولہ باری کے اور درختوں کے کٹ جانے کے جانور ایسے علاقوں میں سے قریباً مفقود ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے حواس اُڑ جاتے ہیں (۵) زلزلہ کے الہامات میں ایک فقرہ کففت عن بنی اسرائیل ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ مَیں نے بنی اسرائیل کو شر سے بچالیا۔ ظاہری زلزلہ سے اس امر کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ان الہامات سے کوئی ایسا ہی واقعہ مراد تھا جس سے بنی اسرائیل کو فائدہ پہنچیگا۔ اور یہ مَیں آگے بیان کروں گا۔ کہ یہ بھی جنگِ عظیم کی علامت تھی۔ جو پُوری ہوئی۔ مَیں یہ بھی بتاؤں گا کہ اس پیشگوئی کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ (۶) الفاظ الہام

سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ہی۔ کیونکہ زلزلہ کے الہامات میں بتایا گیا ہے کہ فرعون وہامان اور اُن کے لشکر غلطی پر تھے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جرمن قیصر کی طرف اشارہ ہے۔ جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا قائم مقام بتاتا تھا جس طرح فرعون اپنی نسبت کہتا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ اور اس کا وزیر شاہ آسٹریا مراد ہے۔ جو اپنی ہستی کوئی نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ جرمن وار لارڈ کے حکم اور اشارہ پر چلتا تھا۔ اگر زلزلہ سے مراد زلزلہ لیں۔ تو ان فرعون وھامان وجنودھما کانوا خاطئین کے معنے کرنے مشکل ہو جاتے ہیں (۷) زلزلہ کے ان الہاموں کے ساتھ انّی مع الافواج اٰتیک بغتۃً کا الہام بھی بار بار ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنگ ہی کی طرف اشارہ ہے (۸) الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ آتش فشاں پہاڑ پھوٹیگا۔ اور اس کے ساتھ عرب کی مصلحتیں وابستہ ہونگی۔ اور وہ گھروں سے نکل کھڑے ہونگے۔ اور یہ مضمون ظاہری زلزلہ پر ہرگز چسپان نہیں ہو سکتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آتش فشان سے مراد وہ طبائع کا مخفی جوش ہے۔ جو کسی واقعہ کی وجہ سے اُبل پڑیگا اور اسوقت عرب بھی دیکھینگے۔ کہ خاموش رہنا اُنکے مصالح کے خلاف ہے۔ اور وہ بھی اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہونگے۔ اور اس موقع سے فائدہ اُٹھالینگے (۹) الہامات میں بتایا گیا ہے۔ کہ اُس دن بادشاہت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوگی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومتوں کے مقابلہ کی طرف ان الہامات میں اشارہ ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ حکومتیں کمزور ہو جائینگی۔ اور خدا اپنی حکومت زوردار نشانوں سے دُنیا پر قائم کریگا (۱۰) ایک الہام یہ ہے کہ پہاڑ گرا۔ اور زلزلہ آیا۔ اور یہ بات بچے تک جانتے ہیں کہ طبعی زلازل پہاڑ گرنے کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوتے۔ بلکہ زلزلوں کے سبب سے پہاڑ گرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ پہاڑ گرنے اور زلزلہ آنے سے طبعی زلازل مُراد نہیں۔ بلکہ استعارۃً کچھ اور مراد ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ کوئی بڑی مُصیبت آئیگی جس کے نتیجہ میں دُنیا میں زلزلہ آئیگا۔ اور لوگ ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگیں گے ۔

(۴) چوتھا ثبوت اِس بات کا کہ زلزلہ سے مُراد کوئی اور آفت تھی۔ یہ ہے کہ انہی دنوں کے دوسرے الہامات بھی ایک جنگِ عظیم کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ جیسے یہ الہام کہ لنگر اُٹھادو۔ یعنی

ہرقوم اپنے بیڑوں کو حکم دیگی۔ کہ وہ ہر وقت سمندر میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ اور اسی طرح یہ الہام کہ "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں"۔ یعنی کثرت سے جہاز اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھرینگے۔ اور بحری جنگ کا موقع تلاش کرینگے ؛

یہ بات ثابت کر دینے کے بعد کہ اس پیشگوئی میں زلزلہ سے مُراد وہ جنگ عظیم ہے۔ جو پچھلے دنوں ہوئی ہے۔ اب میں اس پیشگوئی کے مختلف اجزاء کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کس طرح پورے ہوئے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس پیشگوئی میں یہ بتایا گیا تھا کہ اس کی ابتدا اس طرح ہوگی کہ کوئی مُصیبت نازل ہوگی۔ اور اس کے نتیجہ میں تمام دُنیا پر زلزلہ آئیگا۔ چنانچہ اسی طرح اس جنگ کی ابتداء ہوئی۔ آسٹریا ہنگری کے شہزادے اور بیگم کے قتل کی مُصیبت اس جنگ کے چھڑنے کا باعث ہوئی۔ نہ کہ دُوَل کے سیاسی اختلافات۔ دوسری بات اس پیشگوئی میں یہ بتائی گئی تھی کہ اس آفت عظیمہ کا اثر ساری دُنیا پر ہوگا۔ چنانچہ یہ بات نہایت وضاحت و روشن کی طرح پُوری ہوئی۔ اِس سے پہلے ایک بھی مُصیبت ایسی نہیں آئی جس کا اثر اس وسعت کے ساتھ ساری دُنیا پر پڑے۔ یُورپ تو خود اس جنگ کا مرکز ہی تھا۔ ایشیا بھی اسمیں ملوّث ہُوا۔ چین میں جنگ ہوئی۔ جاپان جنگ میں شریک ہُوا۔ ہندوستان اس جنگ میں شامل ہُوا۔ اور جرمن جہاز نے ہندوستانی ساحلوں پر حملہ کیا۔ ایران میں انگریزی فوجوں کی ترکوں سے جنگ ہوئی۔ اور جرمن قنصل کے ساتھ ایرانیوں کا فساد ہُوا۔ عراق شام فلسطین سائبیریا میں جنگ ہوئی۔ افریقہ میں بھی چاروں کونوں پر جنگ ہوئی۔ جنوبی علاقہ میں سوتھ افریقہ کی حکومت نے جرمن وسٹ افریقہ پر حملہ کیا۔ اور خود جنوبی افریقہ میں بغاوت ہوئی۔ مشرقی افریقہ میں جرمن کی نوآبادی میں جنگ ہوئی۔ مغربی ساحل پر کیمران میں جنگ ہوئی۔ مغربی ساحل پر نہر سویز اور مصر کی سرحد ملحقہ طرابلس پر جنگ ہوئی۔ آسٹریلیشیا کے علاقہ میں جرمن جہاز نے حملہ کیا۔ اور آخر پکڑا گیا۔ اور نیو گائنا میں جنگ ہوئی۔ امریکہ کے ساحل پر انگریزی اور جرمن بیڑوں میں جنگ ہوئی اور کینیڈا اور ریاست ہائے متحدہ جنگ میں شامل ہوئیں۔ اور جنوبی امریکہ کی مختلف ریاستوں نے بھی جرمن کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ غرض دُنیا کا کوئی علاقہ نہیں۔ جو اس جنگ کے اثر سے محفوظ رہا ہو ؛

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی۔ کہ پہاڑ اور شہر اُڑائے جائینگے۔ اور کھیت برباد ہونگے سو ایسا ہی ہُوا۔ بیسیوں پہاڑیاں کثرت گولہ باری اور سُرنگوں کے لگانے سے بالکل مٹ گئیں۔ اور بہت سے شہر برباد ہوئے۔ حتیٰ کہ اربوں روپیہ جرمن کو ان کی دوبارہ آبادی کے لئے دینا پڑا ہے۔ اور اب تک اس غرض کے لئے وہ تاوان ادا کر رہا ہے۔ اور کھیتوں اور باغوں کا جو نقصان ہُوا ہے۔ اس کی تو کچھ حد ہی نہیں رہی۔ جس ملک کی فوج آگے بڑھی۔ اس نے دوسرے ملک کے کھیت اور شہر اُجاڑ دئے۔ اور سبزہ کا نام ونشان نہ باقی چھوڑا۔ اور چونکہ ہزاروں میل پر توپ خانہ کا پھیلاؤ تھا۔ اس سے بھی اس قدر نقصان ہُوا۔ کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ؛

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی۔ کہ جانوروں کے ہوش وحواس اُڑ جائینگے۔ سو ایسا ہی ہُوا جن علاقوں میں جنگ ہو رہی تھی۔ وہاں کے جانور نیست و نابُود ہو گئے ؛

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ زمین اُلٹ پلٹ ہو جائیگی۔ چنانچہ فرانس سرویا اور رُوس کے علاقوں میں گولہ باری کی کثرت سے بعض جگہ اس قدر بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے۔ کہ نیچے سے پانی نکل آیا۔ اور اسی طرح خندقوں کی جنگ کے طریق پر زور دینے کی وجہ سے ملک کا ہر حصہ کُھد گیا۔ اور ایسا ہُوا۔ کہ ان علاقوں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ علاقہ کبھی آباد تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بھٹوں کا نہ ختم ہونیوالا سلسلہ ہے۔ یا پہاڑ کی غاریں ہیں ؛

ایک یہ علامت بتائی گئی تھی کہ ندیوں کے پانی خون سے سُرخ ہو جائینگے۔ اور خون کی ندیاں چلینگی۔ سو بلا مُبالغہ اسی طرح ہُوا۔ بعض دفعہ اس قدر خونریزی ہوتی تھی کہ نالیوں کے پانی فی الواقع میلوں میل تک سُرخ ہو جاتے تھے۔ اور ہر سرحد پر اس قدر جنگ ہوئی کہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ خون کی نالیاں بہ پڑیں ؛

ایک یہ علامت بتائی گئی تھی۔ کہ مُسافروں پر وہ ساعت سخت ہوگی۔ اور بعض ان میں سے راستہ بھُولے پھرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا خشکی پر فوجوں کے پھیل جانے سے اور سمندر میں آبدوز جہازوں کے حملوں سے مُسافروں کو جو تکلیف ہوئی۔ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور جس وقت جنگ شروع ہوئی ہے۔ اسوقت ہزاروں لاکھوں آدمی دشمنوں کے ممالک میں

گھر گئے۔ اور بعض ہزاروں میل کا چکر لگا کر گھروں کو پہنچے۔ اور جنگ کے درمیان بھی بہت دفعہ فوجی سپاہیوں کو بعض ناکوں کے دشمن کے قبضہ میں چلے جانے کی وجہ سے سینکڑوں میل کا سفر کر کے جانا پڑتا تھا۔ اور انگریز سپاہی بوجہ فرانس میں مسافر ہونے کے راستہ بھول جاتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے حوادث کی کثرت کی وجہ سے آخر فرانسیسی زبان میں ان کی رجمنٹوں وغیرہ کے نام تختیوں پر لکھ کر اُن کے گلے میں لٹکائے گئے۔ تاکہ جہاں جائیں وہ تختیاں دکھا کر منزل مقصود پر پہنچ سکیں ؛

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ یورپ جو کچھ عمارت تیار کر رہا ہے۔ اس کو مٹا دیا جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اِس جنگ نے علاوہ ظاہری عمارتوں کے گرانے کے یورپین تمدّن کی بنیادوں کو بھی ہلا دیا ہے۔ اور اب وہ اس جال میں سے نکلنے کے لئے سخت ہاتھ مار رہا ہے۔ جو خود اس کے ہاتھوں نے تیار کیا تھا مگر کامیاب نہیں ہوتا۔ اور یقیناً دُنیا دیکھ لیگی۔ کہ جنگ سے پہلے کا یوروپین تمدّن اب قائم نہیں رہیگا۔ بلکہ اس کی جگہ ایسے طریق اور ایسی رسُومات لے لینگی۔ کہ آخر اُسے اسلام کی طرف توجہ کرنی پڑیگی۔ اور یہ خدا کی طرف سے مقدر ہو چکا ہے۔ کوئی اس امر کو روک نہیں سکتا ؛

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ بنی اسرائیل کو جو تکلیف پہنچ رہی تھی اس سے اسکو بچا لیا جائیگا۔ چنانچہ یہ بات بھی نہایت وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی۔ اسی جنگ کے دوران میں اور اسی جنگ کے باعث سے مسٹر بلفور نے جو اب لارڈ بلفور ہیں اس بات کا اعلان کیا کہ یہودی جو اپنے وطن سے بے وطن پھر رہے ہیں۔ ان کا قومی گھر یعنی فلسطین ان کو دیدیا جائیگا۔ اور اتحادی حکومتیں اس امر کو بھی اپنا نصب العین بنائینگی۔ کہ اس جنگ کے بعد وہ بے انصافی جو ان سے ہوتی چلی آئی ہے۔ دُور کر دی جائے۔ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق جنگ کے بعد فلسطین ترکی حکومت سے علیحدہ کر لیا گیا۔ اور یہود کا قومی گھر قرار دیا گیا۔ اور اب وہاں کی حکومت اس طرز سے چلائی

جاتی ہے کہ کسی دن وہاں یہود کا قومی گھر بن سکے۔ اور چاروں طرف سے وہاں یہودی جمع کئے جاتے ہیں۔ اور یہود کے اس پُرانے مطالبہ کو پُورا کر دیا گیا ہے۔ جو وہ اپنے قومی اجتماع کے متعلق پیش کرتے چلے آرہے تھے ؛

اِس علامت کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ سُورہ بنی اسرائیل میں آتا ہے :۔ وقلنا من بعدہٖ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاۤء وَعْدُ الاٰخرۃ جِئْنا بکم لفیفاً (آخری رکوع) یعنی فرعون کے ہلاک کرنے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس زمین میں رہو۔ پھر جب بعد میں آنیوالی بات کے وعدہ کا وقت آئے گا۔ تو اس وقت ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لے آوینگے۔ بعض مفسّرین نے اس زمین سے مُراد مصر لیا ہے۔ اور بعد میں آنیوالی بات کے وعدہ سے قیامت مگر یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل کو مصر میں رہنے کا حکم کبھی نہیں مِلا۔ بلکہ ارض مقدسہ میں رہنے کا حکم ملا تھا۔ اور وہیں وہ رہے۔ اسی طرح وعد الآخرۃ سے مُراد بھی قیامت نہیں۔ کیونکہ قیامت کا تعلق ارض مقدسہ میں رہنے کے ساتھ کچھ بھی نہیں۔ صحیح معنے یہ ہیں کہ ارض مقدسہ میں رہنے کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ اور پھر یہ کہہ کر کہ جب وعد الآخرہ آئیگا۔ تو ہم پھر تم کو اکٹھا کر کے لے آوینگے۔ اس بات کا اشارہ کیا کہ ایک وقت ایسا آئیگا۔ کہ تمکو یہ جگہ چھوڑنی پڑیگی۔ لیکن وعد الآخرہ کے وقت یعنی مسیح موعود کی بعثت ثانیہ کے وقت ہم تم کو پھر اکٹھا کر کے لے آوینگے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان میں لکھا ہے وعد الاٰخرۃ نزول عیسیٰ من السّماء۔ اسی سُورۃ کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے متعلق دو زمانوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہیں سے دوسرے زمانہ کے متعلق فرماتا ہے :۔ فاذا جاۤء وعد الاٰخرۃ لیسوۤءا وجوھکم ولید خلوا المسجد کما دخلوہ اوّل مرّۃ ولیتبرُوا ما علوا تتبیرا۔ یس جب وعد الآخرہ آگیا تاکہ تمہاری شکلوں کو بگاڑ دیں۔ اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد میں داخل ہوئے تھے اس دفعہ بھی مسجد میں داخل ہوں۔ اور جس چیز پر قبضہ پاویں اُسے ہلاک کر دیں۔ اس آیت سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ وعد الآخرہ سے مُراد وہ زمانہ ہے۔ جو مسیح کے بعد یہود پر آئیگا۔ چونکہ اس وعد الآخرہ کے بعد بجائے جمع کئے جانے کے یہود کو پراگندہ کر دیا گیا تھا۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ دوسری جگہ وعد الآخرہ سے مسیح کے نزول ثانی کے بعد کا زمانہ مُراد ہے۔ اور جئنا بکم لفیفاً سے مُراد یہود کا وہ اجتماع ہے۔ جو اِس وقت فلسطین میں کیا جا رہا ہے۔ ساری دُنیا سے اکٹھا کر کے ان کو وہاں لا کر بسایا جاتا ہے۔ اور حضرت اقدس ؑ کے الہام کففتُ عن بنی اسرائیل سے مُراد اس مخالفت کا دُور ہونا ہے۔ جو اقوام عالم بنی اسرائیل سے رکھتی تھیں۔ اور ان کو کوئی قوم گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتی تھی ؃

ایک علامت اس جنگ کے لئے یہ مقرر کی گئی تھی کہ یہ جنگ بہر حال سولہ[۱۶] سال کے اندر ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۱۹۰۵ء میں اس کے متعلق الہام ہوئے۔ اور ۱۹۱۴ء میں یعنی نو[۹] سال بعد یہ جنگ شروع ہوگئی ؃

ایک علامت اس جنگ کی یہ بتائی گئی تھی کہ تمام بیڑے اسوقت تیار رکھے جائینگے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس جنگ کے دوران میں برسر پیکار قوموں کے علاوہ دوسری حکومتوں کو بھی اپنے بیڑے ہر وقت تیار رکھنے پڑتے تھے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کا بیڑا ان کے سمندر میں کوئی نامناسب بات کر بیٹھے۔ اور ان کو جنگ میں خواہ مخواہ مُبتلا ہونا پڑے اور اس غرض سے بھی کہ تا اپنے حقوق کی حفاظت کریں ؃

ایک علامت اس جنگ کی یہ بتائی گئی تھی کہ جہاز پانی میں اِدھر سے اُدھر چکّر لگائینگے۔ تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں۔ یعنی بحری تیاریاں بھی بڑے زور سے ہونگی۔ اور تمام سمندروں میں کشتیاں چکّر لگاتی پھرینگی۔ چنانچہ جس قدر جہازات اس جنگ میں استعمال ہوئے۔ اور جس قدر سمندروں کا پہرا اس جنگ میں دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ خصوصاً چھوٹے جہازات یعنی ڈسٹرائروں اور آبدوز کشتیوں نے اس جنگ میں اتنا حصّہ لیا ہے۔ جتنا پہلے کبھی نہیں لیا تھا۔ اور الہام میں کشتیوں کے لفظ سے اسی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ اِس جنگ میں بڑے جہازوں

کی نسبت چھوٹے جہازات سے زیادہ کام لیا جائیگا ؃

ایک نشانی اس آفت کی یہ بتائی گئی تھی کہ وہ اچانک آئیگی۔ چنانچہ یہ جنگ بھی ایسی اچانک ہوئی۔ کہ لوگ حیران ہو گئے۔ اور بڑے بڑے مُدبّروں نے اقرار کیا۔ کہ گو وہ ایک جنگ کے منتظر تھے۔ مگر اس قدر جلد اس کے پھوٹ پڑنے کی ان کو اُمید نہ تھی۔ آسٹریلیا کے شہزادہ اور اسکی بیوی کا قتل ہونا تھا کہ سب دُنیا آگ میں کود پڑی ؃

ایک علامت اِس جنگ کی یہ بتائی گئی تھی۔ کہ اس کے دوران میں ایسے مواقع نکلینگے۔ کہ عربوں کے لئے مُفید ہونگے۔ اور عرب ان مواقع سے فائدہ اُٹھائینگے۔ اور سب جنگ کے لئے نکل کھڑے ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ترکوں کے جنگ میں شامل ہونے پر عربوں نے دیکھا۔ کہ وہ قومی آزادی کی خواہش جو صدیوں سے ان کے دلوں میں پیدا ہو ہو کر مر جاتی تھی۔ اس کے پُورا کرنے کا موقع آگیا ہے۔ اور وہ سب یکدم ترکوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فوج در فوج ترکوں کے مقابلہ کے لئے نکل پڑے اور آخر آزادی حاصل کر لی ؃

ایک علامت یہ تھی۔ کہ جس طرح میراذ کر مِٹ گیا ہے۔ اِسی طرح گھر برباد کر دئے جائینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سب سے زیادہ عیّاشی میں مُبتلا علاقہ فرانس کا مشرقی علاقہ تھا۔ تمام یورپ کو شراب وہاں سے بہم پُہنچائی جاتی تھی۔ اور عیش و عشرت کو پسند کرنے والے لوگ کل مغربی ممالک سے وہاں جمع ہوتے۔ سو اس علاقہ کو سب سے زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا۔ جس طرح خدا کا ذکر وہاں سے مِٹ گیا تھا۔ وہاں کے در و دیوار اسی طرح مِٹا دئے گئے ؃

ایک علامت یہ بتائی گئی تھی کہ ہماری فتح ہوگی۔ یعنی جس حکومت کے ساتھ مسیح موعود کی جماعت ہوگی۔ اس کو فتح حاصل ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کی دُعاؤں کے طفیل برطانیہ کو اس خطرناک مُصیبت سے نجات دی۔ اس کے مُدبّر گو یہ خیال کرتے ہونگے۔ کہ ان کی تدبیروں سے یہ فتح ہوئی ہے۔ لیکن اگر واقعات پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ حیرت انگیز اتفاقات انگریزوں کی فتح کا

موجب ہوئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فتح آسمانی دخل اندازی سے ہوئی ہے نہ کہ صرف انسانی تدابیر سے ؛

ایک علامت جو اپنے اندر کئی نشانات رکھتی ہے۔ یہ بتائی گئی تھی کہ اس جنگ میں زار کا حال بہت ہی خراب ہوگا۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی۔ اُسوقت کے حالات اس کے الفاظ کے پُورا ہونے کے بالکل مخالف تھے۔ مگر پیشگوئی پُوری ہوئی۔ تو ہر ایک کے لئے حیرت کا موجب بنی ؛

اِس پیشگوئی میں درحقیقت کئی پیشگوئیاں ہیں۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس آفتِ عظمیٰ تک زار کو کوئی نقصان نہیں پہنچیگا۔ جب یہ جنگ ہوگی اس وقت اس کو صدمہ پہنچیگا لیکن صدمہ اس قسم کا نہیں ہوگا۔ کہ وہ مارا جائے۔ کیونکہ جو شخص مارا جائے اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاتا۔ کہ اس کا حال زار ہے۔ پس الفاظ الہام بتاتے ہیں کہ اس کو موت نہیں آئیگی۔ بلکہ وہ نہایت تکلیف دہ عذابوں میں مُبتلا ہوگا۔ اور پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آفت کے ساتھ ہی زاروں کا خاتمہ ہوجائیگا کیونکہ اس آفت کا مورد کسی خاص شخص کو نہیں۔ بلکہ زار کو بحیثیت عہدہ بتایا گیا ہے۔ اب دیکھئے۔ یہ علامت کِس شان کے ساتھ پُوری ہوئی۔ اس جنگ سے پہلے زار کے خلاف بہت سی منصوبہ بازیاں ہوئیں۔ مگر وہ بالکل محفوظ رہا۔ اس کے بعد یہ جنگ ہوئی۔ اور خدا تعالیٰ کا بنایا ہؤا وقت آگیا۔ تو اس طرح اچانک وہ پکڑا گیا کہ سب لوگ حیران ہیں۔ جیسا کہ حالات سے معلوم ہوتا ہے جس وقت رُوس میں فساد پھُوٹا ہے۔ اسوقت زار رُوس سرحد پر فوجوں کے معائنہ کے لئے گیا تھا۔ اور جب وہ دار الخلافہ سے چلا ہے اس وقت کوئی ایسا فساد نہ تھا۔ لیکن اس کے بعد گورنر کی بعض غلطیوں سے جوش پیدا ہؤا۔ لیکن حکومتوں میں اس قسم کے جوش ہمیشہ ہی پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور اس قدر مضبوطی سے قائم حکومتیں ایسے جوشوں سے یکدم نہیں مِٹ جاتیں مگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اس موقعہ پر کام کر رہا تھا۔ زار رُوس نے لوگوں میں جوش کی حالت معلوم کرکے گورنر کو سختی کرنے کا حکم دیدیا۔ مگر اس دفعہ سختی نے خلاف معمول اثر کیا۔ لوگوں کا جوش اور بھی بڑھ گیا

بادشاہ نے اس گورنر کو بدل کر ایک اور گورنر مقرر کردیا۔ اور خود دار الخلافہ کی طرف چلا تاکہ اس کے جانے سے لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔ مگر راستہ میں اُسے اِطلاع ملی۔ کہ لوگوں کا جوش تیزی پر ہے۔ اور یہ کہ اس کو اسوقت دار الخلافہ کی طرف نہیں آنا چاہیئے مگر بادشاہ نے اس نصیحت کی پرواہ نہ کی۔ اور خیال کیا کہ اس کی موجودگی میں کوئی شور نہیں ہوسکتا۔ اور آگے بڑھتا گیا۔ کچھ ہی دُور آگے ٹرین گئی تھی۔ کہ معلوم ہؤا۔ بغاوت ہوگئی ہے۔ اور باغیوں نے دفاتر وزارت پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور ملکی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ یہ سب کچھ ایک دِن میں ہؤا یعنی بارہ ۱۲ مارچ ۱۹۱۷ء کی صبح سے شام تک دُنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ اختیار رکھنے والا بادشاہ جو اپنے آپ کو زار کہتا تھا۔ یعنی کِسی کی حکومت نہ ماننے والا اور سب پر حکومت کرنیوالا وہ حکومت سے بے دخل ہوکر اپنی رعایا کے ماتحت ہوگیا۔ اور پندرہ ۱۵ مارچ کو مجبوراً اُسے اپنے ہاتھ سے یہ اعلان لِکھنا پڑا کہ وہ اور اس کی اولاد تخت رُوس سے دست بردار ہوتی ہے۔ اور حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق زاروں کے خاندان کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ مگر ابھی اللہ تعالےٰ کے کلام کے بعض حصّے پُورے ہونے باقی تھے۔ نکولس ثانی نے یہ سمجھا تھا کہ وہ حکومت سے بے دخل ہوکر اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی جان بچا لیگا اور خاموشی سے اپنی ذاتی جائیدادوں کی آمدن پر اپنا گذارہ کریگا۔ مگر اس کا یہ ارادہ پُورا نہ ہوسکا۔ پندرہ کو وہ حکومت سے دست بردار ہؤا۔ اور اکیس ۲۱ مارچ کو اُسے قید کرکے زار سکو سیلو بھیجدیا گیا۔ اور بائیس کو امریکہ نے باغی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ اور چوبیس کو انگلستان فرانس اور اٹلی نے باغیوں کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ اور زار کی سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ کیونکہ اُس نے دیکھ لیا۔ کہ اُس کی دوست حکومتیں جن کی مدد پر اُسے بھروسہ تھا۔ اور جن کے لئے وہ جرمن سے جنگ کر رہا تھا۔ انہوں نے ایک ہفتہ کے اندر اندر اُسکی باغی رعایا کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ اور اسکی تائید میں کمزور آواز بھی نہ اُٹھائی مگر اس تکلیف سے زیادہ تکالیف اُس کے لئے مقدر تھیں۔ تاکہ وہ اپنی زار حالت سے خدا کے کلام کو پُورا کرے۔ گو وہ اسوقت تک قید ہوچکا تھا۔ مگر رُوس کی حکومت کی باگ ایک

موجب ہوئے ہیں۔جس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ یہ فتح آسمانی دخل اندازی سے ہوئی ہے نہ کہ صرف انسانی تدابیر سے ؏

ایک علامت جو اپنے اندر کئی نشانات رکھتی ہے۔یہ بتائی گئی تھی کہ اس جنگ میں زار کا حال بہت ہی خراب ہوگا۔جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی۔اُسوقت کے حالات اس کے الفاظ کے پُورا ہونے کے بالکل مخالف تھے۔مگر پیشگوئی پُوری ہوئی۔تو ہر ایک کے لئے حیرت کا موجب بنی ؏

اِس پیشگوئی میں درحقیقت کئی پیشگوئیاں ہیں۔اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس آفت عظمیٰ تک زار کو کوئی نقصان نہیں پہنچیگا۔جب یہ جنگ ہوگی اس وقت اس کو صدمہ پہنچیگا لیکن صدمہ اس قسم کا نہیں ہوگا۔کہ وہ مارا جائے۔کیونکہ جو شخص مارا جائے اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاتا۔کہ اس کا حال زار ہے پس الفاظ الہام بتاتے ہیں کہ اس کو موت نہیں آئیگی۔بلکہ وہ نہایت تکلیف دہ عذابوں میں مُبتلا ہوگا۔اور پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آفت کے ساتھ ہی زاروں کا خاتمہ ہوجائیگا کیونکہ اس آفت کا مورد کسی خاص شخص کو نہیں۔بلکہ زار کو بحیثیت عہدہ بتایا گیا ہے۔اب دیکھئے۔یہ علامت کس شان کے ساتھ پُوری ہوئی۔اس جنگ سے پہلے زار کے خلاف بہت سی منصوبہ بازیاں ہوئیں۔مگر وہ بالکل محفوظ رہا۔اس کے بعد یہ جنگ ہوئی۔اور خدا تعالیٰ کا بنایا ہؤا وقت آگیا۔تو اس طرح اچانک وہ پکڑا گیا کہ سب لوگ حیران ہیں۔جیسا کہ حالات سے معلوم ہوتا ہے جس وقت رُوس میں فساد پھُوٹا ہے۔اسوقت زار روس سرحد پر فوجوں کے معائنہ کے لئے گیا تھا۔اور جب وہ دارالخلافہ سے چلا ہے اس وقت کوئی ایسا فساد نہ تھا لیکن اس کے بعد گورنر کی بعض غلطیوں سے جوش پیدا ہؤا۔لیکن حکومتوں میں اس قسم کے جوش ہمیشہ ہی پیدا ہوجاتے ہیں۔اور اس قدر مضبوطی سے قائم حکومتیں ایسے جوشوں سے یکدم نہیں مِٹ جاتیں مگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ اس موقعہ پر کام کر رہا تھا۔زار رُوس نے لوگوں میں جوش کی حالت معلوم کر کے گورنر کو سختی کرنے کا حکم دیدیا۔مگر اس دفعہ سختی نے خلاف معمول اثر کیا۔لوگوں کا جوش اور بھی بڑھ گیا

بادشاہ نے اس گورنر کو بدل کر ایک اور گورنر مقرر کردیا۔اور خود دارالخلافہ کی طرف چلا تاکہ اس کے جانے سے لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔مگر راستہ میں اُسے اِطلاع ملی۔کہ لوگوں کا جوش تیزی پر ہے۔اور یہ کہ اس کو اسوقت دارالخلافہ کی طرف نہیں آنا چاہیئے مگر بادشاہ نے اس نصیحت کی پرواہ نہ کی۔اور خیال کیا کہ اس کی موجودگی میں کوئی شور نہیں ہوسکتا۔اور آگے بڑھتا گیا۔کچھ ہی دُور آگے ٹرین گئی تھی۔کہ معلوم ہؤا۔بغاوت ہوگئی ہے۔اور باغیوں نے دفاتر وزارت پر قبضہ کرلیا ہے۔اور ملکی حکومت قائم ہوگئی ہے۔یہ سب کچھ ایک دِن میں ہؤا یعنی بارہ ۱۲ مارچ ۱۹۱۷ء کی صبح سے شام تک دُنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ اختیار رکھنے والا بادشاہ جو اپنے آپ کو زار کہتا تھا۔یعنی کسی کی حکومت نہ ماننے والا اور سب پر حکومت کرنیوالا وہ حکومت سے بے دخل ہو کر اپنی رعایا کے ماتحت ہوگیا۔اور پندرہ ۱۵ مارچ کو مجبوراً اُسے اپنے ہاتھ سے یہ اعلان لکھنا پڑا کہ وہ اور اس کی اولاد تخت رُوس سے دست بردار ہوتی ہے۔اور حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی کے مطابق زاروں کے خاندان کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔مگر ابھی اللہ تعالےٰ کے کلام کے بعض حصّے پُورے ہونے باقی تھے۔نکولس ثانی نے یہ سمجھا تھا کہ وہ حکومت سے بے دخل ہو کر اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی جان بچا لیگا اور خاموشی سے اپنی ذاتی جائیدادوں کی آمدن پر اپنا گذارہ کریگا۔مگر اس کا یہ ارادہ پُورا نہ ہوسکا۔پندرہ کو وہ حکومت سے دست بردار ہؤا۔اور اکیس ۲۱ مارچ کو اُسے قید کر کے زار سکو سیلو بھیجدیا گیا۔اور بائیس کو امریکہ نے باغی حکومت کو تسلیم کرلیا اور چوبیس کو انگلستان فرانس اور اٹلی نے باغیوں کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔اور زار کی سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔کیونکہ اُس نے دیکھ لیا۔کہ اُس کی دوست حکومتیں جن کی مدد پر اُسے بھروسہ تھا۔اور جن کے لئے وہ جرمن سے جنگ کر رہا تھا۔انہوں نے ایک ہفتہ کے اندر اندر اُسکی باغی رعایا کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔اور اسکی تائید میں کمزور آواز بھی نہ اُٹھائی مگر اس تکلیف سے زیادہ تکالیف اُس کے لئے مقدر تھیں۔تاکہ وہ اپنی زار حالت سے خدا کے کلام کو پُورا کرے۔گو وہ اسوقت تک قید ہوچکا تھا۔مگر رُوس کی حکومت کی باگ ایک

شاہی خاندان کے شہزادہ دِلواؤ کے ہاتھ میں تھی جس کی وجہ سے قید میں اسکے ساتھ احترام کا سلوک ہو رہا تھا۔ اور وہ اپنے بیوی بچوں سمیت باغبانی اور اسی قسم کے دوسرے شغلوں میں وقت گذارتا تھا مگر جولائی میں اس شہزادہ کو بھی علیحدہ ہونا پڑا۔ اور کرنسکی کے ہاتھ حکومت کی باگ دیگئی۔ اور قید کی سختیاں بڑھ گئیں۔ مگر پھر بھی انسانیت کی حدود سے آگے نہیں نکلیں۔ لیکن سات نومبر کو بولشوک بغاوت نے کرنسکی کی حکومت کو بھی بے دخل کر دیا۔ اور زار کی وہ خطرناک حالت شروع ہوئی۔ جسے سُنکر ایک سنگدل سے سنگ دل انسان بھی کانپ جاتا ہے۔ زارسکوسیلو کے شاہی محل سے نکالکر اُسے مختلف جگہوں میں رکھا گیا۔ اور آخر اس کو ان مظالم کی یاد دلانے کے لئے جو وہ سائبیریا کی قید کے ذریعہ اپنی بے کس رعایا پر کیا کرتا تھا۔ ایکٹیرن برگ بھیجدیا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ جو جبل یورال کی مشرقی طرف واقع ہے۔ اور ماسکو سے چودہ سو چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور اس جگہ وہ سب مشینیں تیار ہوتی ہیں۔ جو سائبیریا کی کانوں میں جہاں رُوسی پولٹیکل قیدی کام کیا کرتے تھے۔ اِستعمال کی جاتی ہیں۔ گویا ہر وقت اس کے سامنے اس کے اعمال کا نقشہ رکھا رہتا تھا۔

صرف ذہنی عذابوں پر ہی اکتفا نہیں کی گئی۔ بلکہ سوویٹ نے اُس کے کھانے اور پینے میں بھی تنگی کرنی شروع کی۔ اور اُس کے بیمار بچّہ کو وحشی سپاہی اُس کے اور اسکی بیوی کے سامنے نہایت بیدردی سے مارتے اور اُس کی بیٹیوں کو بھی نہایت ظالمانہ طور سے دق کرتے۔ لیکن ان مظالم سے ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا۔ اور وہ نئی سے نئی ایجادیں کرتے۔ آخر ایک دن ماں کو سامنے کھڑا کر کے اُس کی نوجوان لڑکیوں کی جبراً عصمت دری کی گئی۔ اور جب زاریہ اپنا مُنہ روتے ہوئے دوسری طرف کر لیتی تو ظالم سپاہی سنگینیں مار کر اس کو مجبور کرتے کہ وہ اُدھر منہ کر کے دیکھے۔ جدھر ظالم وحشیوں کا گروہ انسانیت سے گری ہوئی کارروائیوں میں مشغول تھا۔ اسی قسم کے مظالم کو دیکھتا ہوا اور اس سے زیادہ سختیاں برداشت کرتا ہوا جتنی کہ شاید کبھی بھی کسی شخص پر نازل نہ ہوئی ہونگی۔ ۱۶ر جولائی ۱۹۱۸ء کو زار معہ اپنے خاندان کے نہایت

سخت عذاب کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اور خدا کے نبی کی بات پُوری ہوئی کہ "زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحال زار"۔

زار دُکھوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتا ہوا مر گیا۔ جنگ ختم ہو گئی۔ قیصر اور آسٹریا کا بادشاہ اپنی حکومتوں سے بے دخل ہو گئے۔ شہر ویران ہو گئے۔ پہاڑ اُڑ گئے۔ لاکھوں آدمی مارے گئے۔ خون کی ندیاں بہ گئیں۔ دُنیا تہ و بالا ہو گئی۔ مگر افسوس کہ دُنیا ابھی خدا کے فرستادہ کی صداقت کی دلیل طلب کر رہی ہے۔ خدا کے خزانے عذاب سے بھی خالی نہیں جس طرح کہ رحمت سے خالی نہیں۔ مگر مبارک ہیں وہ جو وقت پر سمجھ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے لڑنے کی بجائے اُس سے صُلح کرنے کیلئے دوڑتے ہیں۔ اور اُس کے نشانوں پر اندھوں کی طرح نہیں گذرتے۔ خدا کی ان پر رحمتیں ہوتی ہیں۔ اور اسکی برکتوں سے وہ حصّہ پاتے ہیں۔ اور دُنیا کے لئے مُبارک ہو جاتے ہیں۔

دسویں پیشگوئی ۱۰

قادیان کی ترقی کا نشان

اس وقت تک تو مَیں نے وہ نشان بیان کئے ہیں۔ جو یا تو صرف انذار کا پہلو رکھتے تھے یا دونوں پہلوؤں پر مشتمل تھے۔ اَب مَیں تین ایسے نشان بیان کرتا ہوں۔ جو خالص تبشیر کا پہلو اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ تین مثالیں جو مَیں بیان کروں گا۔ یہ بھی ایسی ہی ہیں کہ بوجہ اپنی عمومیت کے دوست اور دشمن میں شایع ہیں۔ اور ہر مذہب و ملّت کے لوگوں میں سے اس کے گواہ مِل سکتے ہیں۔ اور اس وقت سے کہ ان کا علم خدا تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ حضرت اقدسؑ کی کتب و ڈائریوں میں شایع ہوتی چلی آئی ہیں۔

سب سے پہلے مَیں اس پیشگوئی کا ذکر کرتا ہوں۔ جو قادیان کی ترقی کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ حضرت اقدسؑ کو بتایا گیا تھا۔ کہ قادیان کا گاؤں ترقی کرتے کرتے

ایک بہت بڑا شہر ہو جائیگا۔ جیسے کہ بمبئی یا کلکتہ کے شہر ہیں۔ گویا نو دس لاکھ کی آبادی تک پہنچ جائیگا۔ اور اس کی آبادی شمالاً و شرقاً پھیلتے ہوئے بیاس تک پہنچ جائیگی۔ جو قادیان سے نو۹ میل کے فاصلہ پر بہنے والے ایک دریا کا نام ہے۔ یہ پیشگوئی جب شائع ہوئی ہے۔ اُس وقت قادیان کی حالت یہ تھی۔ کہ اس کی آبادی دو۲ ہزار کے قریب تھی۔ سوائے چند ایک پختہ مکانات کے باقی سب مکانات کچے تھے۔ مکانوں کا کرایہ اِتنا گرا ہوا تھا۔ کہ چار پانچ آنہ ماہوار پر مکان کرایہ پر مل جاتا تھا۔ مکانوں کی زمین اِس قدر ارزاں تھی کہ دس بارہ روپیہ کو قابل رہائش مکان بنانے کے لئے زمین مل جاتی تھی۔ بازار کا یہ حال تھا کہ دو تین روپیہ کا آٹا ایک وقت میں نہیں مل سکتا تھا۔ کیونکہ لوگ زمیندار طبقہ کے تھے۔ اور خود دانے پیس کر روٹی پکاتے تھے۔ تعلیم کے لئے ایک مدرسہ سرکاری تھا۔ جو پرائمری تک تھا۔ اور اسی کا مدرس کچھ الاؤنس لیکر ڈاکخانہ کا کام کر دیا کرتا تھا۔ ڈاک ہفتہ میں دو۲ دفعہ آتی تھی۔ تمام عمارتیں فصیل قصبہ کے اندر تھیں۔ اور اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کے ظاہری کوئی سامان نہ تھے۔ کیونکہ قادیان ریل سے گیارہ۱۱ میل فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اس کی سڑک بالکل کچّی ہے۔ اور جن ملکوں میں ریل ہو۔ ان میں اس کے کناروں پر جو شہر واقع ہوں۔ انہی کی آبادی بڑھتی ہے۔ کوئی کارخانہ قادیان میں نہ تھا۔ کہ اس کی وجہ سے مزدوروں کی آبادی کے ساتھ شہر کی ترقی ہو جائے۔ کوئی سرکاری محکمہ قادیان میں نہ تھا۔ کہ اس کی وجہ سے قادیان کی ترقی ہو۔ نہ ضلع کا مقام تھا۔ نہ تحصیل کا حتیٰ کہ پولیس کی چوکی بھی نہ تھی۔ قادیان میں کوئی منڈی بھی نہ تھی۔ کہ جس کی وجہ سے یہاں کی آبادی ترقی کرتی۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی ہے۔ اس وقت حضرت اقدسؑ کے مُرید بھی چند سَو سے زیادہ نہ تھے۔ کہ ان کو حکماً لاکر یہاں بسا دیا جاتا۔ تو شہر بڑھ جاتا ؛

بے شک کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ آپؑ نے دعویٰ کیا تھا۔ اِس لئے اُمید تھی کہ آپ کے مُرید آکر یہاں بس جائینگے۔ لیکن اوّل تو کون کہہ سکتا تھا کہ اسقدر مُرید ہو جائینگے جو قادیان کی آبادی کو آکر بڑھا دینگے۔ دوم۲۔ اس کی مثال کہاں ملتی ہے کہ مُرید اپنے

کام کاج چھوڑ کر پیر ہی کے پاس آبیٹھیں۔ اور وہیں آکر اپنا گھر بنا لیں۔ حضرت مسیح ناصری کا مولد ناصرہ اب تک ایک گاؤں ہے۔ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ احمد صاحب سرہندی بہاؤ الدین صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہم جو معمولی قصبات میں پیدا ہوئے۔ یا وہاں جا کر بسے۔ اُن کے مولد یا مسکن ویسے کے ویسے ہی رہے۔ ان میں کوئی ترقی نہ ہوئی یا اگر ہوئی۔ تو ایسی معمولی ترقی جو ہمیشہ ترقی کے زمانہ میں ہوتی ہے۔ شہروں کا بڑھانا تو ایسا مشکل ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بادشاہ بھی اگر اقتصادی پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے شہر بساتے ہیں تو اُن کے بسائے ہوئے شہر ترقی نہیں کرتے۔ اور کچھ دنوں بعد اُجڑ جاتے ہیں۔ اور قادیان موجودہ اقتصادی پہلو کو مدّنظر رکھتے ہوئے نہایت خراب جگہ واقع ہے۔ نہ تو ریل کے کنارہ پر ہے۔ کہ لوگ وہاں تجارت کی خاطر آکر بس جائیں۔ اور نہ ریل سے اس قدر دُور ہے کہ لوگ بوجہ ریل سے دُور ہونے کے اسی کو اپنا تمدّنی مرکز قرار دے لیں۔ پس اسکی آبادی کا ترقی پانا بظاہر حالات بالکل ناممکن تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ قادیان کسی دریا یا نہر کے کنارہ پر بھی واقع نہیں کہ یہ دو نو چیزیں بھی بعض دفعہ تجارت کے بڑھانے اور تجارت کو ترقی دیکر قصبہ کی آبادی کے بڑھانے میں ممد ہوتی ہیں ؛

غرض بالکل مخالف حالات میں اور بلا کسی ظاہری سامان کی موجودگی کے حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے پیشگوئی کی۔ کہ قادیان بہت ترقی کر جائیگا۔ اس پیشگوئی کے شایع ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی جماعت کو بھی ترقی دینی شروع کر دی۔ مگر ساتھ ہی ان کے دلوں میں یہ خواہش بھی پیدا کرنی شروع کر دی۔ کہ وہ قادیان آکر بسیں۔ اور لوگوں نے بلا کسی تحریک کے شہروں اور قصبات کو چھوڑ کر قادیان آکر بسنا شروع کر دیا اور ان کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی آکر یہاں بسنا شروع کر دیا۔ ابھی اس پیشگوئی کے پُوری طرح پُورا ہونے میں تو وقت ہے۔ مگر جس حد تک یہ پیشگوئی پُوری ہو چکی ہے۔ وہ بھی حیرت انگیز ہے۔ اسوقت قادیان کی آبادی ساڑھے چار ہزار یعنی دُگنی سے بھی زیادہ ہے۔ فصیل کی جگہ پر مکانات بنکر قصبہ نے باہر کی طرف پھیلنا شروع کر دیا ہے

اور اس وقت قصبہ کی پُرانی آبادی سے قریباً ایک میل تک نئی عمارات بن چکی ہیں۔ اور بڑی بڑی پختہ عمارات اور کھُلی سڑکوں نے ایک چھوٹے سے قصبہ کو ایک شہر کی حیثیت دیدی ہے۔ بازار نہایت وسیع ہو گئے ہیں۔ اور ہزاروں کا سَودا انسان جسوقت چاہے خرید سکتا ہے پرائمری سکول کی بجائے دوؔ ہائی سکول بنگئے ہیں جسمیں سے ایک ہندوؤں کا سکول ہے۔ ایک گرل سکول ہے۔ ایک علوم دینیہ کا کالج ہے۔ ڈاک خانہ جس میں ہفتہ میں دوؔ دفعہ ڈاک آتی تھی۔ اور سکول کا مدرس الاؤنس لیکر اس کا کام کر دیا کرتا تھا۔ اب اسمیں سات آٹھ آدمی سارا دن کام کرتے ہیں۔ تب جاکر کام ختم ہوتا ہے۔ اور تار کا انتظام ہو رہا ہے۔ ایک ہفتہ میں دو بار نکلنے والا اخبار شائع ہوتا ہے۔ دوؔ ہفتہ وار اُردو اور ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار شائع ہوتے ہیں۔ ایک پندرہ روزہ اخبار شائع ہوتا ہے۔ اور دوؔ ماہوار رسالے شائع ہوتے ہیں۔ پانچ پریس جاری ہیں جنمیں سے ایک مشین پریس ہے۔ بہت سی کتب ہر سال شایع ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کی ڈاک اِدھر اُدھر ہوجائے تو ہوجائے۔ مگر قادیان کا نام لکھ کر خط ڈالیں سیدھا یہیں آکر پہنچتا ہے۔ غرض نہایت مخالف حالات میں قادیان نے وہ ترقی کی ہے۔ کہ اسکی مثال دُنیا کے پردہ پر کسی جگہ بھی نہیں مل سکتی۔ اقتصادی طور پر شہروں کی ترقیات کیلئے جس قدر اصول مقرر ہیں۔ اُن سب کے علی الرغم اس نے ترقی حاصل کر کے خدا کے کلام کی صداقت کو ظاہر کیا ہے۔ جس سے وہ لوگ جو قادیان کی پہلی حالت کو اور اس کے مقام کو جانتے ہیں۔ خواہ وہ غیر مذہب کے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس بات کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بیشک یہ "غیر معمولی اتفاق" ہے۔ مگر افسوس لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ کیا سب غیر معمولی اتفاق مرزا صاحبؑ ہی کے ہاتھ پر جمع ہو جاتے تھے۔

گیارھویں پیشگوئی

نُصرتِ مالی کے متعلق پیشگوئی

تبشیری پیشگوئیوں میں سے دوسری مثال کے طور پر میں اس پیشگوئی کو پیش کرتا ہوں

جو آپؑ کی مالی امداد کے متعلق کیگئی تھی۔ یہ پیشگوئی عجیب حالات اور عجیب رنگ میں کی گئی تھی۔ اور درحقیقت آپؑ کی عظیم الشان پیشگوئیوں میں سب سے پہلی تھی۔ اِسکی تفصیل یوں ہے کہ ایک دفعہ آپؑ کے والد صاحب بیمار ہوئے۔ اسوقت تک آپؑ کو الہام ہونے شروع نہ ہوئے تھے۔ ایک دن جبکہ آپؑ کے والد کی بیماری بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ جاتی رہی ہے صرف کسی قدر زحیر کی شکایت باقی تھی۔ آپؑ کو سب سے پہلا الہام والسّماءِ والطارق ہوُا۔ چونکہ طارق رات کے آنیوالے کو کہتے ہیں۔ اِسلئے آپؑ نے سمجھ لیا کہ آج رات پڑنے پر والد صاحب فوت ہو جائینگے۔ اور یہ الہام بطریق ماتم پرسی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بکمال شفقت آپؑ سے کی ہے۔ اور آپؑ سے آنیوالی تکلیف میں اظہار ہمدردی کیا ہے۔ چونکہ بہت سی آمدنیاں آپ کے خاندان کی آپؑ کے والد صاحب کی زندگی تک ہی تھیں کیونکہ اُن کو پنشن اور انعام مِلا کرتا تھا۔ اور اس طرح بہت سی جائداد اُن کی زندگی تک ہی ان کے پاس تھی۔ اِس لئے اِس الہام کے ہونے پر بوجہ بشریّت آپؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوُا۔ کہ جب والد صاحب فوت ہو جائینگے۔ تو ہماری آمدن کے کئی راستے بند ہو جائینگے۔ سرکاری پنشن اور انعام بھی بند ہو جائے گا۔ اور جائداد کا بھی اکثر حصّہ شرکاء کے ہاتھوں میں چلا جائیگا۔ اِس خیال کا آنا تھا کہ فوراً دوسرا الہام ہوُا۔ جو ایک بڑی پیشگوئی پر مشتمل تھا۔ اور اس کے الفاظ یہ تھے کہ الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہٗ۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی نہ ہوگا۔ اِس الہام میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کے تکفل اور آپ کی ضروریات کے پُورا کرنے کا وعدہ تھا۔ آپؑ نے اس الہام کو فوراً مُہر پر کندہ کروالیا۔ تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کے گواہ رہیں۔ کئی ہندوؤں اور مسلمانوں کو اسکی اطلاع دیدی۔ اور ایک ہندو صاحب کو جو اب تک زندہ ہیں امرتسر بھیجکر اس مُہر کو کندہ کروایا۔ اور اس طرح سینکڑوں آدمی اس الہام سے واقف ہو گئے۔

اِس الہام کی حقیقت کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ سامان کیا کہ آپؑ کے خاندان میں کچھ تنازعات ہو گئے۔ اور ان کی وجہ سے آپؑ کی جائداد کے متعلق خاندان ہی میں سے بہت سے دعویدار کھڑے ہو گئے۔ آپؑ کے بڑے

بھائی جائداد کے منتظم تھے۔ اُن کا رشتہ داروں سے کچھ اختلاف ہوگیا۔ آپ نے ان کو مشورہ دیا کہ ان سے حُسن سلوک کرنا چاہیئے۔ مگر انھوں نے آپ کے مشورہ کو قبول نہ کیا۔ آخر عدالت تک نوبت پہنچی۔ اور انھوں نے آپ سے دُعا کے لئے کہا۔ آپ نے دُعا کی۔ تو معلوم ہُوا کہ شرکا جیتینگے۔ اور آپ کے بھائی صاحب ہارینگے۔ آخر اسی طرح ہُوا۔ جائداد کا دو تہائی سے زیادہ حصّہ شرکا کو دیا گیا۔ اور آپ کے بھائی صاحب اور آپ کے حصّہ میں نہایت قلیل حصّہ آیا گویہ جائداد جو آپ کے حصّہ میں آئی۔ آپ کی ضروریات کے لئے تو کافی تھی مگر جو کام آپ کرنیوالے تھے اُس کے لئے یہ آمدن کافی نہ تھی۔ اسوقت آپ اسلام کی اشاعت کے لئے اس عظیم الشان کتاب کی تیاری میں مشغول تھے جس کا نام براہین احمدیّہ ہے۔ اور جس کے لئے مقدر تھا کہ مذہبی دُنیا میں ہل چل مچادے۔ اور اس کتاب کی اشاعت کے لئے ایک رقم کثیر کی ضرورت تھی۔ اس نا اُمیدی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اُمید کے دروازے کھولدئے۔ اور ایسے لوگوں کے دلوں میں تحریک پیدا کردی۔ جو دین سے چنداں تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اور اس کتاب کی اشاعت کے لئے سامان بہم پہنچادیا۔ مگر اس کتاب کے چار حصّے ہی ابھی شائع ہوئے تھے کہ اخراجات اور بھی بڑھ گئے۔ کیونکہ جس طرف سے آپ حملہ کا رُخ پھیرنا چاہتے تھے اُدھر سے تو رُخ پھر گیا۔ مگر خود آپ کے خلاف لوگوں میں جوش پیدا ہوگیا۔ اور کیا ہندو اور کیا مسیحی اور کیا سکھ صاحبان سب ملکر آپ پر حملہ آور ہوئے۔ اور آپ کے الہامات پر تمسخر شروع کردیا۔ اُن کی غرض تو یہ تھی۔ کہ ان الہامات کی عظمت کو صدمہ پہنچے۔ تو وہ اثر جو آپ کی کتابوں سے لوگوں کے دلوں پر پڑا ہے۔ زائل ہو جائے۔ اور اسلام کے مقابلہ پر ان کو شکست نصیب نہ ہو۔ مگر مُسلمانوں میں سے بھی بعض حاسد آپ کی مخالفت پر کھڑے ہوگئے۔ اور گویا ایک ہی وقت میں چاروں طرف سے حملہ شروع ہوگیا۔ اور اِس بات کا آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس شخص پر اپنے اور بیگانے حملہ آور ہو جائیں۔ اُس کیلئے کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ پس لوگوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے اور اسلام کی شان کو قائم رکھنے کیلئے کثیر مال کی ضرورت پیش آئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِس کا بھی سامان پیدا کردیا۔ اِس کے بعد تیسرا تغیر" شروع ہُوا۔ یعنی آپ کو

اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ آپ ہی مسیح موعود ہیں۔ اور پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اس دعویٰ پر وہ لوگ بھی جو اس وقت تک آپ کے ساتھ تھے۔ جُدا ہوگئے۔ اور کل چالیس آدمیوں نے آپ کی بیعت کی۔ اس وقت گویا عملاً ساری دُنیا سے جنگ شروع ہوگئی۔ اور جو لوگ پہلے مددگار تھے انھوں نے بھی مخالفت میں اپنا زور خرچ کرنا شروع کردیا۔ اب تو اخراجات اندازہ سے زیادہ بڑھنے شروع ہوگئے ایک تو مخالفوں کے اعتراضات کے جواب شائع کرنے دوسرے اپنے دعوے کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا اور اس کے دلائل دینے تیسرے چھوٹے چھوٹے اشتہارات تقسیم کرنے تا کہ تمام ملک کو آپ کے دعوے پر اطلاع ہو جائے۔ یہی اخراجات بہت تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے اخراجات کے دروازے بھی کھولدئے۔ یعنی آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ مہمان خانہ قادیان میں تعمیر کریں۔ اور لوگوں میں اعلان کریں۔ کہ وہ قادیان آکر آپ کے مہمان ٹھہریں اور دینی معلومات کو زیادہ کریں۔ یا اگر کوئی شکوک ہوں۔ تو ان کو رفع کریں۔ سب مددگاروں کا جُدا ہو جانا۔ اور اشاعت کے کام کا وسیع ہو جانا اور پھر اسپر مزید بوجھ مہمان خانہ کی تعمیر اور مہمانداری کے اخراجات کا ایسی مشکلات کے پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا تھا کہ سارا کام درہم برہم ہو جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان چند درجن آدمیوں کے دل میں جو آپ کے ساتھ تھے۔ اور جنمیں سے کوئی شخص بھی مالدار نہیں کہلا سکتا۔ اور اکثر نہایت مسکین آدمی تھے۔ ایسا اخلاص پیدا کردیا کہ اُنہوں نے ہر قسم کی تکلیف برداشت کی لیکن دین کے کام میں ضعف نہ پیدا ہونے دیا۔ اور درحقیقت یہ اُن کی ہمّت کام نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ الیس اللہ بکاف عبدہٗ کام کر رہا تھا ؂

یہ وُہ زمانہ تھا۔ جبکہ احمدی جماعت پر چاروں طرف سے سختی کی جاتی تھی۔ مولویوں نے فتویٰ دیدیا تھا کہ احمدیوں کا قتل کردینا۔ ان کے گھروں کو لوٹ لینا۔ ان کی جائداد کا چھین لینا ان کی عورتوں کا بلا طلاق دوسری جگہ پر نکاح کردینا جائز ہی نہیں بلکہ موجب ثواب ہے۔ اور شریر اور بدمعاش لوگ جو اپنی طمع اور حرص کے اظہار کے لئے بہانے

تلاش کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے عملاً اس فتویٰ پر عمل شروع کر دیا تھا۔ احمدی گھروں سے نکالے جا رہے تھے۔ ملازمتوں سے برطرف کئے جا رہے تھے۔ ان کی جائدادوں پر جبراً قبضہ کیا جا رہا تھا۔ اور کئی لوگ ان مخمصوں سے خلاصی کی کوئی صورت نہ پاکر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور چونکہ ہجرت کی جگہ ان کیلئے قادیان ہی تھی۔ انکو قادیان آنے پر مہمانداری کے اخراجات اور بھی ترقی کر گئے تھے۔ اسوقت جماعت ایک دو ہزار آدمیوں تک ترقی کر چکی تھی مگر انمیں سے ہر ایک دشمنوں کے حملوں کا شکار ہو رہا تھا ایک دو ہزار آدمی جو ہر وقت اپنی جان اور اپنی عزت اور اپنی جائداد اور اپنے مال کی حفاظت کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ اور رات اور دن لوگوں کے ساتھ مباحثات اور جھگڑوں میں مشغول ہوں۔ ان کا تمام دُنیا میں اشاعت اسلام کے لئے روپیہ بہم پہنچانا اور دین سیکھنے کی غرض سے قادیان آنیوالوں کی مہمانداری کا بوجھ اٹھانا اور پھر اپنے مظلوم مہاجر بھائیوں کے اخراجات برداشت کرنا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ سینکڑوں آدمی دونوں وقت جماعت کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ اور بعض غرباء کی دوسری ضروریات کا بھی انتظام کرنا پڑتا تھا۔ ہجرت کرکے آنے والوں کی کثرت اور مہمانوں کی زیادتی سے مہمان خانہ کے علاوہ ہر ایک گھر مہمان خانہ بنا ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر کی ہر ایک کوٹھری ایک مستقل مکان تھا جس میں کوئی نہ کوئی مہمان یا مہاجر خاندان رہتا تھا غرض بوجھ انسانی طاقت برداشت سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ ہر صبح جو چڑھتی اپنے ساتھ تازہ ابتلاء اور تازہ ذمہ واریاں لاتی۔ اور ہر شام جو پڑتی۔ اپنے ساتھ تازہ ابتلاء اور تازہ ذمہ واریاں لاتی۔ مگر الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ کی نسیم سب فکروں کو خس و خاشاک کی طرح اُڑا کر پھینک دیتی۔ اور وہ بادل جو ابتداءً سلسلہ کی عمارت کی بنیادوں کو اکھاڑ کر پھینک دینے کی دھمکی دیتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں رحمت اور فضل کے بادل ہو جاتے۔ اور ان کی ایک ایک بوند کے گرتے وقت الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ کی ہمت افزا آواز پیدا ہوتی۔ اس صعوبت کے زمانہ کا نقشہ میرے نزدیک افغانستان کے لوگ ہی ٹھیک طور پر ذہن میں پیدا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ پچھلے دنوں میں وہاں بھی مہاجرین

کا ایک گروہ گیا تھا۔ افغانستان میں ایک باقاعدہ حکومت تھی۔ جو ان کے انتظام میں مشغول تھی۔ پھر ان میں سے بہت سے لوگ اپنے اخراجات آپ برداشت کرتے تھے۔ مہمانوں کی نسبت میزبانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ افغانستان کے ایک کروڑ کے قریب باشندے صرف ایک دو لاکھ آدمیوں کے مہماندار بنے تھے مگر باوجود اس کے مہمانداری میں کس قدر دقتیں پیش آئیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک دو ہزار غریب آدمیوں کی جماعت پر جب ایک ہی وقت میں سینکڑوں مہمانوں اور غریب مہاجرین کا بوجھ پڑا ہوگا اور ساتھ ہی اشاعت اسلام کے کام کے لئے بھی ان کو روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہوگا۔ اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ ان کے اپنے گھروں میں بھی لڑائی شروع تھی۔ تو ان لوگوں کی گردنیں کس قدر بار کے نیچے دب گئی ہونگی ؛

یہ ضروریات سلسلہ ایک دو روز کے لئے نہ تھیں۔ اور نہ ایک دو ماہ کے لئے۔ نہ ایک دو سال کے لئے۔ بلکہ ہر سال کام ترقی کرتا جاتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کام کے لئے آپ ہی بندوبست کر دیتا۔ ۱۸۹۸ء میں حضرت اقدسؑ نے جماعت کے بچوں کی دینی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ہائی سکول کھول دیا۔ اس سے اور اخراجات میں ترقی ہوئی۔ پھر ایک رسالہ انگریزی اور ایک اُردو ماہواری اشاعت اسلام کے لئے جاری کیا۔ اس سے اور بھی ترقی ہوئی مگر اللہ تعالیٰ سب اخراجات مہیا کرتا چلا گیا حتیٰ کہ اس وقت ایک انگریزی ہائی سکول کے علاوہ ایک دینیات کا کالج ایک زنانہ مدرسہ کئی پرائمری اور مڈل سکول۔ ہندوستانی مبلغین کی ایک جماعت۔ ماریشس مشن سیلون مشن۔ انگلستان مشن۔ امریکن مشن اور بہت سے صیغہ جات تالیف اشاعت تعلیم تربیت۔ انتظام عام اور قضاء اور افتاء وغیرہ کے ہیں۔ اور تین چار لاکھ کے قریب سالانہ خرچ ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے وعدہ الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ کے ماتحت بہم پہنچا رہا ہے ؛

ہماری جماعت غرباء کی جماعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت ہے۔ کہ ابتداءً غریب لوگ ہی اس کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر لوگ کہدیا کرتے

ہیں۔ مانرٰلک اتّبعک الّا الذین ھم اراذلنا بادی الرأی۔ اور اسمیں اس کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ تا کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ یہ سلسلہ میری مدد سے پھیلا اور تا نادان مخالف بھی اس قسم کا اعتراض کر بیٹھیں۔ پس ایسی جماعت سے اس قدر بوجھ اٹھوانا بلا نصرت الٰہی نہیں ہو سکتا۔ یہ غریب جماعت اسی طرح سرکاری ٹیکس ادا کرتی ہے جس طرح اور لوگ ادا کرتے ہیں۔ زمینوں کے لگان دیتی ہے۔ سڑکوں شفاخانوں وغیرہ کے اخراجات میں حصّہ لیتی ہے۔ غرض سب خرچ جو دوسرے لوگوں پر ہیں۔ وہ بھی ادا کرتی ہے۔ اور پھر دین کی اشاعت اور اس کے قیام کے لئے بھی روپیہ دیتی ہے۔ اور برابر پینتیس۳۵ سال سے اس بوجھ کو برداشت کرتی چلی آرہی ہے۔ اس زمانہ میں بے شک نسبتاً زیادہ آسودہ حال اور معزز لوگ اس جماعت میں شامل ہو گئے ہیں۔ مگر اسی قدر اخراجات میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ پس کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ جبکہ باقی دُنیا باوجود ان سے زیادہ مالدار ہونے کے اپنے ذاتی اخراجات کی تنگی پر ہی شکوہ کرتی رہتی ہے۔ اس جماعت کے لوگ لاکھوں روپیہ سالانہ بلا ایک سال کا وقفہ ڈالے کے خدا کی راہ میں خرچ کر رہے ہیں۔ اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس امر کے لئے بھی تیار ہیں۔ کہ اگر اُن سے کہا جائے کہ اپنے سب مال خدا کی راہ میں دیدو۔ تو وہ اسی وقت دیدیں۔ یہ بات کہاں سے پیدا ہو گئی۔ یقیناً الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ کا الہام نازل کرنے والے نے لوگوں کے دلوں میں یہ تغیّر پیدا کیا ہے۔ ورنہ کونسی طاقت تھی۔ جو اس وقت جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کو معمولی اخراجات کی فکر تھی۔ اس قدر بڑھ جانیوالے اخراجات کے پُورا کرنے کا وعدہ کرتی۔ اور اس وعدہ کو پُورا کر کے دکھا دیتی۔ آخر مُسلمان کہلانیوالے کروڑوں آدمی دُنیا میں موجود ہیں۔ وہ کس قدر روپیہ اسلام کی اشاعت کے لئے مہیّا کر لیتے ہیں۔ ہماری جماعت کی تعداد کا اگر زیادہ سے زیادہ اندازہ لگا لیا جائے۔ تو جس قدر روپیہ وہ اشاعت اسلام پر خرچ کرتی ہے۔ اگر اسی حساب سے ہندوستان کے دوسرے مُسلمان بھی خرچ کریں تو آٹھ دس کروڑ روپیہ سالانہ اُن کو اس صورت میں خرچ کرنا چاہیئے۔ جبکہ اُن کی مالی

حالت ہماری جماعت کی طرح کی ہو۔ لیکن ان میں بڑے بڑے والیان ریاست اور کروڑپتی تاجر بھی ہیں۔ اگر ان کا بھی خیال رکھ لیا جائے۔ تو سالانہ پندرہ سولہ کروڑ روپیہ اشاعت اسلام پر صرف ہندوستان کے مُسلمانوں کو خرچ کرنا چاہیئے۔ مگر وہ تو ہماری جماعت کے چار پانچ لاکھ کے مقابلہ میں ایک دو۲ لاکھ روپیہ بھی خرچ نہیں کرتے۔ یہ فرق اسی لئے ہے کہ ہمارے اندر الیس اللہ بکافٍ عبدہٗ کا وعدہ اپنا کام کر رہا ہے ؎

بارھویں۱۲ پیشگوئی

ترقّی جماعت کے متعلق آپؑ کی پیشگوئی جو پُوری ہو کر دوست و دشمن پر حُجّت ہو رہی ہے!

اَب مَیں ان تبشیری پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی کو بطور مثال پیش کرتا ہوں۔ جو اس تعلیم کی اشاعت کے متعلق کیگئی تھیں۔ جس کے ساتھ آپؑ مبعوث کئے گئے تھے۔ یعنے وہ علوم اور معارف جو قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔ مگر لوگ ان سے ناواقفیت کی وجہ سے غافل ہو چکے تھے۔ یہ پیشگوئی بھی ایسی ہے کہ لاکھوں آدمی اس کے شاہد ہیں۔ اور اس وقت کی گئی تھی۔ کہ جب اس کے پُورا ہونے کے سامان موجود نہ تھے۔ اس پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے۔ "مَیں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پُہنچاؤں گا" "میں تیرے خالص اور دلی محبّوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا۔ اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دُوں گا۔ اور انمیں کثرت بخشونگا" "اس (گروہ احمدیان) کو نشو و نما دیگا۔ یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائیگی" یأتون من کل فجٍ عمیق۔ یعنی دُنیا کے ہر ملک سے لوگ تیری جماعت میں داخل ہونے کے لئے آئینگے "انا اعطیناک الکوثر" ہم تجھے ہر چیز میں کثرت دینگے جنمیں جماعت بھی شامل ہے۔ انگریزی میں بھی آپؑ کو اس کے متعلق الہام ہوا۔

"آئی ول گو یو اے لارج پارٹی آف اسلام" یعنی تم کو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت دُوں گا۔ "ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ" پہلوں میں سے بھی ایک بڑی جماعت تم کو دی جائیگی۔ اور پچھلوں میں سے بھی جس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ پہلے انبیاء کی اُمتوں میں سے بھی ایک گروہ کثیر تم پر ایمان لائیگا۔ اور مسلمانوں میں سے بھی ایک بڑی جماعت تم پر ایمان لائیگی۔ "یا نبی اللّٰہ کنت لا اعرفک" زمین کہیگی (یعنی اہل زمین) کہ اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی۔ "انا نرث الارض ناکلھا من اطرافھا" ہم زمین کے وارث ہونگے۔ اسے اُس کے کناروں کیطرف سے کھاتے آوینگے ۔

اِن الہامات میں سے بہت سے تو ایسے وقت میں ہوئے۔ اور اسی وقت شائع بھی کر دئے گئے۔ جبکہ آپ پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا تھا۔ اور بعض بعد میں ہوئے۔ جب سلسلہ قائم ہو چکا تھا مگر وہ بھی ایسے وقت میں ہوئے ہیں جبکہ سلسلہ اپنی ابتدائی حالت میں تھا۔ اُس وقت آپ کا یہ الہام شائع کر دینا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کے ساتھ ایک بڑی جماعت ہو جائیگی۔ اور صرف ہندوستان ہی میں نہیں۔ بلکہ تمام ممالک میں آپ کے مُرید پھیل جائینگے۔ اور ہر مذہب کے لوگوں میں سے نکلکر لوگ آپ کے مذہب میں داخل ہونگے۔ اور ان کو خدا تعالیٰ بہت بڑھائیگا۔ اور کسی ملک کے لوگ بھی آپ کی تبلیغ سے باہر نہیں رہینگے۔ کیا یہ ایک معمولی بات ہے؟ کیا انسانی دماغ قیاسات کی بنا پر ایسی بات کہہ سکتا ہے؟

یہ زمانہ علمی زمانہ ہے۔ اور لوگ اپنے پہلے مذاہب کو جن کی صداقت یوم ولادت سے اُن کے ذہن نشین کی گئی تھی۔ چھوڑ رہے ہیں۔ آجکل مسیحی مسیحی نہیں رہے۔ ہندو ہندو نہیں رہے۔ یہودی یہودی نہیں رہے۔ اور پارسی پارسی نہیں رہے۔ بلکہ ایک عقلی مذہب ان مذاہب کی رسُوم کی چادر میں لپٹا ہُوا سب جگہ پھیل رہا ہے۔ نام مختلف ہیں مگر خیالات سب دُنیا کے ایک ہو رہے ہیں۔ اس حال میں آپ کا یہ دعویٰ کرنا کہ جو لوگ اپنے پہلے نبیوں سے بیزار ہو کر نیچر کی اتباع میں مشغول ہیں۔ آپ کو مان لینگے۔ بظاہر ناممکن الوقوع دعویٰ تھا۔ پھر آپ اُردو اور عربی اور فارسی کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے۔ اور

آپ ہندوستان کے باشندہ تھے جس ملک کے باشندے آج سے تیس سال پہلے عرب اور ایران میں نہایت حقیر سمجھے جاتے تھے۔ کب اُمید کی جا سکتی تھی کہ عرب۔ ایران۔ افغانستان شام اور مصر کے باشندے ایک ہندوستانی پر ایمان لے آئینگے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان کے انگریزی پڑھے ہوئے لوگ جو قرآن کریم کو محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قرار دینے لگ گئے تھے۔ اِس بات کو مان لینگے۔ کہ اس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ اور پھر ایسے آدمی سے جو انگریزی کا ایک لفظ نہیں جانتا۔ جو انکے نزدیک سب سے بڑا گناہ تھا۔ پھر کونسی عقل تھی۔ جو یہ تجویز کر سکتی تھی۔ کہ السنہ مغربیہ سے ناواقف علوم مغربیہ سے ناواقف رسُوم و عادات مغربیہ سے ناواقف انسان جو اپنے صُوبہ سے بھی باہر کبھی نہیں گیا (حضرت اقدس پنجاب سے باہر صرف علیگڑھ تک تشریف لے گئے ہیں) وہ ان ممالک کے لوگوں تک اپنے خیالات کو پہنچا دیگا۔ اور پھر وہ علوم و فنون جدیدہ کے ماہر اور ایشیائیوں کو کیڑوں مکوڑوں سے بدتر سمجھنے والے لوگ اس کی باتوں کو سُن بھی لینگے۔ اور مان بھی لینگے۔ اور پھر کس شخص کے ذہن میں آسکتا تھا کہ افریقہ کے باشندے جو ایشیا سے بالکل منقطع ہیں۔ اس کی باتوں پر کان دھرینگے۔ اور اس پر ایمان لائینگے۔ حالانکہ ان کی زبان جاننے والا ہندوستان بھر میں کوئی نہیں مل سکتا یہ سب روکیں ایک طرف تھیں۔ اور خدا کا کلام ایک طرف تھا۔ آخر وہی ہُوا۔ جو خدا نے کہا تھا۔ وہ شخص جو تن تنہا ایک تنگ صحن میں ٹہل ٹہل کر اپنے الہامات لکھ رہا تھا۔ اور تمام دُنیا میں اپنی قبولیّت کی خبریں دے رہا تھا۔ حالانکہ اُسوقت اُسے اسکے علاقہ کے لوگ بھی نہیں جانتے تھے۔ باوجود سب روکوں کے خدا کی نُصرت اور تائید سے اُٹھا اور ایک بادل کی طرح گرجا۔ اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے حاسدوں اور دشمنوں کے کلیجوں کو چھلنی کرتا ہُوا تمام آسمان پر چھا گیا۔ ہندوستان میں وہ برسا۔ افغانستان میں وہ برسا عرب میں وہ برسا۔ مصر میں وہ برسا۔ سیلون میں وہ برسا۔ بخارا میں وہ برسا۔ مشرقی افریقہ میں وہ برسا۔ جزیرہ ماریشس میں وہ برسا۔ جنوبی افریقہ میں وہ برسا۔ مغربی افریقہ کے ممالک نائجیریا۔ گولڈ کوسٹ۔ سیرالیون میں وہ برسا۔ آسٹریلیا میں وہ برسا۔ انگلستان اور جرمن اور رُوس کے علاقوں کو اس نے سیراب کیا۔ اور امریکہ کی جا کر اس نے

آب پاشی کی ؛

آج دُنیا کا کوئی برّ اعظم نہیں جسمیں مسیح موعودؑ کی جماعت نہیں۔ اور کوئی مذہب نہیں جسمیں سے اس نے اپنا حصّہ وصُول نہیں کیا۔ مسیحی۔ ہندو۔ بدھ۔ پارسی۔ سکھ۔ یہودی سب قوموں میں سے اس کے ماننے والے موجود ہیں۔ اور یوریپین۔ امریکن۔ افریقن اور ایشیا کے باشندے اسپر ایمان لائے ہیں۔ اگر جو کچھ اس نے قبل از وقت بتا دیا تھا۔ خدا کا کلام نہ تھا۔ تو وہ کس طرح پُورا ہو گیا؟ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ وہ یورپ اور امریکہ جو اس سے پہلے اسلام کو کھا رہے تھے۔ مسیح موعودؑ کے ذریعہ سے اب ان کو اسلام کھا رہا ہے۔ کئی سو آدمی اس وقت تک انگلستان میں اور اسی طرح امریکہ میں اسلام لا چکا ہے۔ اور رُوس اور جرمن اور اٹلی کے بعض افراد نے بھی اِس سلسلہ کو قبول کیا ہے۔ وہی اسلام جو دوسرے فرقوں کے ہاتھ سے شکست پر شکست کھا رہا تھا۔ اب مسیح موعودؑ کی دُعاؤں سے دشمن کو ہر میدان میں نیچا دکھا رہا ہے۔ اور اسلام کی جماعت کو بڑھا رہا ہے۔ فالحمد للہِ رب العالمین ؛

گیارھویں دلیل

آپ کا عشق اللہ تعالیٰ سے اور اُس کے رسُولؐ سے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی چند پیشگوئیوں کے بیان کرنے کے بعد اب میں آپکے دعویٰ کی صداقت کی گیارھویں دلیل بیان کرتا ہوں۔ اور وہ دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔ الّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سُبُلنا یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں سچی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ اور ان پر ان کو چلاتے ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ قل ان کنتم

تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہدے کہ اگر تم کو اللہ سے محبّت ہے۔ تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبّت کرنے لگ جائیگا۔ ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سچّا عشق اور اسکی سچّی محبّت اور اس کے رسُول کے عشق اور اسکی محبت کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہُوا کرتا ہے کہ انسان خدا سے جا ملتا ہے۔ اور اُس کا محبوب ہو جاتا ہے۔ پس اِس اُمّت کے افراد کی صداقت کا یہ بھی ایک معیار ہے کہ ان کے دل عشق آلہی سے پُر ہوں اور اتباع رسُول اُن کا شیوہ ہو۔ اور اس معیار کے مطابق بھی حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی صداقت روز روشن کی طرح ثابت ہے ؛

محبّت کا مضمون ایک ایسا مضمون ہے کہ مجھے اس پر کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہر ملک کے شاعر اسکی کیفیات کو غیر معلوم زمانہ سے بیان کرتے چلے آئے۔ اور تمام مذاہب اسپر ایمان اور وصول الی اللہ کی بُنیاد رکھتے چلے آئے ہیں۔ مگر سب شاعروں کے بیان سے بڑھ کر کامل محبّت کی مکمل تشریح وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے۔ یعنی قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃٌ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احبّ الیکم من اللہ ورسُولہ وجھاد فی سبیلہ فتربّصُوا حتی یأتی اللہ بامرہٖ واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین (توبہ ۴/۱) کہدے کہ اگر تمہارے باپ دادے اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں یا تمہارے خاوند اور تمہارے رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈرتے ہو۔ اور گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ خدا اور اُسکے رسُول اور خدا کے راستہ میں کام کرنے سے تمہیں زیادہ پیارے ہیں۔ تو تم کو خدا سے کوئی محبّت نہیں۔ تب تم اللہ تعالےٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔ اور خدا تعالےٰ ایسے نافرمانوں کو کبھی اپنا راستہ نہیں دکھاتا یعنی کامل محبّت کی علامت یہ ہے کہ انسان اس کی خاطر ہر ایک چیز کو قربان کر دے۔ اگر اِس بات کیلئے وہ تیار نہیں۔ تو مُنہ کی باتیں اُس کیلئے کچھ بھی مفید نہیں۔ یوں تو ہر شخص کہہ دیتا ہے کہ مجھے خدا سے محبت ہے۔ اور اُس کے رسُول سے محبت ہے۔ بلکہ مسلمان

کہلانے والا کوئی بھی شخص نہیں ہوگا۔ جو یہ کہتا ہو کہ مجھے خدا اور اس کے رسُول سے محبّت نہیں ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس اقرار کا اثر اس کے اعمال پر اس کے جوارح پر اور اس کے اقوال پر کیا پڑتا ہے۔ وہی لوگ جو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں اپنے آپ کو سرشار بتاتے ہیں۔ اور آپؐ کی تعریف میں نظمیں پڑھتے اور سُنتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض تو خود نعتیں کہتے بھی ہیں۔ آپؐ کے احکام کی فرمانبرداری کی طرف کچھ بھی ان کو توجّہ نہیں ہوتی۔ وہ خدا تعالیٰ کی محبّت کا دعویٰ تو کرتے ہیں۔ لیکن اس سے ملنے کیلئے کچھ بھی کوشش نہیں کرتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی کا عزیز آجائے۔ تو وہ سَو کام چھوڑ کر اس سے ملنے کیلئے جاتا ہے۔ اپنے دوستوں اور پیاروں کی ملاقات کا موقع ملے۔ تو پُھولا نہیں سماتا۔ حکام کے حضور میں شرف باریابی حاصل ہو۔ تو خوشی سے جامہ میں پُھولا نہیں سماتا لیکن لوگ خدا تعالیٰ کی محبّت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر نماز کے نزدیک نہیں جاتے۔ یا نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس طرح کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ یا اگر باقاعدہ بھی پڑھی تو ایسی جلدی جلدی پڑھتے ہیں کہ معلوم نہیں ہوتا کہ سجدہ سے انھوں نے کب سر اُٹھایا اور کب پھر واپس رکھ دیا جس طرح مُرغا چونچیں مار کر دانہ اُٹھاتا ہے۔ یہ سجدہ کر لیتے ہیں۔ نہ خشوع ہوتا ہے نہ خضوع اِسی طرح اللہ تعالیٰ روزہ کا بدلہ اپنے آپ کو قرار دیتا ہے۔ مگر لوگ خدا تعالیٰ کی محبّت کا دعویٰ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑنے کے لئے نہیں جاتے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ خدا تعالیٰ کی محبّت ظاہر کرتے ہیں لیکن لوگوں کے حقوق دباتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ بہتان باندھتے ہیں غیبتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے عشق بیان کرتے ہیں لیکن قرآن کریم کا مطالعہ اور اس پر غور کرنیکی توفیق ان کو نہیں ملتی۔ کیا جس طرح آج کل لوگ قرآن کریم سے سلوک کرتے ہیں۔ اِسی طرح اپنے پیاروں کے خطوط سے سلوک کیا کرتے ہیں؟ کیا ان خطوں کو لپیٹ کر رکھ چھوڑتے ہیں اور ان کو پڑھ کر ان کا مطلب سمجھنے کی کوششیں نہیں کرتے۔ غرض محبّت کا دعویٰ اور شئے ہے۔ اور حقیقی محبت اور شئے ہے محبت کبھی عمل اور قربانی سے جدا نہیں ہوتی۔ اور اس قسم کی محبت اور اس قسم کا پیار ہمیں اس زمانہ میں سوائے حضرت اقدس علیہ السلام اور

آپ کے متبعین کے اور کسی شخص میں نظر نہیں آتا۔

آپؑ کی زندگی کے حالات بتاتے ہیں کہ جب سے آپؑ نے ہوش سنبھالا۔ اُسی وقت سے خدا اور اُس کے رسُول کی محبّت میں سرشار تھے۔ اور ان کی محبت آپؑ کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی تھی بچپن ہی سے آپؑ احکام شرعیّہ کے پابند تھے۔ اور گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے۔ جب آپؑ تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپؑ کے والد صاحب نے بہت چاہا کہ آپؑ کو کسی جگہ ملازم کرا دیں۔ لیکن آپؑ نے اس امر کو پسند نہ کیا۔ اور بار بار کے اصرار پر بھی انکار کرتے رہے۔ اور خدا کی یاد کو دُنیا کے کاموں پر مقدم کر لیا۔ آپؑ ایک نہایت معزز خاندان کے فرد تھے۔ اور اگر آپؑ چاہتے تو آپؑ کو معزز عہدہ مل سکتا تھا۔ جیسا کہ آپؑ کے بڑے بھائی کو ایک معزز عہدہ حاصل تھا۔ لیکن آپ نے اس سے پہلو ہی بچایا یہ نہیں تھا کہ آپؑ سُست تھے، اور سُستی کی وجہ سے آپؑ نے ایسا کیا۔ کیونکہ آپؑ کی بعد کی زندگی نے ثابت کر دیا کہ آپؑ جیسا محنتی شخص دُنیا کے پردہ پر ملنا مشکل ہے۔ ایک قادیان کے پاس کا رہنے والا سِکھ جس کے باپ دادوں کے تعلقات آپؑ کے والد کے ساتھ تھے۔ سُنایا کرتا ہے۔ اور باوجود مذہبی اختلاف ہونے کے اب تک اس واقع کو سُناتے وقت اسکی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمیں آپؑ کے والد نے آپؑ کے پاس بھیجا اور کہا کہ جاؤ ان سے کہو کہ وہ میرے ساتھ حکام کے پاس چلیں میں ان کو تحصیلداری کا عہدہ دلانے کی کوشش کروں گا۔ وہ کہتا ہے کہ جب ہم آپؑ کے پاس گئے۔ تو آپؑ ایک کوٹھڑی میں علیحدہ بیٹھے ہوئے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ جب ہم نے جاکر انہیں کہا کہ آپؑ کے والد آپ کو معزز عہدہ دلانے کے لئے کہتے ہیں آپؑ کیوں نہیں ان کے ساتھ جاتے۔ تو آپؑ نے کہا کہ میری طرف سے ان کی خدمت میں باادب عرض کر دو کہ میں نے جس کی نوکری کرنی تھی کر لی۔ اب وہ مجھے معاف ہی کر دیں تو اچھا ہے۔

ان دنوں آپؑ کا شغل یہ ہوتا تھا کہ قرآن کریم کا مطالعہ کرتے رہتے یا احادیث کی کتب دیکھتے یا مثنوی رُومی کا مطالعہ کرتے۔ اور یتیموں اور مسکینوں کا ایک گروہ کسی کسی وقت آپؑ کے پاس آجاتا تھا جنھیں آپ اپنی روٹی تقسیم کر دیتے۔ اور بسا اوقات بالکل

ہی فاقہ کرتے۔ اور صرف چنے بھنوا کر چبا لیتے۔ اور آپؑ کی خلوت نشینی اس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ گھر کے لوگ آپؑ کو کھانا بھیجنا تک بھول جاتے۔

ایک دفعہ آپؑ اس خیال سے کہ والد کی نظروں سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ تو شاید وہ مجھے دُنیا کے کاموں میں پھنسانے کا خیال جانے دیں۔ قادیان سے سیالکوٹ چلے گئے۔ اور وہاں عارضی طور پر گذارہ کے لئے آپؑ کو ملازمت بھی کرنی پڑی۔ مگر یہ ملازمت آپؑ کی عبادت گذاری میں روک نہ تھی۔ کیونکہ صرف سوال سے بچنے کے لئے آپؑ نے یہ ملازمت کی تھی۔ کوئی دُنیاوی ترقی اس سے مقصود نہ تھی۔ اسجگہ آپؑ کو پہلی دفعہ اس بات کا علم ہُوا کہ اسلام نہایت نازک حالت میں ہے۔ اور دوسرے مذاہب کے لوگ اُسے مٹانے کے درپے ہیں۔ اور اس کا ذریعہ یہ ہُوا کہ سیالکوٹ میں پادریوں کا بڑا مرکز تھا۔ وہ روز بازاروں اور کوچوں میں اپنے مذہب کی اشاعت کرتے اور اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک ڈالتے تھے۔ اور آپؑ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ کہ کوئی شخص اُن کا مقابلہ نہیں کرتا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ مسیحیت گورنمنٹ کا مذہب ہے۔ اور ڈرتے تھے۔ کہ اس کا مقابلہ کر کے نقصان پہنچیگا۔ اور سوائے شاذونادر کے اکثر علماء پادریوں کی باتوں کا ردّ کرنے سے خوف کھاتے تھے۔ اور جو مقابلہ بھی کرتے۔ وہ اُن کے حملوں کے آگے مغلوب ہو جاتے۔ کیونکہ قرآن کریم کا علم ان کو حاصل ہی نہ تھا۔ اِس حالت کو دیکھ کر آپ نے پادریوں کا مقابلہ کرنے پر کمر ہمت باندھ لی۔ اور خوب زور سے ان سے بحث و مباحثہ کرنا شروع کیا۔ اور پھر اس مقابلہ کے دروازہ کو آریوں و دیگر اقوام کے واسطے بھی وسیع کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپؑ کو آپ کے والد صاحب نے واپس بُلا لیا۔ اور پھر یہ خیال کر کے کہ اب تو آپؑ ملازمت کر چکے ہیں۔ شاید اب ملازمت پر راضی ہو جائیں۔ پھر آپ کے ملازم کرانے کی کوشش کی مگر آپؑ اُن سے مُعافی ہی چاہتے رہے۔ ہاں یہ دیکھکر کہ آپؑ کے والد مصائب دنیوی میں بہت گھرے ہوئے ہیں۔ اُن کے کہنے پر یہ کام اپنے ذمہ لے لیا کہ اُن کی طرف سے اُن کے مقدمات کی پیروی کر دیا کریں۔ ان مقدمات کے دوران میں آپؑ کی

انابت الی اللہ اور بھی ظاہر ہوئی۔ ایک دفعہ ایسا ہُوا۔ کہ آپؑ مقدمہ کی پیروی کیلئے گئے۔ مقدمہ کے پیش ہونے میں دیر ہو گئی۔ نماز کا وقت آگیا آپؑ باوجود لوگوں کے منع کرنے کے نماز کے لئے چلے گئے۔ آپؑ کے جانے کے بعد مقدمہ کے لئے آپؑ کو بُلایا گیا۔ مگر آپؑ اپنی عبادت میں مشغول رہے۔ جب فارغ ہوئے۔ تو پھر عدالت میں آگئے حسب قاعدہ سرکاری چاہیئے تو یہ تھا کہ مجسٹریٹ یک طرفہ ڈگری دیدیتا۔ اور ان کے خلاف فیصلہ سُنا دیتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو آپؑ کی یہ بات ایسی پسند آئی۔ کہ اُس نے مجسٹریٹ کی توجہ کو اس طرف سے پھیر دیا۔ اور اُس نے آپؑ کی غیر حاضری کو نظرانداز کرتے ہوئے آپ کے والد کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ایک صاحب جو آپ کے بچپن کے دوست تھے۔ سُناتے تھے کہ وہ لاہور میں ملازم تھے۔ آپؑ بھی کسی اہم مقدمہ کی پیروی کیلئے جس کی اپیل سب سے اعلیٰ عدالت میں دائر تھی وہاں گئے۔ وہ مقدمہ ایسا تھا کہ اسمیں ہارنے سے آپ کے والد کے حقوق اور بالآخر آپ کے حقوق کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جب آپؑ مقدمہ سے واپس آئے۔ تو بہت خوش تھے۔ مَیں نے سمجھا کہ آپؑ ضرور مقدمہ جیت گئے ہیں تبھی اِس قدر خوش ہیں۔ مَیں نے بھی خوشی سے مقدمہ میں کامیابی کی مبارکباد دی۔ تو آپ نے فرمایا کہ مقدمہ میں تو ہم ہار گئے ہیں۔ خوش اس لئے ہیں کہ اب کچھ دن علیحدہ بیٹھ کر ذکر الٰہی کا موقع ملیگا۔

جب آپؑ اس قسم کے معاملات سے تنگ آ گئے۔ تو آپؑ نے ایک خط اپنے والد صاحب کو لکھا۔ جس میں اس قسم کے کاموں سے فارغ کر دیئے جانے کی درخواست کی۔ اس خط کو میں یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ تاکہ معلوم ہو کہ آپؑ ابتدائی عمر سے کس قدر دُنیا سے متنفّر تھے۔ اور یادِ الٰہی میں مشغول رہنے کو پسند کرتے تھے۔ یہ خط آپؑ نے اُس وقت کے دستور کے مطابق فارسی زبان میں لکھا تھا۔ اور ذیل میں درج ہے:-

"حضرت والد مخدوم من سلامت! مراسم غلامانہ و قواعد فدویانہ بجا آوردہ معروض حضرت والا میکند۔ چونکہ دریں ایّام برأی العین مے بینم و بچشم سر مشاہدہ میکنم کہ درہمہ ممالک و بلاد ہر سال چُناں وبائے مے اُفتد کہ دوستاں را از دوستاں و

خویشاں را تویشاں جدا میکند۔ وہیچ سالے نمے بینم کہ ایں نائرہ عظیم وچنیں حادثہ الیم درآں سال شور قیامت نیفگند نظر برآں دل از دنیا سرد شدہ است ورُو از خوف جان زرد واکثر ایں دو مصرعہ شیخ مُصلح الدین سعدی شیرازی بیاد مے آیند واشک حسرت ریختہ میشود۔

مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار　　مباش ایمن از بازئ روزگار

ونیز ایں دو مصرعہ ثانی از دیوان فرخ قادیانی (حضرت اقدس کا ابتدائی ایام کا تخلص ہے) نمک پاش جراحت دل میشود۔

بدُنیائے دُوں دل مبند اے جواں　　کہ وقتِ اجَل مے رسد ناگہاں

لہذا میخواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ تنہائی نشینم ودامن از صحبتِ مردم بچینم وبیاد اوسبحانہ مشغول شوم۔ مگر گذشتہ را عذرے وما فات را تدارکے شود۔

عمر بگذشت ونماند است جز ایامے چند ٭ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

کہ دُنیا را اساسے محکم نیست وزندگی را اعتبارے نے۔ والیس من خاف علیٰ نفسہ من آفۃ غیرہ۔ والسّلام"

جب آپ کے والد صاحب فوت ہوگئے۔ تو آپ نے سب کاموں سے بالکل قطع تعلق کرلیا۔ اور مطالعہ دین اور روزہ داری اور شب بیداری میں ہی اپنے اوقات بسر کرنے لگ گئے۔ اور اخبارات اور رسائل کے ذریعہ دشمنان اسلام کے حملوں کا جواب دیتے رہتے۔ اس زمانہ میں لوگ ایک ایک پیسہ کیلئے لڑتے ہیں مگر آپ نے اپنی سب جائداد اپنے بڑے بھائی صاحب کے سپُرد کردی۔ کھانا اُن کے گھر سے آپ کو آجاتا۔ اور جب وہ ضرورت سمجھتے۔ کپڑے بنوا دیتے۔ اور آپ نہ جائداد کا حصّہ لیتے۔ اور نہ اس کا کوئی کام کرتے۔ لوگوں کو نماز روزہ کی تلقین کرتے۔ تبلیغ اسلام کرتے اور غریبوں اور مسکینوں کی بھی خبر رکھتے۔ اور تو آپ کے پاس اسوقت کچھ تھا نہیں۔ بھائی کے ہاں سے جو کھانا آتا اسی کو غرباء میں بانٹ دیتے۔ اور بعض دفعہ دو تین تولہ غذا پر گذارہ کرتے۔ اور بعض دفعہ یہ بھی نہ باقی رہتی۔ اور فاقہ سے ہی رہ جاتے۔ یہ نہیں تھا کہ آپ کی جائداد معمولی تھی۔ اور آپ

سمجھتے تھے کہ چلو گذارہ ہو رہا ہے۔ اس وقت ایک سالم گاؤں آپ کے اور آپ کے بھائی کا مشترکہ تھا۔ اور علاوہ ازیں جاگیر وغیرہ کی بھی آمدن تھی ٭

اِسی عرصہ میں آپ نے اسلام کی نازک حالت کو دیکھکر خدا تعالیٰ کے حضور میں دُعا وابتہال وعاجزی شروع کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پاکر براہین احمدیہ نامی کتاب لکھی جس کے متعلق اعلان کیا کہ اسمیں تین سو دلائل صداقت اسلام کے دئے جائینگے۔ یہ کتاب ہستی باری تعالیٰ اور رسُول کریم اور اسلام پر سے اعتراضات کے دفعیہ میں ایک کاری حربہ ثابت ہوئی۔ اور گو نامکمل رہی مگر اس شکل میں بھی دوست ودشمن سے خراج تحسین وصول کئے بغیر نہ رہی۔ اور بڑے بڑے علماء نے اس کتاب کے متعلق رائے ظاہر کی کہ یہ کتاب تیرہ سو سال کے عرصہ میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اسلام کے بہترین ایام کے اکابر مصنفین کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ تعریف اپنے مطلب کی آپ ہی تشریح کرتی ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی رسالہ یا اخبار نکلتا۔ آپ اسمیں اسلام کی عظمت اور اسکی حقیقت کو ظاہر کرتے اور دشمنان اسلام کے حملوں کا جواب دیتے حتیٰ کہ سب اقوام آپ کی دشمن ہوگئیں مگر آپ نے ایک ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کی ٭

یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف تو مسیحی رسُول کریم صلے علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے رہے تھے۔ اور دوسری طرف آریہ گندہ دہنی سے کام لے رہے تھے لیکن تمام ہندوستان کے علماء ایک دوسرے کے خلاف تکفیر کے فتوے تیار کر رہے تھے۔ اسلام پامال ہو رہا تھا مگر علماء کو رفع یدین اور ہاتھ سینہ پر باندھیں کہ ناف پر یا آمین بالجہر کریں یا آہستہ یا اسی قسم کے اور مسائل سے فرصت نہ تھی۔ اس وقت آپ ہی ایک شخص تھے۔ جو اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان سے سینہ سپر تھے۔ اور مُسلمانوں میں اعمال صالحہ کے رواج دینے کی طرف متوجہ تھے۔ آپ اس بحث میں نہ پڑتے کہ حنفیوں کا استدلال دُرست ہے یا اہل حدیث کا بلکہ اس امر پر زور دیتے۔ کہ جس امر کو بھی سچا سمجھو۔ اُس پر عمل کرکے دکھاؤ۔ اور بے دینی اور اباحت کو چھوڑ کر خدا کے احکام پر عمل شروع کردو۔ پنڈت دیانند بانی آریہ سماج سے آپ نے مقابلہ کیا۔ لیکھرام۔ جیون داس۔ مرلی دھر۔ اندرمن۔ غرض جس قدر آریہ مذہب کے لیڈر تھے

اُن میں سے ایک ایک سے آپؑ بحث کی طرح ڈالتے۔ اور اسوقت تک اس کا پیچھا نہ چھوڑتے جب تک وہ اسلام پر حملہ کرنے سے باز نہ رہتا۔ یا ہلاک نہ ہو جاتا۔ اِسی طرح مسیحیوں کے فحش گو مناد وں کا آپؑ مقابلہ کرتے کبھی فتح مسیح سے کبھی آتھم سے کبھی مارٹن سے کبھی ہاول سے کبھی رائٹ سے کبھی طالب مسیح سے۔ اور اس پر آپؑ کی تسلّی نہ ہوتی۔ انگریزی میں ترجمہ کروا کر آپؑ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اشتہارات یورپ اور امریکہ کو بھجواتے اور جس شخص کی نسبت سُنتے کہ اُسے اسلام سے دلچسپی ہے۔ فوراً اس سے خط وکتابت کرتے۔ اور اسلام کی دعوت دیتے۔ چنانچہ مسٹر وب امریکہ کا پُرانا مُسلمان آپؑ کی اسوقت کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ شخص نہایت معزز ہے۔ اور کسی وقت ریاستہائے متحدہ کی طرف سے سفارت کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ آپؑ نے اس کی اسلام سے دلچسپی کا حال سُنکر اس سے خط وکتابت کی۔ اور آخر اس سلیم الطبع آدمی نے اسلام کو قبول کرلیا۔ اور اپنے عہدہ سے دست بردار ہو گیا۔ غرض خدا تعالیٰ کی توحید کی اشاعت اور رسُول کریمؐ کی صداقت کے اثبات کی آپؑ کو دھت لگی ہوئی تھی۔ اور آپؑ ایک منٹ کے لئے بھی اس سے غافل نہ رہتے تھے۔ اِس کے بعد جب آپؑ نے دعویٰ کیا۔ تو اسوقت سے آپؑ کا کام اور بھی وسیع ہو گیا۔ کوئی دشمن اسلام نہیں نکلا۔ جس کے مقابلہ پر آپؑ کھڑے نہ ہوئے۔ جہاں کسی کی نسبت سُنا کہ وہ اسلام پر حملہ کرتا ہے۔ جھٹ اُس کا مقابلہ شروع کر دیا۔ ڈوئی امریکہ کا جھوٹا نبی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ جب اسکی اسلام دشمنی کا حال آپؑ نے سُنا تو سمندر پار سے اس کا مقابلہ شروع کر دیا۔ پگٹ نے ولایت میں خدائی کا دعویٰ کیا۔ تو جھٹ اُس کو جا للکارا۔ غرض دُنیا کے پردہ پر کہیں بھی کوئی دشمن اسلام پیدا ہوا۔ اُسے وہیں جا کر پکڑا۔ اور اُس کو نہیں چھوڑا جب تک وہ اپنی شرارت سے باز نہ آگیا یا مر نہیں گیا۔ آپؑ نے چوہتر سال عمر پائی۔ اور تمام عمر رات اور دن خدمت اسلام میں مشغول رہے۔ بعض دفعہ مہینوں تصنیف میں اس طرح مشغول رہتے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپؑ کب سوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپؑ کو اس قدر محبت تھی کہ اسلام کے کام کو اپنا کام سمجھتے تھے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اسلام کی خدمت کرتا تو اُس کے نہایت ہی ممنون

ہوتے۔ بعض دفعہ متواتر اکثر حصّہ رات کا جاگتے۔ اور کام میں مشغول رہتے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص ایک دو دن پروف ریڈری یا کاپیاں دیکھنے کے کام میں آپؑ کی مدد کرتا۔ اور اُسے اتفاقاً کسی دن رات کو کام کرنا پڑتا۔ تو یہ نہ سمجھتے تھے کہ اُس نے اسلام کا کام کیا ہے۔ اور اپنے فرض کو ادا کیا ہے۔ بلکہ اس قدر شکر و امتنان کا اظہار کرتے۔ کہ گویا اُس نے آپؑ کی کوئی ذاتی خدمت کی ہے۔ اور آپؑ کو اپنا ممنون احسان بنا لیا ہے۔ باوجود ضعف اور بیماری کے اسّی سے زیادہ کتب آپؑ نے تصنیف کیں۔ اور سینکڑوں اشتہار اسلام کی اشاعت کیلئے لکھے اور سینکڑوں تقریریں کیں۔ اور روزانہ لوگوں کو اسلام کی خوبیوں کے متعلق تعلیم دیتے۔ اور اس قدر آپؑ کو اسمیں انہماک تھا کہ بعض دفعہ اطباء آپؑ کو آرام کے لئے کہتے۔ تو آپؑ اُن کو جواب دیتے کہ میرا آرام تو یہی ہے کہ دین اسلام کی اشاعت کروں۔ اور مخالفین اسلام کی سرکوبی کروں۔ حتیٰ کہ آپؑ اپنی وفات کے دن تک خدمت اسلام میں مشغول رہے جس صبح آپؑ فوت ہوئے ہیں۔ اُس سے پہلی شام تک ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہندوؤں کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے آپؑ نے لکھی تھی مشغول تھے۔ اس سے اس سوز و گداز اُس جوش کا پتہ لگ سکتا ہے۔ جو آپؑ کو خدا تعالیٰ کے جلال کے اظہار اور نبی کریمؐ کی صداقت کے اثبات کے لئے تھا۔

میں لکھ چکا ہوں کہ صرف دعویٰ محبّت کا پتہ لگانے کیلئے حقیقی معیار نہیں ہے مگر وہ شخص جس نے اپنے ہر ایک عمل اور ہر ایک حرکت سے اپنے عشق کو ثابت کر دیا ہو۔ اس کا دعویٰ اُس کے دلی جذبات کے اظہار کا نہایت اعلیٰ ذریعہ ہے۔ کیونکہ سچے عاشق کے دلی جذبات اسکی غیر معمولی خدمات سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں۔ اور بوجہ اس کے راستباز ہونے کے دوسرے کے دل کو بھی زخمی کرکے رہتے ہیں۔ پس میں آپؑ کی دو فارسی نظمیں کہ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے عشق میں ہے۔ اور ایک رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق میں۔ اِس جگہ نقل کرتا ہوں:۔

قربان تست جانِ من اے یار محسنم | بامن کدام فرق تو کردی کہ من کنم
ہر مطلب و مُراد کہ میخواستم ز غیب | ہر آرزو کہ بود بخاطر معیّنم

از جود دادۂ ہمہ آں مُدعائے من	و از لُطف کردۂ گذر خود بمسکنم
ہیچ آگہی نبود ز عشق و وفا مرا	خود ریختی متاعِ محبّت بدامنم
ایں خاک تیرہ را تو خود اکسیر کردۂ	بُود آں جمالِ تو کہ نمود است احسنم
ایں صیقلِ دلم نہ بزہد و تعبّد است	خود کردۂ بلُطف و عنایات روشنم
صد منّتِ تو ہست بریں مشت خاکِ من	جانم رہینِ لُطف عمیم تو ہم تنم
سہل است ترکِ ہر دو جہاں گر رضائے تو	آید بدست اے پنہ و کہف و مامنم
فصلِ بہار و موسمِ گُل نایدم بکار	کاندر خیال رُوئے تو ہر دم بگلشنم
چوں حاجتے بود بادیبِ دگر مرا	من تربیت پذیر ز ربِّ مہیمنم
زاں ساں عنایتِ ازلی شُد قریبِ من	کامد ندائے یار ز ہر کوئے و برزنم
یارب مرا بہر قدمم استوار دار	واں روزِ خود مباد کہ عہدِ تو بشکنم
در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند	اوّل کسیکہ لافِ تعشّق زند منم

عجب نُوریست در جانِ محمدؐ	عجب لعلیست در کانِ محمدؐ
ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف	کہ گردد از مُحبّانِ محمدؐ
عجب دارم دلِ آں ناکساں را	کہ رُو تابند از خوانِ محمدؐ
ندانم ہیچ نفسے در دو عالم	کہ دارد شوکت و شانِ محمدؐ
خدا زاں سینہ بیزار است صد بار	کہ ہست از کینہ دارانِ محمدؐ
خدا خود سوزد آں کرمِ دنی را	کہ باشد از عدوانِ محمدؐ
اگر خواہی نجات از مستیٔ نفس	بیا در ذیلِ مستانِ محمدؐ
اگر خواہی کہ حق گوید ثنایت	بشو از دِل ثنا خوانِ محمدؐ
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش	محمدؐ ہست بُرہانِ محمدؐ
سرے دارم فدائے خاکِ احمدؐ	دِلم ہر وقت قربانِ محمدؐ
بگیسوئے رسُول اللہ کہ ہستم	نثارِ رُوئے تابانِ محمدؐ

دریں رہ گر کشندم ور بسوزند	نتابم رُو ز ایوانِ محمدؐ
بکارِ دیں نترسم از جہانے	کہ دارم رنگ ایمانِ محمدؐ
بسے سہل است از دُنیا بُریدن	بیادِ حُسن و احسانِ محمدؐ
فدا شُد در رہش ہر ذرّۂ من	کہ دیدم حُسن پنہانِ محمدؐ
دگر اُستاد را نامے ندانم	کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ
بدیگر دلبرے کارے ندارم	کہ ہستم کشتۂ آنِ محمدؐ
مرا آں گوشۂ چشمے بباید	نخواہم جُز گلستانِ محمدؐ
دلِ زارم بہ پہلویم مجوئید	کہ بستیمش بدامانِ محمدؐ
من آں خوش مُرغ از مُرغانِ قدسم	کہ دارد جا بہ بُستانِ محمدؐ
تو جانِ ما منور کردی از عشق	فدایت جانم اے جانِ محمدؐ
دریغا گر دہم صد جاں دریں راہ	نباشد نیز شایانِ محمدؐ
چہ ہیبت ہا بدادند ایں جوان را	کہ ناید کس بمیدانِ محمدؐ
الا اے دشمنِ نادان و بے راہ	بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ
رہِ مولیٰ کہ گُم کردند مردم	بجو در آل و اعوانِ محمدؐ
الا اے مُنکر از شانِ محمدؐ	ہم از نُورِ نمایانِ محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام و نشان است	بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

اب آپؑ غور کریں کہ ایک ایسا شخص جس نے بچپن سے لیکر وفات تک اپنی عمر کی ہر ساعت اور ہر لمحہ کو خدا کی یاد اور اُس کے جلال کے اظہار اور اُس کے کلام کی اشاعت اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور آپؐ کے دین کی اطاعت اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کے استحکام میں خرچ کر دیا ہو۔ اور اپنوں اور بیگانوں کو خدا اور اُس کے رسُول کی عزّت کی حفاظت کے لئے اپنا دشمن بنا لیا ہو۔ اور اپنا ہر ذرہ اسلام کی خدمت میں لگا دیا ہو۔ کیا ایسا شخص گمراہ اور ضال اور مفسد اور دجّال ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اعمال مفسدانہ ہیں۔ اگر اس قسم کا عشق کفر کی علامت ہے۔ اگر ایسی محبّتِ رسُول گمراہی کا نشان ہے تو بخدا

یہ گر ہی خدا مجھے ساری کرے نصیب　　یہ کفر مجھ کو بخش دے سارے جہان کا

خدا گواہ ہے اور اس کا کلام گواہ ہے۔ اور خدا کا رسُول گواہ ہے۔ اور عقل سلیم گواہ ہے کہ ایسا شخص ہرگز ہرگز گمراہ اور جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اگر خدا اور اسکے رسُول کا اس قدر عشق اور ان کی اس قدر اطاعت اور فرمانبرداری اور ان کے احکام کی اشاعت کیلئے اس قدر کوشش کرکے اور ان کے لئے پہلوں اور پچھلوں سے زیادہ غیرت دکھا کر بھی کوئی شخص کذّاب دجّال ہی بنتا ہے۔ تو اس دُنیا کے پردہ پر کبھی کوئی شخص ہدایت کا مستحق نہیں ہوا۔ اور نہ آیندہ ہوگا۔

بارھویں دلیل[12]

آپؑ کی قوّتِ احیاء

بارھویں دلیل کے طور پر میں حضرت اقدسؑ کی قوتِ احیاء کو پیش کرتا ہوں۔ اور یہ دلیل بھی ماسبق دلائل کی طرح ہزاروں دلائل کا مجموعہ ہے۔ اسوقت مُسلمانوں کا مسیحیوں کی طرح یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام جسمانی مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ یہ خیال قرآن کریم کی تعلیم کی رُو سے شرک ہے۔ اور ایمان کو ضائع کرنیوالا ہے۔ مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ حضرت مسیح باقی انبیاء کی طرح ضرور مُردے زندہ کیا کرتے تھے۔ خدا کا کلام اسپر گواہ ہے۔ اور اس کا منکر خدا کے کلام کا مُنکر ہے۔ یہ مُردے رُوحانی مُردے ہوتے تھے اور در حقیقت انہی مُردوں کے احیاء کے لئے انبیاء آیا کرتے ہیں۔ اور کوئی نبی نہیں گذرا جس نے اس قسم کے مُردے زندہ نہ کئے ہوں۔ آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کُل انبیاء اسی غرض کے لئے مبعوث کئے گئے تھے کہ مُردوں کو زندہ کریں۔ اور اولوالعزم انبیاء کی صداقت کے پرکھنے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ ان کے ہاتھوں سے مُردے زندہ ہوں۔ اگر کوئی یہ معجزہ نہ دکھا سکے۔ تو اُس کا دعوائے نبوّت ضرور مشکوک ہو جاتا ہے اور جو شخص اس قسم کے مُردے زندہ کرکے دکھا دے۔ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہے

کیونکہ یہ احیاء بغیر اذن اللہ کے نہیں ہوسکتا۔ اور جسے اذن اللہ حاصل ہوگیا۔ اس کے سچے ہونے میں کیا شک رہا۔

اے بادشاہ! یہ نشان حضرت اقدسؑ کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت سے ظاہر کیا ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد اور کسی نبی کی تاریخ اور اس کے حالات سے اس وضاحت کے ساتھ اس نشان کے ظہور کا پتہ نہیں چلتا۔ واللہ اعلم بالصّواب۔ حضرت اقدسؑ اُسوقت دُنیا میں تشریف لائے۔ کہ جسوقت نہ صرف رُوحانی موت ہی دُنیا پر طاری تھی۔ بلکہ مرے ہوئے لوگوں کو اس قدر عرصہ ہوگیا تھا کہ جسم گل سڑ گئے تھے۔ اور افتراق شروع ہوگیا تھا۔ یہ ایسی سخت موت تھی کہ اس موت کی حسرتناک حالت سے تمام انبیاء لوگوں کو ڈراتے آئے ہیں۔ چنانچہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ انہ لم یکن نبیٌّ بَعْدَ نوحٍ الا قد انذر الدجال قومہ وانی انذرکُمُوہ (ترمذی ابواب الفتن) یعنی حضرت نوحؑ کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے دجّال کے فتنہ سے اپنی قوم کو نہ ڈرایا ہو۔ اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں پس دجّالی فتنہ سے مارے ہوئے لوگوں سے زیادہ زندگی سے دُور دوسرے مُردے نہیں ہوسکتے۔ اور ایسے اُمیدوں کی حد سے گذرے ہوئے مُردوں کا زندہ کرنا در حقیقت ایک بہت بڑا مشکل کام تھا۔ مگر آپؑ نے اس کام کو کیا۔ اور ہزاروں لاکھوں مُردے زندہ کرکے دکھا دیئے۔ اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کی نظیر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کرکے دوسری جماعتوں میں نہیں ملتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے تعلقات اپنی قوم کے ساتھ سیاسی بھی تھے۔ اِس لئے ان کی ساری قوم ان پر ایمان لاکر بھی ان کے ساتھ نہ تھی۔ بلکہ بہت سے لوگ سیاسی حالات کو مدّ نظر رکھ کر ان کے ساتھ چلنے پر مجبُور تھے۔ جو لوگ ان پر ایمان لاکر ان کے ساتھ ہوئے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فما اٰمن لموسٰیٓ الّا ذرّیّۃٌ مّن قومہٖ۔ (یونس) یعنی موسیٰ کی اطاعت نہیں کی مگر ان کی قوم کے کچھ نوجوانوں نے یہ تو قیام مصر کا حال تھا۔ مصر سے نکلکر بھی اکثر حصّہ آپ کی قوم کا آپ کی صداقت کا دِل سے قائل نہ تھا۔ ہاں سیاستًا آپ کے ساتھ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کی قوم کے ایک حصّہ نے خروج مصر کے بعد ان سے کہا کہ یٰموسیٰ لن نؤمن لك حتّٰی نری اللہ

جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (بقرہ پ۱) اے موسیٰ ہم تیری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پس تم کو عذاب الٰہی نے پکڑ لیا۔ درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے۔ اسی طرح قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور اناجیل اور تاریخوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔ اور ان میں سے جو مخلص تھے۔ اور حقیقی زندگی جنھوں نے پائی تھی۔ وہ تو بہت ہی کم تھے لیکن حضرت اقدس علیہ السلام چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض روحانیہ کے جاری کرنے اور آپ کی برکات کو دنیا میں پھیلانے کے لئے آئے تھے۔ اور مسیح محمدی کا مقام بلند رکھتے تھے۔ آپکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے مُردے زندہ کئے۔ اور ایسے مُردے زندہ کئے۔ جن پر جب تک چشمۂ محمدیہ کا پانی نہ چھڑکا جاتا۔ ان کے جینے کی کوئی اُمید ہی نہیں ہو سکتی تھی ؛

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس زمانہ میں جبکہ چاروں طرف بدعات اور رسوم اور دنیا طلبی اور فسق اور دین سے نفرت اور کلام الٰہی سے بے پروائی اور شرائع کی ہتک اور اعمال صالحہ سے غفلت اور دعا سے بے توجہی اور غیرت دینی کی کمی نظر آرہی ہے۔ حضرت اقدس نے ایک ایسی جماعت پیدا کر دی ہے۔ جو باوجود تعلیمیافتہ ہونیکے خدا اور اس کے رسول اور اس کے ملائکہ اور دعا اور معجزات اور کلام الٰہی اور حشر اور نشر اور جنت اور دوزخ پر پورا یقین رکھتی ہے۔ اور شریعت اسلام کی حتی الوسع پابند ہے حتیٰ کہ بہت تلاش سے ہی اس جماعت میں کوئی آدمی ایسا ملیگا۔ جو نمازوں کی ادائگی میں تغافل کرتا ہو۔ اور یہ جو کچھ کمی ہے یہ بھی ابتدائی حالت کا نتیجہ ہے۔ اور آہستہ آہستہ دور ہو رہی ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جبکہ کالجوں کے طالب علم اور تعلیم جدید کے دلدادہ دین سے بکلی متنفر ہیں۔ اور دین کو صرف سیاسی اجتماع کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ کے ذریعہ سے ایک ایسی جماعت نو تعلیمیافتہ لوگوں کی تیار ہوئی ہے۔ اور ہو رہی ہے کہ جس کی سجدہ گاہیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں اور جس کے سینے گریہ وبکا کی آواز سے ہنڈیا کی طرح کھولتے ہیں۔ اور جو اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۂ اسلام کو تمام سیاسی ترقیات اور حصول جاہ پر مقدم کرکے ماسوی کو اس پر قربان

کر رہی ہے۔ ان میں سے بہت دنیا کما سکتے ہیں مگر خدا کے دین کو کمزور دیکھ کر اور علمی جہاد کی ضرورت محسوس کرکے تمام امنگوں پر لات مار کر دین کی خدمت میں لگ گئے ہیں۔ اور قلیل کو کثیر پر ترجیح دے رہے ہیں۔ اور فاقہ کشی کو سیر شکمی سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ انکی زبانوں پر اللہ اور اُسکے رسول کا نام ہے۔ انکے دلوں میں اللہ اور اُسکے رسول کی محبت ہے۔ اور انکے اعمال اللہ اور اسکے رسول کی عظمت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اور اُنکے چہروں سے اللہ اور اُسکے رسول کا عشق ٹپک رہا ہے۔ وہ اسی دنیا میں بستے ہیں۔ اور ان کے کان آزادی کی آوازوں سے ناآشنا نہیں۔ ان کے دماغ آزادی کے خیالات سے ناواقف نہیں۔ ان کی آنکھیں آزادی کی جدوجہد کے دیکھنے سے قاصر نہیں انھوں نے بھی وہ سب کچھ پڑھا اور سنا ہے۔ جو دوسرے لوگ پڑھتے اور سنتے ہیں۔ مگر پھر بھی جب انھوں نے یہ دیکھا کہ اسلام اسوقت اس قدر آزادی کا محتاج نہیں جس قدر کہ غلامی کا۔ دجالی فتنہ نے اگر کوئی نقصان اسلام کو پہنچایا ہے تو اس وسیع انتظام سے جو اس نے اسلام کی بیخ کنی کیلئے اختیار کیا تھا۔ اور یہ کہ اسلام کی ترقی اس وقت صرف ایک بات کو چاہتی ہے کہ سب لوگ خدا کے ہو کر ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ بڑے اور چھوٹے امیر اور غریب۔ عالم اور جاہل اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کو ایک جگہ لاکر رکھ دیں اور ایک ہاتھ پر جمع ہو جائیں۔ تاکہ مشترکہ طور پر کفر و فساد کا مقابلہ کیا جائے تو انھوں نے خدا کے حکم اور اسلام کے مفاد کو اپنے خیالات پر ترجیح دی۔ اور زمانہ کے اثرات سے متاثر ہونے سے انکار کر دیا۔ اور خود اپنے گلوں میں اطاعت کی رسّی ڈال لی۔ اور خوشی سے اس امر کیلئے تیار ہو گئے کہ اسلام کی بہتری کو مدنظر رکھکر جس طرف اور جدھر بھی وہ ہاتھ اشارہ کرے جس پر وہ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ بلا عذر اور بلا حیلہ ادھر کو چل پڑینگے۔ اور کسی قربانی سے دریغ نہ کرینگے۔ اور کسی تکلیف کو خیال میں نہ لائینگے۔ اور یہی نہیں کہ انہوں نے منہ سے یہ اقرار کیا۔ بلکہ عملاً اسی طرح کرکے دکھایا۔ اور اس وقت انہیں سے کئی اپنے وطنوں سے دور اپنے بیوی بچّوں سے دور روپیہ کے لئے نہیں۔ بلکہ سخت مالی اور جانی تکلیف اُٹھا کر خلیفۂ وقت کی اطاعت میں اشاعت اسلام کر رہے ہیں۔ اور بہت ہیں جو اس انتظار میں ہیں کہ کب ان کو حکم ملتا ہے کہ تا وہ بھی سب دنیاوی علاقوں کو توڑ کر خدا کے جلال کے اظہار کے لئے

اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔ منھم من قضٰی نحبہ ومنھم من ینتظر فجزاھم اللہ عنا احسن الجزاء ۞

وہ خدا کے لئے مارے جاتے ہیں۔ اور پیٹے جاتے ہیں۔ اور گھروں سے نکالے جاتے ہیں۔ اور ان کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ مگر وہ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل منور ہو گئے۔ اور ان کی باطنی آنکھیں کھل گئیں۔ اور انھوں نے وہ کچھ دیکھ لیا۔ جو دوسروں نے نہیں دیکھا۔ وہ ماریں کھاتے ہیں۔ مگر دوسروں کی خیرخواہی کرتے ہیں۔ ذلیل کئے جاتے ہیں۔ لیکن دوسروں کے لئے عزّت چاہتے ہیں ۞

وہ کون ہے۔ جو اسوقت اسلام کی حفاظت اور اسکی اشاعت کے لئے امریکہ میں تن تنہا لڑ رہا ہے۔ اور گو ایک وسیع سمندر میں ایک بلبلہ کی طرح پڑا ہوا ہے مگر اس کا دل نہیں گھبراتا۔ وہ ایک مُردہ ہے۔ جسے مسیح نے اپنے ہاتھ سے زندہ کیا۔ اور وہ اِس لئے تن تنہا امریکہ کو اسلام کے حلقۂ غلامی میں لانے کیلئے کوشاں ہے کہ وہ جانتا ہے کہ ایک زندہ کروڑوں مُردوں پر بھاری ہے ۞

وہ کون ہیں جو انگلستان میں اشاعتِ اسلام کر رہے ہیں۔ وہ یہی مسیح محمدی کے زندہ کئے ہوئے لوگ ہیں۔ اور گو جسمانی طور پر انگلستان نے ہندوستان کو فتح کیا ہوا ہے۔ مگر وہ یہ جانتے ہیں کہ انگلستان کی رُوح مر چکی ہے۔ وہ خدا سے دُور جا پڑا ہے۔ وہ اس زندگی کے پانی کی بوتلیں لیکر جس سے مسیح نے ان کو زندہ کیا۔ دوسروں کے زندہ کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ انگلستان کا اقبال۔ اسکی دولت اسکی حکومت ان کو ڈراتی نہیں۔ کیونکہ ان کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اور انگلستان مُردہ۔ پھر زندہ مُردہ سے کیوں ڈرے۔ اور اس سے کیوں گھبرائے۔

مغربی افریقہ کا ساحل جہاں مسیحیت نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کئے تھے۔ اور لاکھوں آدمیوں کو مسیحی بنا لیا تھا۔ اور ایک آدمی کی پرستش کے لئے لوگوں کو جمع کیا جا رہا تھا۔ وہاں کون واحد خدا کے نام کو بلند کرنے کے لئے گیا۔ اور شرک کی توپ کے آگے سینہ سپر ہوا۔ وہی مسیح موعودؑ کے نفخ سے زندہ ہونیوالے لوگ جو کہ اسوقت اسلام کی حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے جب لوگ اسلام کی موت کا یقین کر بیٹھے تھے۔ اور اس کے اثر کو مٹتا ہوا دیکھنے لگ گئے تھے۔

کس نے مارشیس کی طرف توجہ کی۔ اور اس ایک طرف پڑے ہوئے جزیرہ کے باشندوں کو زندگی بخشنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ کس نے لنکا کو جو نہایت قدیم تاریخی روایات کا مقام ہے جا کر اپنی آواز سے چونکایا۔ کون رُوس اور افغانستان کے لوگوں کو زندگی کی نعمت بخشنے کے لئے گیا یہی مسیح موعودؑ کے زندہ کئے ہوئے لوگ ۞

کیا یہ زندگی کی علامت نہیں۔ کہ چالیس کروڑ مُسلمانوں میں سے کوئی نظر نہیں آتا۔ جو تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دین کے لئے اپنے گھر سے نکلا ہو لیکن ایک مٹھی بھر احمدیوں میں سے سینکڑوں اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔ اور ان ممالک میں تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور لوگوں کو مُسلمان بنا رہے ہیں۔ جن کی نسبت خیال بھی نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ کبھی اسلام کا نام بھی سُنینگے ۞

اگر اس جماعت کے افراد میں نئی زندگی نہیں پیدا ہوئی۔ تو انھوں نے دُنیا کے نقشہ کو کس طرح بدل دیا۔ اور تن تنہا ملکوں کا مقابلہ کرنے کی ان میں جرأت کیونکر پیدا ہوئی۔ اور کس امر نے ان کو مجبور کیا۔ کہ وہ وطن سے بے وطن ہو کر دُنیا میں دھکّے کھاتے پھریں۔ کیا ان کے ماں باپ نہیں۔ انکی بیویاں نہیں۔ ان کے بچّے نہیں۔ ان کے بھائی نہیں۔ انکے دوست نہیں۔ ان کو اور کوئی کام نہیں۔ پھر کس چیز نے ان کو دُنیا سے چھڑوا کر دین کی طرف لگا دیا۔ اسی بات نے کہ انھوں نے زندگی کی رُوح پائی۔ اور مُردہ چیزوں کو اُس زندہ خدا کے لئے جو سب زندگیوں کا سرچشمہ ہے چھوڑ دیا وہ ان میں سما گیا۔ اور وہ اسمیں سما گئے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین ۞

مَیں نے جو زندگی بخش طاقت مسیح موعودؑ کی لکھی ہے۔ یہ مشتبہ رہیگی۔ اگر میں اس زندگی کے اثر کو بیان نہ کروں۔ جو کہ حقیقی اور سچا معیارِ حیات ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ نے اپنی قوت احیاء سے ایسی زندگی لوگوں کے دلوں میں پیدا کی کہ بہت سے ان میں سے نہ صرف زندہ ہی نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کو بھی احیاء موتیٰ کی طاقت دی گئی۔ اگر یہ طاقت آپؑ کے ذریعہ اوروں کو نہ ملتی۔ تو یہ شبہ رہتا۔ کہ شاید آپؑ کے دماغ کی بناوٹ ایسی ہو کہ آپؑ پڑھ علوم کھولے جاتے ہیں۔ جو آپؑ بیان کرتے ہیں۔ اور آپؑ وہ نظارے دیکھ لیتے ہیں۔ جو اپنے وقت پر پُورے ہو جاتے ہیں۔ اور آپؑ کی توجہ میں وہ تاثیر پیدا ہو گئی ہے کہ جس سے آپؑ کی

خواہشات بڑی حد تک پوری ہو جاتی ہیں مگر انہیں آپ اس خزانہ کو اپنے ساتھ ہی نہیں لے گئے بلکہ جو لوگ سچے طور پر آپ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ انکو یہ سب طاقتیں علیٰ قدر مراتب ملتی ہیں۔ آپکی محبت اور آپکے ساتھ تعلق کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ اپنے علوم کی بارش دلوں پر نازل کرتا ہے اور اسوقت آپکی جماعت میں سے بہت ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مطالب قرآن کریم کے بیان کرنے میں ایک تیز رو گھوڑے سے زیادہ تیز ہیں۔ اور جنکے بیان میں وہ تاثیر ہے کہ شکوک و شبہات کی رسیاں انکی ایک ضرب سے کٹ جاتی ہیں۔ وہ قرآن جو لوگوں کیلئے ایک سربمہر لفافہ تھا۔ ہمارے لئے کھلی کتاب ہے۔ اسکی مشکلات ہمارے لئے آسان کی جاتی ہیں اور اسکی باریکیاں ہمارے لئے ظاہر کر دی جاتی ہیں۔ کوئی دنیا کا مذہب یا خیال نہیں جو اسلام کے خلاف ہو اور جسے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم صرف قرآن کریم کی تلوار سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیں۔ اور کوئی آیت ایسی نہیں جس پر کسی علم کے ذریعہ سے کوئی اعتراض پڑتا ہو اور خدا کی مخفی وحی ہمیں اسکے جواب سے آگاہ نہ کر دے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام یا کشوف کا ہونا بھی آپ تک محدود نہیں رہا بلکہ آپکے ذریعہ زندہ ہونیوالوں میں سے بہت ہیں جنکو اللہ تعالیٰ الہام کرتا ہے اور رؤیا دکھاتا ہے جو اپنے وقت پر پوری ہو کر انکے اور انکے دوستوں کے ایمان کو تازہ کرنیوالی ہوتی ہیں۔ وہ ان سے کلام کرتا اور ان پر اپنی مرضی کی راہیں کھولتا ہے جس سے ان کو تقویٰ کے راستوں پر چلنے میں مدد ملتی ہے اور ان کا دل قوی ہوتا اور حوصلہ بڑھتا ہے۔

دعاؤں کی قبولیت اور نصرت الٰہیہ کے نزول کے معاملہ میں بھی حضرت اقدسؑ کا فیض جاری ہے اور آپکے ذریعہ سے زندہ ہونیوالے لوگ اس زندگی بخش طاقت کو اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کے اکثر افراد کی دعائیں دوسرے لوگوں سے زیادہ سنتا ہے۔ اور اپنی نصرت ان کے لئے نازل کرتا ہے۔ اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے اور انکی محنتوں کے اعلیٰ ثمرات پیدا کرتا ہے اور انکو اکیلا نہیں چھوڑتا اور ان کیلئے غیرت دکھاتا ہے۔

غرض حضرت اقدسؑ نے نہ صرف مُردے ہی زندہ کئے۔ بلکہ ایسے لوگ پیدا کر دئے ہیں۔ جو خود بھی مُردے زندہ کرنیوالے ہیں۔ اور یہ کام سوائے ان بزرگ انبیاء کے جو اللہ تعالیٰ

کے خاص پیارے ہوتے ہیں۔ اور کوئی نہیں کر سکتا اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب فیض آپکو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ اور آپکا کام درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کام تھا۔ کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فتبارک من علّم و تعلّم (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

تتمہ

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ثابت کرنے کے لئے یہ بارہ[12] دلائل جو میں نے بیان کئے ہیں۔ کافی ہیں۔ اور جو کوئی شخص بھی ان پر حق کو پا لینے کی نیت سے غور کریگا۔ وہ حق الیقین تک پہنچ جائیگا۔ کہ حضرت اقدسؑ اللہ تعالیٰ کے مسیح اور اُس کے مامور اور مُرسل ہیں۔ اور یہ کہ اب کسی اور مسیح کا انتظار فضول ہے۔ اور پیاسوں کی طرح آپ پر ایمان لانے کے لئے دوڑیگا اور اس سلک میں پروئے جانے کو اپنے لئے موجب فلاح سمجھیگا۔ جسے مسیح موعود علیہ السلام نے تیار کیا ہے۔

ایک مُسلمان کہلانے والے شخص کے لئے خدا اور اس کے رسُول کی شہادت سے زیادہ اور کس چیز کی قیمت ہو سکتی ہے۔ اور جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں۔ حضرت اقدس علیہ السلام کے دعویٰ کے متعلق خدا تعالیٰ کی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ اور اُس کے رسُولؐ کی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ بلکہ ہر ایک نبی جس کا کلام محفوظ ہے اسکی شہادت آپ کے صدق دعویٰ پر موجود ہے۔ عقل کہتی ہے کہ اس زمانہ میں ایک مُصلح آنا چاہیئے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات مسیح موعود اور مہدی کی بیان فرمائی تھیں۔ پُوری ہو چکی ہیں۔ آپ کی پاک زندگی آپکے دعویٰ پر شاہد ہے جن دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے مسیح موعود کو آنا تھا اور جس رنگ میں انکو شکست دینی تھی۔ وہ دشمن اسوقت موجود ہیں اور مسیح موعودؑ نے انکو شکست دیدی ہے مُسلمانوں کے اندرونی فسادات اس حد تک پہنچ گئے ہیں۔ کہ ان سے بڑھکر قرآن کریم کی موجودگی میں فساد کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ اور ان کی اصلاح بھی اعلیٰ سے اعلیٰ طریق پر حضرت مسیح

نے کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ عمر بھر ایسا معاملہ کیا۔ جو وہ اپنے رسولوں اور پیاروں سے کرتا ہے۔ ہر میدان میں آپ کو فتح دی۔ اور ہر شر سے آپ کو بچایا۔ آپ کے دشمنوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا۔ جو ماموروں اور مرسلوں کے دشمنوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ قانون قدرت تک کو اس نے آپ کی خدمت پر لگا دیا۔ اور زمین اور آسمان کو آپ کی تائید میں لگا دیا۔ علوم قرآنیہ کے دروازے آپ پر کھول دئے۔ اور علوم قرآنیہ کی اشاعت کے ذرائع آپ کے لئے مہیا کر دئے۔ حتیٰ کہ آپ نے ان لوگوں کو جو علم و فضل کی کان سمجھے جاتے تھے۔ اپنے مقابلہ کے لئے بلایا۔ مگر کوئی آپ کے مقابلہ پر نہ آسکا۔ اور معجزانہ طور پر آپ کا کلام غالب رہا۔ اور لایمسہ الا المطہرون کے وعدہ الٰہی نے آپ کی صداقت پر گواہی دی۔ پھر آپ پر غیب کا دروازہ کھولا گیا۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہزاروں امور غیبیہ پر اطلاع دی۔ جو اپنے وقت پر پورے ہو کر جلال الٰہیہ کو ظاہر کرنے کا موجب ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنّت ہے کہ وہ امور غیبیہ پر کثرت سے سوائے اپنے رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ آپ نے اپنی تمام عمر خدا اور رسول کی محبت میں خرچ کر دی۔ اور ایسے شخص خدا کی درگاہ سے دھتکارے نہیں جاتے۔ آپ نے ایک پاک اور کارکن جماعت پیدا کر دی جس میں سے ایک گروہ ایسا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو زندہ کرنے اور روحانی امور کے کھولنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ دین پر فدا ہے اور دنیاوی علائق سے جدا ہے۔ اسلام کا خیرخواہ ہے۔ اور ماسوائی سے بیزار ہے۔ پس باوجود ان سب شواہد کے آپ کے دعویٰ کو قبول نہ کرنا اور آپ پر ایمان نہ لانا کسی طرح درست اور اللہ تعالیٰ کی نظروں میں پسندیدہ نہیں ہوسکتا۔ اور درحقیقت وہ شخص جو اسلام سے محبت رکھتا ہو۔ اور رسول کریمؐ کا عاشق ہو۔ اور اپنے ذاتی مفاد پر اسلام کے فوائد کو مقدم رکھتا ہو۔ اس سے یہ امید ہی نہیں کی جاسکتی کہ اسقدر وضاحت کے بعد خاموش رہے۔ اور حق کے قبول کرنے میں دیر لگائے۔ اگر یہ دلائل جو اوپر بیان ہوئے آپ کی صداقت کو ثابت نہیں کرتے تو پھر اور کونسے دلائل ہیں جنکے ذریعہ سے پہلے انبیاءؑ کی صداقت ثابت ہوئی۔ اور جنکی بنا پر اُن نبیوں پر ایمان لایا جاتا ہے۔ اگر ان سے بڑھ کر بلکہ سوائے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے باقی سب نبیوں کے متعلق اسقدر دلائل نہیں ملتے جتنے اوپر بیان ہوئے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جاتا ہے۔ اگر ایمان صرف ماں باپ سے سُنی سُنائی

باتوں کو دُہرا دینے کا نام نہیں بلکہ تحقیق و تدقیق کر کے کسی بات کو ماننے کا نام ہے تو پھر دو باتوں میں سے ایک کو ضرور اختیار کرنا پڑیگا۔ یا تو سب نبیوں کا انکار کرنا ہوگا یا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اور میں اے بادشاہ آپ جیسے فہیم اور ذکی فرمانروا سے یہی اُمید کرتا ہوں کہ آپ مؤخر الذکر طریق کو اختیار کرینگے۔ اور خدا کے فرستادہ کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے اظہار اور اسلام کو غالب کرنے اور مسلمان کہلانیوالوں کو پھر مسلمان بنانے کے لئے آیا ہے۔ قبول کرنے میں دیر نہیں کرینگے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کو قبول کرنا اس کے ارادہ کے مطابق بہت سی برکات کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسکی منشاء کے خلاف کھڑا ہو جانا کبھی بھی بابرکت نہیں ہوتا۔

اِسلام کی حالت اسوقت قابل رحم ہے۔ اور ممکن نہیں کہ جو شخص اس دین سے سچّی محبت رکھتا ہو۔ اس کا دل اسکی اس حالت کو دیکھ کر اسوقت تک خوش ہو سکے جب تک وہ اسکی کامیابی کے لئے سامان بہم نہ پہنچائے۔ اور اسے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ دیکھ لے۔ دشمن تو اسکی عداوت میں اِس قدر بڑھ گئے ہیں کہ انکو اسمیں کوئی خوبی ہی نظر نہیں آتی۔ سر سے پا تک عیب ہی عیب نکالتے ہیں۔ جو دوست کہلاتے ہیں۔ وہ بھی یا تو دل سے اس سے متنفر ہیں یا اسکی طرف انکو کوئی توجہ ہی نہیں۔ اسلام انکی زبانوں پر ہے۔ مگر حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔ ان کی تمام تر توجہ سیاسیات کی طرف ہے۔ اگر کوئی ملک ہاتھ سے نکل جائے۔ تو وہ زمین آسمان کو سر پر اُٹھا لیتے ہیں لیکن اگر ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کو چھوڑ کر مسیحی یا ہندو ہو جائیں۔ تو انکو کچھ پرواہ نہیں۔ دُنیاوی مفاد حاصل کرنے کیلئے تو انجمنیں والنٹیروں کی کوئی کمی نہیں لیکن اشاعتِ دین کیلئے اُن میں سے ایک بھی باہر نہیں نکلتا۔ سلطان ٹرکی کی خلافت کا اگر کوئی منکر ہے۔ تو ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے لیکن رسول کریمؐ کی رسالت کو بے شک رد کر دے۔ انکی غیرت جوش میں نہیں آتی۔ اور یہ حالت انکی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ ہندوستان کی تو اب یہ حالت ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں میں تبلیغ کرنا تو دُور کی بات ہے۔ انکی طرف سے اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں۔ اگر ان کا بھی جواب دیا جائے۔ تو خود مُسلمان کہلانیوالے لوگ گلوگیر ہو جاتے ہیں۔ اور اسے مصلحتِ وقت کے خلاف بتاتے ہیں۔ غرض اسلام ایک ردّی شے کی طرح گھروں سے نکالکر پھینک دیا گیا ہے۔ اور صرف اس کا نام سیاسی فوائد کے حصُول کیلئے رکھ لیا گیا ہے۔ اس حالت کو دُور کرنے کیلئے اور اسلام کو مُصیبت سے بچانے

کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ مسیح موعودؑ کو قبول کیا جائے اور اس کے دامن سے اپنے آپکو وابستہ کیا جائے۔ بغیر اسکے سایہ میں آنے کے ترقی کا کوئی راستہ کھلا نہیں۔ اب تلوار کا جہاد اسلام کیلئے مفید نہیں ہوسکتا۔ جب تک ایمان درست نہ ہونگے اور اسلام کا صحیح مفہوم لوگ نہ سمجھینگے۔ اور پھر خدا کی رسّی کو سب کے سب مضبوط کر کے نہ پکڑ لینگے اسلام کی ترقی کے سامان پیدا نہیں ہوسکتے دُنیا نے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا کہ آپ نے نعوذ باللہ تلوار کیساتھ اسلام کی اشاعت کی تھی۔ ورنہ دل پر اثر کرنیوالے دلائل آپ کے پاس موجود نہ تھے اور خود مسلمان اس اعتراض کی تائید کرتے تھے۔ اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس اعتراض کو اپنے رسُول پر سے دُور کرے اور اس اس غرض سے رسُول کریمؐ کی اُمّت سے ایک شخص کو مسیح کر کے بھیجا ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے براہین اور دلائل کی تلوار سے دشمن کو مغلوب کرے اور اسلام کو غالب۔ تا دُنیا کو معلوم ہو کہ جو کام ایک خادم کر سکتا ہے آقا اسکو بدرجہ اولیٰ کر سکتا تھا۔ اب اس ذریعہ کے سوا اسلام کی مدد کا اور کوئی طریق نہیں خدا چاہتا ہے کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو آپ کی غلامی میں لا کر داخل کرے اور اس کا ایک ہی طریق ہے کہ اس سچے اسلام کو جو مسیح موعودؑ لایا ہے۔ اس صحیح طریق سے جو مسیح موعودؑ نے بتایا ہے اس خالص ایمان کیساتھ جو مسیح موعودؑ نے دلوں میں پیدا کیا ہے۔ دُنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور بھولے بھٹکوں کو راہ راست پر لایا جائے اگر خدا تعالیٰ کا منشا ہوتا کہ کسی اور ذریعہ سے اسلام کو ترقی دے تو وہ پہلے سب راستوں کو بند کیوں کرتا۔ پس مسیح موعودؑ سے دُور رہنا گویا اسلام کی ترقی میں روک پیدا کرنا ہے اور دشمنوں کو موقع دینا ہے کہ وہ رسُول پاک پر حملہ کریں اور آپ کی عزّت پر تیر اندازی کریں جسے کوئی باغیرت مسلمان پسند نہیں کرتا ؛

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ اُمّت کس طرح ہلاک ہوسکتی ہے جس کے ایک طرف مَیں ہوں اور دوسری طرف مسیح موعود۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی شخص کا ایمان محفوظ رہ سکتا ہے جو ان دونوں دیواروں کے اندر آجائے۔ پس مسیح موعودؑ کے نازل ہو جانیکے بعد جو اس پر ایمان نہیں لاتا۔ وہ خدا کی حفاظت سے باہر ہے اور جو مسیح موعودؑ کے راستہ میں روک بنتا ہے۔ وہ درحقیقت اسلام کا دشمن ہے اور اسلام کی ترقی اسکو نہیں بھاتی۔ ورنہ وہ اس دیوار کے قائم ہونے میں کیوں روک ڈالتا جس کے ذریعہ سے اسلام محفوظ ہوتا ہے۔ وہ خدا کے قہر کی تلوار کی زد کے نیچے

ہے۔ بہتر ہوتا کہ اسکی ماں اسکو نہ جنتی۔ اور وہ مٹی رہتا اس نحس دن کو نہ دیکھتا ؛

اے بادشاہ مسیح موعود کی آمد کیساتھ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے وابستہ ہیں۔ انکے ذریعہ سے اسلام کو ایک نئی زندگی دی جائیگی جس طرح ایک خشک درخت زور کی بارش سے جو وقت پر پڑتی ہے۔ ہرا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مسیح موعودؑ کی آمد سے اسلام سرسبز و شاداب ہوگا اور ایک نئی طاقت اور نئی رُوح اُن لوگوں کو دی جائیگی۔ جو مسیح موعودؑ پر ایمان لائینگے۔ خدا تعالیٰ نے دیر تک صبر کیا۔ اور خاموش رہا مگر اب وہ خاموش نہیں رہیگا۔ وہ کبھی اس امر کی اجازت نہیں دیگا کہ اس کے ایک بندہ کو اس کا شریک بنایا جائے نہ اس کا بیٹا قرار دیکر۔ نہ آسمان پر زندہ مانکر اور مُردہ زندہ کرنیوالا اور نئی مخلوق پیدا کرنیوالا قرار دیکر۔ وہ رحم کرنیوالا ہے مگر وہ غیرت مند بھی ہے اس نے دیر تک انتظار کیا کہ اسکی پاک کتاب کی طرف کب لوگ توجہ کرتے ہیں مگر مسلمانوں نے اسکی طرف سے پیٹھ پھیر لی۔ وہ اور لغویات کی طرف متوجہ ہوئے مگر خدا کے کلام کی انہوں نے قدر نہ کی۔ اور یہ آیت ان کو بھول گئی کہ یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ پس خدا نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور اب وہ اسوقت تک ان کی طرف منہ نہیں کریگا جب تک وہ اس کے مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکر اس بات کا اقرار نہیں کرتے۔ کہ وہ آئندہ اس سے بے توجہی نہیں کرینگے۔ اور اپنی پچھلی غلطیوں کا تدارک کرینگے۔ لوگوں نے دُنیا سے محبت کی مگر خدا تعالیٰ سے محبت نہ کی۔ تب خدا نے بھی اُن سے دُنیا لے لی۔ اور ذلت کی مار ان پر مار دی۔ انہوں نے مسلمان کہلا کر خدا کے محبوب کو تو زمین میں دفن کیا۔ مگر حضرت مسیح کو زندہ آسمان پر جا بٹھایا۔ تب اس نے بھی ان کو زمین پر ڈال دیا اور مسیحیوں کو ان کے سر پر لا سوار کیا۔ یہ حالت ان کی نہیں بدل سکتی جب تک کہ اپنے اندر اصلاح نہ کریں۔ ظاہری تدابیر آج کچھ کام نہیں دے سکتیں کیونکہ یہ سب تباہی خدا کے غضب کے نتیجہ میں ہے۔ جب تک مسلمان خدا سے صلح نہیں کرینگے اُسوقت تک یہ روز بروز ذلیل ہی ہوتے چلے جائینگے پس مبارک وہ جو خدا سے صلح کرنے کو دوڑتا ہے کیونکہ وہ ذلت سے بچایا جائیگا اور خدا کی نُصرت اس کے ساتھ ہوگی اور اس کا ہاتھ اس کے آگے آگے ہوگا ؛

اے بادشاہ مسیح موعودؑ کی آمد کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ بلکہ بہت بڑا واقعہ ہے۔ مسیح موعود

وہ ہے۔ جسے رسُول کریمؐ نے سلام بھیجا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ خواہ سخت سے سخت صعوبتیں اُٹھا کر بھی اُس کے پاس جانا پڑے۔ تب بھی مُسلمانوں کو اُسکے پاس جانا چاہیئے۔ اُسکی نسبت دُنیا کے تمام مذاہب میں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی نبی نہیں جس نے اسکی آمد کی خبر نہ دی ہو۔ پس جس انسان کی اسقدر نبیوں نے خبر دی ہے۔ اور اپنی اُمتوں کو اس کی آمد کا منتظر کیا ہو۔ وہ کتنا بڑا انسان ہوگا۔ اور کیسا مبارک ہوگا وہ شخص جسکو اس کا زمانہ ملجائے۔ اور اس کی برکتوں سے حصّہ پائے۔

اے بادشاہ! خدا تعالیٰ کے مامور اور مُرسل روز روز نہیں آیا کرتے۔ اور خصوصاً اس قسم کے عالی شان مُرسل کہ جس قسم کا مسیح موعود ہے۔ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کسی شخص کی نسبت اسقدر بشارات مروی نہیں جسقدر کہ اسکی نسبت۔ پس اس سے بڑے آدمی کی آمد کی ہمیں اُمید نہیں ہو سکتی۔ وہ نبی کریمؐ کی اُمت کے لئے خاتم الخلفاء ہے۔ اور اس کے بعد قیامت کے زمانہ ہی کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ پس اسکے زمانہ کا ایک ایک دن قیمتی ہے۔ اتنا قیمتی کہ دُنیا و مافیہا اسکے مقابلہ میں حقیر اور ذلیل ہے اور خوش قسمت ہے وہ انسان جو اسکی قدر کو سمجھتا اور اسپر ایمان لاکر خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ انسان اپنی پیدائیش کے مقصد کو پا گیا۔ اور عبودیّت کا راز اسپر کُھل گیا۔

اے بادشاہ! جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے۔ تو اس کی جماعت ہمیشہ یکساں حالت میں نہیں رہتی۔ وہ غریبوں سے شروع ہوتی ہے۔ اور بادشاہوں پر جاکر ختم ہوتی ہے۔ اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ جماعت اس تمام علاقہ پر غالب ہو جاتی ہے جس کی طرف وہ مامور جس نے اس جماعت کو قائم کیا تھا بھیجا گیا تھا۔ پس ہمیشہ یہی حال نہیں رہیگا کہ ہماری جماعت غرباء کی جماعت رہے۔ بلکہ یہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کریگی۔ دُنیا کی حکومتیں ملکر بھی اسکی رفتار ترقی کو روک نہیں سکتیں۔ ایک دن ایسا آئیگا کہ یہ تمام جماعتوں اور فرقوں کو کھا جائیگی جیسا کہ حضرت اقدسؑ کا الہام ہے کہ تیرے ماننے والے قیامت تک تیرے منکروں پر غالب رہینگے۔ اور جیسا کہ آپکا الہام ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو آپکی بیعت میں داخل نہ ہونگے۔ کم کرتا چلا جائیگا۔ اور ایسا ہوگا کہ دُنیا کے بادشاہ آئیندہ اسی جماعت میں سے ہونگے یہ مغلوب نہیں رہیگی۔ بلکہ غالب آجائیگی۔ اور مفتوح نہیں رہیگی۔ بلکہ فاتح ہو جائیگی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے

مگر ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ایک ہی کام ایک وقت میں انسان کو بڑی عزت کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور دوسرے وقت میں اس کام کو کوئی پوچھتا بھی نہیں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ابتداءً ایمان لانیوالے آجتک دُنیا کے سردار بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جو اُس وقت ایمان لائے۔ جب اِسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ اُن میں سے بہتوں کے نام بھی لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص اسوقت کہ یہ جماعت کمزور سمجھی جاتی ہے۔ ایمان لاتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک سابقون میں لکھا جائیگا۔ اور خاص انعامات کا وارث ہوگا۔ اور عظیم الشان برکات کو دیکھیگا۔ اب بھی بہت سا وقت گذر چکا ہے۔ مگر پھر بھی عزت کے دروازے ابھی کُھلے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ابھی آسان ہے۔ پس میں آپ کو اس امر کی طرف توجّہ دلاتا ہوں۔ کہ اس وقت کی قدر کریں۔ اور ربّنا اننا سمعنا منادیًا یُنادی للایمان ان اٰمنوا بربّکم فاٰمنا کہتے ہوئے اس آواز پر لبیک کہیں۔ جسے خود اللہ تعالیٰ نے بلند کیا ہے تاکہ آپ اس کے مقبول اور پیارے ہو جائیں۔

مَیں آپ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ احمدیت کے باہر خدا نہیں مل سکتا۔ ہر ایک شخص جو اپنے دل کو ٹٹولیگا۔ اُسے معلوم ہو جائیگا کہ اس کے دِل میں خدا اور اس کی باتوں پر وہ یقین اور وثوق نہیں۔ جو قطعی اور یقینی باتوں پر ہونا چاہیئے اور نہ وہ اپنے دل میں وہ نُور پائیگا۔ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا چہرہ نظر نہیں آ سکتا۔ یہ یقین اور وثوق اور یہ نُور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے باہر کہیں نہیں مل سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ سب کو ایک نقطہ پر جمع کرے۔ مگر کیا کوئی شخص جو موت پر نظر رکھتا ہے۔ اس زندگی پر خوش ہو سکتا ہے۔ جو خدا سے دُوری میں کٹے۔ اور جسمیں اللہ تعالیٰ کے نُور سے حصہ نہ ملے۔ پس اس نور کو حاصل کیجئے۔ اور اس یقین کی طرف دوڑیئے جو احمدیّت ہی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جس کے بغیر زندگی بالکل بے مزہ

اور بے لطف ہے۔ اور دوسروں پر سبقت لے جائیے۔ تاکہ آیندہ نسلوں میں بھی آپ کا نام ادب اور احترام کے ساتھ لیا جائے۔ اور زمانہ کے آخر تک آپ کے نام پر رحمتیں بھیجنے والے لوگ موجود رہیں ؕ

بے شک خدا تعالیٰ کے سلسلوں میں داخل ہونیوالے انسان ایک بڑے بوجھ کے نیچے دب جاتے ہیں۔ مگر ہر ایک بوجھ تکلیف نہیں دیتا۔ وہ کسان جو اپنی سال بھر کی کمائی سر پر رکھ کر اپنے گھر لاتا ہے۔ کیا وہ بوجھ محسوس کرتا ہے۔ یا وہ ماں جو اپنا بچّہ گود میں اُٹھائے پھرتی ہے۔ بوجھ محسوس کرتی ہے۔ اِسی طرح خدا کے دین کی خدمت میں حصّہ لینا اور اس کے لئے کوشش کرنا مومن کے لئے بوجھ نہیں ہوتا۔ دوسرے اُسے بوجھ سمجھتے ہیں مگر وہ اُسے عین راحت خیال کرتا ہے۔ پس ان ذمہ واریوں سے مت گھبرائیے۔ جو حق کو قبول کرنے سے انسان پر عائد ہوتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرتے ہوئے اور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایتوں کو سوچتے ہوئے اس بوجھ کے نیچے اپنا کندھا دیدیجئے۔ جس کا اُٹھانا ہر ایک مُسلمان پر فرض ہے۔ آپ بادشاہ ہیں۔ لیکن خدا کے حضور آپ اور دوسرے انسان برابر ہیں جس طرح ان پر خدمتِ اسلام فرض ہے۔ آپ پر بھی فرض ہے۔ اور جس طرح ان کے لئے خدا تعالیٰ کے ماموروں کا ماننا ضروری ہے۔ آپ کے لئے بھی ضروری ہے پس خدا تعالیٰ کے حکموں اور اُسکی تقسیموں کو قبول کیجئے۔ اور اس کے قائم کردہ سلسلہ میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے انعامات سے حصّہ لیجئے۔ کہ ان میں سے سب سے چھوٹا آپ کی ساری مملکت سے بڑا اور زیادہ قیمتی ہے ؕ

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔ من فارق الجماعة شبرا فلیس منا۔ پس خدا کی قائم کردہ جماعت سے جُدا رہنا نہایت خوف کا مقام ہے۔ اور خصوصًا بادشاہوں کیلئے کہ اُن پر دُہری ذمہ واریاں عاید ہوتی ہیں۔ ایک ان کی اپنی اور ایک ان کی رعایا کی۔ بہت سے نادان دین کے

معاملہ میں بھی اپنے بادشاہ کی طرف دیکھتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کی غلطیوں کے ذمہ وار ان کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں۔ جب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو خط لکھا تھا۔ تو آپؐ نے اس کو اسی امر کی طرف توجہ دلاکر حق کو جلد قبول کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اور تحریر فرمایا تھا کہ فان تولیت فعلیك اثم الاریسیین کہ اگر تو نے انکار کردیا۔ تو تجھ پر زمینداروں کا گناہ بھی ہوگا۔ پس آپ حق کو قبول کر کے اپنی رعایا کے راستہ سے وہ روک ہٹا دیں جو اب ان کے راستہ میں عائد ہے۔ تاکہ ان کے گناہ آپ کو نہ دئے جائیں۔ بلکہ ان کی نیکیاں آپ کو ملیں۔ کیونکہ جس طرح وہ بادشاہ جو حق کا انکار کر کے دوسروں کیلئے روک بنتا ہے۔ ان کے گناہوں میں شریک قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بادشاہ جو حق کو قبول کرلیتا ہے۔ دوسروں کے لئے حق کے قبول کرنے کا راستہ کھول کر ان کے ثواب میں شریک کیا جاتا ہے ؕ

یہ دُنیا چند روزہ ہے۔ اور نہ معلوم کہ کون کب تک زندہ رہے گا۔ آخر ہر ایک کو مرنا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس وقت سوائے صحیح عقائد اور صالح اعمال کے اور کچھ کام نہیں آئیگا۔ غریب بھی اس دُنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔ اور امیر بھی۔ نہ بادشاہ اب تک اِس دُنیا سے کچھ لے گئے ہیں نہ غریب۔ ساتھ جانیوالا صرف ایمان ہے۔ یا اعمال صالحہ۔ پس اللہ تعالیٰ کے مامُور پر ایمان لائیے۔ تا خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو امن دیا جائے اور اسلام کی آواز کو قبول کیجئے۔ تا سلامتی سے آپ کو حصّہ ملے۔ مَیں آج اُس فرض کو ادا کرچکا ہوں۔ جو مجھ پر تھا۔ خدا تعالیٰ کا پیغام مَیں نے آپ کو پہنچا دیا ہے۔ اب ماننا نہ ماننا آپ کا کام ہے۔ ہاں مجھے آپ سے اُمید ضرور ہے کہ آپ میرے خط پر پُوری طرح غور کرینگے۔ اور جب اس کو بالکل راست اور درست پائینگے۔ تو وقت کے مامور پر ایمان لانے میں دریغ نہیں کرینگے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

پبلشر

ملک فضل حسین

مینیجر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام مچوی اللہ بخش

پرنٹر چھپوا کر قادیان سے

شائع کیا